

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص حضور رحمۃ للعالمین ﷺ حیات حقیقی جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں۔ اپنی نورانی قبروں میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ گونا گوں لذتیں حاصل کرتے ہیں۔ سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، جانتے ہیں، کلام فرماتے ہیں اور سلام کرنے والوں کو جواب دیتے ہیں۔ چلتے پھرتے اور آتے جاتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں۔ تصرفات فرماتے ہیں اپنی امتوں کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور مستفیضین کو فیوض و برکات پہنچاتے ہیں۔ اس عالم دنیا میں بھی ان کے ظہور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ آنکھوں والوں نے ان کے جمال جہاں آراء کی بار بار زیارت کی اور ان کے انوار سے مستغیر (منور) ہوئے ہیں۔

سردست ہمارا روئے سخن خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ کی طرف ہے۔ مگر انبیائے کرام علیہم السلام اور حضرات شہدائے عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی حیات کا مسئلہ ہمارے کلام میں ضامنہ ذکر ہوگا۔ حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات مقدسہ قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔

پہلی آیت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (س انبیاء آیت ۱۰۷)

ترجمہ ☆ اور میں بھیجا ہوں نے آپ کو (اے محمد ﷺ) مگر رحم کرنے والا تمام جہانوں کے لئے

وجہ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بموجب آیہ کریمہ تمام عالموں کیلئے رحمت ہیں اور جمیع ممکنات پر ان کی قابلیت کے موافق واسطہ فیض الہی ہیں اور اول مخلوقات ہیں اور عطاء الہی کو اس کی مخلوقات پر تقسیم فرمانے والے ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں اسی آیت کریمہ کے تحت مرقوم ہے۔

وكونه صلى الله تعالى عليه وسلم رحمة لجميع باعتبار انه عليه الصلوة والسلام واسطة الفيض الالهي على الممكنات على حسب القوابل ولذا كان نوره صلى الله عليه وسلم اول المخلوقات ففي الخبر اول ما خلق الله تعالى نور نبيك يا جابر وجاء "الله تعالى المعطى وأنا القاسم" (روح المعاني ب ۱۷ ص ۹۶)

اور نبی کریم ﷺ کا تمام عالموں کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ حضور ﷺ تمام ممکنات پر ان کی قابلیتوں کے موافق فیض الہی کا واسطہ ہیں اور اسی لئے حضور ﷺ کا نور اول مخلوقات ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے

“أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى نُورَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ”

ترجمہ: ”اے جابر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔“

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ معطی ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں آگے چل کر صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔

والذي اختاره صلى الله تعالى عليه وسلم انما بعث رحمة لكل فرد من العالمين ملئكتهم وانسهم و جنهم ولا فرق

بين المؤمن والكافر من الانس والجن في ذالك والرحمة متفاوتة“ (ص ۹۷ ب ۱۷)

ترجمہ: ”اور میرے نزدیک مسلک مختار یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عالمین کے ہر فرد کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ فرشتوں، انسانوں اور جنات حضور ﷺ سب کے لئے رحمت ہیں اور اس امر میں جن وانس کے مومن و کافر کے مابین بھی کوئی فرق نہیں اور رحمت ہر ایک کے حق میں الگ الگ اور متفاوت نوعیت رکھتی ہے۔“

اسی آیت کریمہ پر کلام کرتے ہوئے صاحب روح المعانی آگے چل کر فرماتے ہیں۔

”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ اکثر الصوفیہ قدس سرہ اسرارہم علی ان المراد من العالمین جمیع الخلق وهو صلی اللہ علیہ وسلم رحمة لكل منهم الا ان الحظوظ متفاوتة ويشارك الجميع في انه عليه الصلوة والسلام سبب لوجودهم بل قالوا ان العالم كله مخلوق من نوره صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقد صرح بذلك الشيخ عبدالغنی النابلسی قدس سرہ فی قوله وقد قدم غیر مرة

طہ النبی تـکونـت من نورہ کل الخلیقة ثم لو ترک القطا

واشار بقوله ”لو ترک القطا“ الی ان الجميع من نورہ علیہ الصلوة والسلام (روح المعانی ب ۱۷ ص ۱۰۰)

ترجمہ: اور آیہ کریمہ ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ کے بارے میں اکثر صوفیائے کرام قدس سرہ اسرارہم کا مسلک یہ ہے کہ عالمین سے تمام مخلوق مراد ہے اور یہ واقعہ ہے کہ حضور ﷺ عالمین میں سے ہر ایک کے لئے رحمت ہیں لیکن ہر ایک کی رحمت کا حصہ مختلف اور جدا گانہ ہے۔ البتہ اتنی بات میں سب شریک ہیں کہ حضور ﷺ سب کے وجود کا سبب ہیں۔ بلکہ صوفیائے کرام نے یہ فرمایا کہ تمام عالم حضور ﷺ کے نور سے مخلوق ہے۔ سیدنا شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ العزیز اپنے اس قول میں تصریح فرماتے ہیں اور ان کا یہ قول بار بار گزر چکا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”طہ نبی کے نور سے تمام مخلوقات پیدا کی گئی۔ پھر جمیع افراد اس کے ضمن میں آگئے اور کوئی ایسا فرد باقی نہ رہا جو اس عموم میں

شامل نہ ہوا ہو۔

اس شعر میں لو ترک القطا سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جمیع کائنات کا ایک ایک ذرہ حضور ﷺ کے نور سے ہے۔“

ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ آیت کریمہ ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ کا مفاد یہ ہے کہ حضور ﷺ اٹھارہ

ہزار عالم کے ہر ہر فرد کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ جس طرح اصل تمام شاخوں کو حیات بخشی ہے۔ اسی طرح تمام عالم ممکنات اور جملہ مو

جودات عالم کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ اصل الاصول ہے اور ہر فرد ممکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے فرع اور شاخ کا

حکم رکھتا ہے۔

جس طرح درخت کی تمام شاخیں جڑ سے حیات نباتی حاصل کرتی ہیں اسی طرح عالم امکان کا ہر فرد حضور ﷺ سے ہر قسم کے فیو

ض و برکات اور حیات کا استفادہ کرتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر فرد ممکن کو اس کے حسب حال حیات واقعی عطا فرماتے ہیں اور

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عالم کے ہر ذرہ کی طرف حضور ﷺ متوجہ ہوتے ہیں اور ہر ایک کو اس کے حسب حال فیض رسائی فرماتے

ہیں چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مشہور کتاب فیوض الحرمین میں حضور ﷺ کی اس رحمت اور فیض رسائی کا اس طرح بیان فرمایا ہے۔

فتفتنت ان له خاصية من تقويم روحه بصورة جسده عليه الصلوة والسلام وانه الذي اشار اليه بقوله ان الانبياء لا يموتون وانهم يصلون ويحجون في قبورهم وانهم احياء الى غير ذلك لم اسلم عليه قط الا وقد انبسط الى وانشرح وتبدى وظهر وذلك لانه رحمة للعالمين (فیوض الحرمین ص ۲۸ طبع دیوبند)

ترجمہ: ”پس مجھ کو دریافت ہوا کہ آپ ﷺ کا خاصہ ہے۔ روح کو صورت جسم میں قائم کرنا اور یہی بات ہے جس کی طرف آپ نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نہیں مرتے اور نماز پڑھا کرتے ہیں اپنی قبروں میں اور انبیاء حج کیا کرتے ہیں اپنی قبروں میں اور وہ زندہ ہیں وغیرہ اور جب میں نے آپ پر سلام بھیجا تو آپ مجھ سے خوش ہوئے اور انشراح فرمایا اور ظاہر ہوئے اور یہ اس واسطے کہ آپ رحمة للعالمین ہیں۔“

نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اسی کتاب فیوض الحرمین میں ایک دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں کہ

لما دخلت المدينة المنورة وزرت الروضة المقدسة على صاحبها افضل الصلوة والتسلية رأيت روحه صلى الله عليه وسلم ظاهرة بارزة لا في عالم الارواح فقط بل في المثل القريب من الحسن فا دركت ان العوام انما يذكرون حضور النبي صلى الله عليه وسلم في الصلوة وامامة بالناس فيها وامثال ذلك من هذه الدقيقة (فیوض الحرمین ص ۲۷)

ترجمہ: ”جب میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے روضہ مقدسہ کی زیارت کی تو آپ ﷺ کی روح مبارک کو ظاہر اور عیاں دیکھا نہ صرف عالم ارواح میں بلکہ عالم مثال میں ان آنکھوں سے قریب، پس میں نے معلوم کیا کہ جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نمازوں میں بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں اور لوگوں کی امامت فرماتے ہیں اور ایسی ہی اور باتیں اسی نازک مسئلہ سے متعلق ہیں۔“

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں

لم يزل ﷺ ولا يزال متوجها الى الخلق مقبلا اليهم بوجهه (فیوض الحرمین ص ۳۰)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ ہمیشہ خلقت کی طرف متوجہ ہیں اور ان کی طرف اپنا رخ انور فرمائے ہوئے ہیں۔“

اسی سلسلہ میں آگے چل کر حضرت شاہ صاحب موصوف ایک نہایت ہی بصیرت افروز تقریر فرماتے ہیں۔

ورائته ﷺ مستقرا على تلك الحالة الواحدة دائما لا يزعجه في نفسه ارادة متجددة ولا شيء من الدواعي نعم لما كان وجهه ﷺ الى الخلق كان قريبا جدا من ان يرتفع انسان اليه بجهدهمته فيغيثه في نائبة او يفيض عليه من بر كانه حتى يتخيل انه ذوارادات متجددة كمثل الذي بهمة اغاثة الملهوفين المحتاجين (فیوض الحرمین ص ۳۰)

ترجمہ: ”اور دیکھا میں نے آنحضرت ﷺ کو قائم ہمیشہ اسی حالت واحدہ پر کہ وہاں سے نہ تو آپ کو کوئی ارادہ متجددہ ہٹا سکتا ہے اور نہ کوئی داعیہ۔ ہاں جس وقت آپ متوجہ ہوتے ہیں خلق کی طرف تو نہایت قریب ہوتے ہیں کہ انسان اپنی کوشش و ہمت سے عرض کرے

اور آپ فریادری کریں اس کی مصیبت میں یا اس پر ایسی برکتیں افاضہ فرمائیں کہ وہ خیال کرے کہ آپ صاحب ارادات متجددہ ہیں۔
جیسے کوئی شخص مظلوموں محتاجوں کی مدد میں مصروف ہو۔“

صاحب روح المعانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کی ان عبارات سے یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر سامنے آگئی کہ رسول اللہ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرکز حیات ہونے کی چمکتی ہوئی دلیل ہے کیونکہ جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام متصف بحیات نہ ہوں کسی کو فیض نہیں پہنچا سکتے۔ تمام عالم اور کل مخلوقات کے ہر ہر فرد کو فیض پہنچانا اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک ہر ذرہ کائنات میں پائے جانے والے کمال کا وجود ذات مقدسہ میں نہ ہو۔ حیات ارواح روح القدس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے اور حیات اجسام جسم پاک کی حیات کی دلیل ہے۔

دوسری آیت جو رسول اللہ ﷺ کی حیات مقدسہ کو ثابت کرتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَعْقِلُونَ

ترجمہ: ”اور نہ کہو ان لوگوں کے لیے جو قتل کئے گئے اللہ کی راہ میں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن تم نہیں جانتے۔“ (س بقرہ آیت ۱۵۴)
بظاہر یہ آیت کریمہ شہداء (غیر انبیاء) کی حیات پر دلالت کرتی ہے لیکن درحقیقت انبیاء علیہم السلام بالخصوص نبی کریم ﷺ اس میں شامل ہیں۔ اس لئے کہ دلائل و واقعات کی روشنی میں یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام شہید ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں شہادت کا درجہ پایا اور ”مَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ کے عموم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلاشبہ داخل ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ”یقْتَلُ“ قتل سے ماخوذ ہے اور قتل کے معنی ہیں امات یعنی مار ڈالنا۔

رسول اللہ ﷺ کا مقام (اس حیثیت سے کہ حضور ﷺ کی ذات مقدسہ سے بڑے بڑے عظیم الشان معجزات کا ظہور ہوا) یہ تھا کہ کوئی شخص حضور ﷺ کو قتل کرنے اور مار ڈالنے پر قادر نہ ہو۔ اس لئے کہ ایسا ہونا بادی النظر میں معجزات عظام کے معانی (۱) تھا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ”وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ“ (س المائدہ آیت ۶۷) یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اور کوئی شخص آپ ﷺ کے قتل کرنے اور مار ڈالنے پر قادر نہ ہوگا۔ قتل اور امات کے معنی میں ایک باریک فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے امام راغب اصفہانی قتل کے معنی بیان کرتے ہوئے اس فرق کو ظاہر فرماتے ہیں مفردات راغب میں ہے۔

(قتل) اصل القتل ازالة الروح عن الجسد كالموت لكن اذا اعتبر بفعل المتولى لذلك يقال قتل واذا اعتبر بفوت الحياة يقال موت

ترجمہ: ”قتل“ قتل کے اصل معنی جسم سے روح کو زائل کرنے کے ہیں۔ جیسے موت لیکن جب متولی اور متصرف ازالہ کے فعل کا اعتبار کیا جائے تو قتل کہا جائے گا اور جب فوت حیات کا اعتبار کیا جائے تو موت کہا جائے گا۔

قتل میں چونکہ فاعل کا فعل معتبر ہوتا ہے اور فعل کا اختیار عبد کیلئے بھی حاصل ہے۔ اس لئے قتل کی اسناد عبد کی طرف صحیح ہے اور عبد

کو قاتل کہا جاسکتا ہے بخلاف امانت کے کہ اس میں فعل مذکور معتبر نہیں بلکہ فوت حیات کا اعتبار ہے اور عبد کا اختیار فعل سے متجاوز ہو کر فوت حیات تک نہیں پہنچتا۔ حیات کا فوت ہونا قدرت خداوندی ہی سے متعلق ہے اس لئے امانت کی اسناد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے ازالہ حیات صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور محبت اس کے سوا کوئی نہیں۔

ہمارے اس بیان سے ناظرین کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہو گیا ہوگا۔ اور وہ یہ کہ حضور ﷺ کا ”مَنْ يُقْتَلُ“ کے عموم میں داخل ہونا ”وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ“ کے منافی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ان کی جان پاک کو لوگوں سے بچانے کا وعدہ فرما چکا۔ تو اب انہیں کس طرح قتل کیا جاسکتا ہے اور بغیر قتل ہوئے ”مَنْ يُقْتَلُ“ میں حضور ﷺ کا شامل ہونا ممکن نہیں۔

اس کے حل کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ قتل میں فعل فاعل کا اعتبار ہوتا ہے اور امانت میں فوت حیات کا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وعدہ الہیہ کے الفاظ ہیں ”وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ“ اس میں نہ قتل کا لفظ ہے نہ موت کا اس وعدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے مار ڈالنے سے اللہ آپ کو بچائے گا۔ یعنی آپ ﷺ کی ذات پاک کیلئے کوئی ایسا فعل نہ کر سکے گا جس سے عادی علی الفور آپ کی موت واقع ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور کسی شخص نے آپ ﷺ کو مار ڈالنے پر قدرت نہ پائی۔

رہا یہ امر کہ ”مَنْ يُقْتَلُ“ کے عموم میں حضور ﷺ کیسے داخل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قتل سے مراد وہ فعل ہے جو فوت حیات کا موجب ہو جائے۔

فعل قتل کا فوت حیات کیلئے موجب ہونا دو طریقے سے ہوتا ہے ایک عادی دوسرا خارقاً للعادۃ۔ عادۃ فعل قتل سے علی الفور ازالہ حیات ہو جاتا ہے اور خرق عادت کے طور پر علی الفور ازالہ حیات نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک مدت طویلہ کے بعد ہی اس کا سبب موت ہونا ظاہر ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو پہلی قسم کے قتل سے بچا کر اپنے وعدے کو پورا فرمادیا اور دوسری قسم کا فعل قتل حضور ﷺ کے لیے بربناء حکمت متحقق کر دیا تا کہ حضور ﷺ ”مَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ“ کے عموم میں داخل ہو کر شہادت کا مرتبہ پائیں اور کسی بے دین کے لئے حضور ﷺ کو مردہ کہہ کر حیات نبوت کے انکار کی مجال باقی نہ رہے۔

ہمارے اس دعویٰ کی دلیل امام بخاری اور امام بیہقی کی وہ حدیث ہے جو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ”انباء الاذکیاء“ میں نقل فرمائی ہے۔

واخرج البخاری والبیہقی عن عائشة قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی مرضہ الذی توفی فیہ لم ازل اجد الہم الطعام الذی اکلت بخیر فہذا او ان انقطع ابھری من ذالک السم (انباء الاذکیاء ص ۱۴۹)

ترجمہ: ”امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرض میں فرماتے تھے کہ میں نے خیر میں جو ہر آلودہ لقمہ کھایا تھا میں اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں پس اب وہ وقت آ پہنچا کہ

اسی زہر کے اثر سے میری رگ جان منقطع ہوگئی۔“

نیز امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وقد ثبت ان نبينا صلى الله عليه وسلم مات شهيدا لا كلة يوم خيبر من شاة مسمومة سما قاتلا من ساعته حتى مات منه بشر (بکسر الموحدة) وسكون المعجمة (ابن البراء) بن معرور (وصار بقاؤه صلى الله عليه وسلم معجزة فكان به المسم يتعاهده) احبانا (الى ان مات به) (زرقانی جلد ۸ ص ۳۰۳)

ترجمہ: ”اور بیشک یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ایسی زہر ملائی ہوئی بکری کے گوشت کا ایک لقمہ تناول فرمایا، جس کا زہر ایسا قاتل تھا کہ اس کے کھانے سے اس وقت علی الفور موت واقع ہو جائے۔ یہاں تک کہ اس زہر کے اثر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی بشر بن معرور اسی وقت فوت ہو گئے اور حضور ﷺ کا باقی رہنا معجزہ ہو گیا۔ وہ زہر حضور ﷺ کو اکثر تکلیف دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اسی کے اثر سے حضور ﷺ کی موت واقع ہوئی۔“

بخاری، بیہقی، سیوطی اور زرقانی کی ان پیش کردہ روایات سے ہمارا دعویٰ بخوبی ثابت ہو گیا اور وہ یہ کہ حضور ﷺ کو قتل کرنے کے لیے زہر دیا گیا اور اسی زہر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہوئی۔ اگرچہ زہر دینے اور موت واقع ہونے میں تین سال کا وقفہ تھا لیکن وفات شریف اسی زہر دینے کے فعل سے واقع ہوئی اور تین سال تک حضور ﷺ کا باقی رہنا زہر دینے اور اس فعل قتل کی کمزوری کی بناء پر نہ تھا بلکہ خرق عادت اور حضور ﷺ کے معجزہ کے طور پر تھا جیسا کہ ہم عبارات منقولہ سے ثابت کر چکے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ”انباء الاذکیاء“ میں فرماتے ہیں

واخرج احمد و ابو يعلى والطبرانی والحاكم في المستدرک والبيهقي في دلائل النبوة عن ابن مسعود قال لان احلف نسعا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قتل قتلا احب الى من ان احلف واحدة انه لم يقتل وذلك ان الله تعالى اتخذه نبيا واتخذه شهيدا۔ (انباء الاذکیاء ص ۱۴۸، ۱۴۹ مطبوعه مصر)

ترجمہ: ”احمد، ابو یعلیٰ، طبرانی اور مستدرک میں حاکم نے اور دلائل النبوة میں بیہقی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نومرتبہ قسم کھا کر یہ بات کہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کئے گئے تو یہ بات مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ قسم کھا کر یہ کہ دوں کہ حضور ﷺ قتل نہیں کئے گئے اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی!

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ظاہر ہو گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ”مَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ کے عموم میں داخل ہیں۔ اس بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے منعم علیہم کے چار گروہ قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ نبیین، صدیقین، شہدا اور صالحین اور ہر نعمت کی اصل رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ ہے۔ جیسا کہ سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا۔ نبوت، صدیقیت اور صالحیت کے

اوصاف کا حضور ﷺ کی ذات مقدسہ میں پایا جانا تو سب کے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے۔ اب اگر وصف شہادت حضور ﷺ کیلئے (ہمارے بیان کردہ دلائل کی روشنی میں) تسلیم نہ کیا جائے تو حضور ﷺ کی ذات مقدسہ کمال شہادت سے محروم رہے گی۔ جو حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے اور تمام کمالات و انعامات الہیہ کے لئے حضور ﷺ کے اصل ہونے کے منافی اور معارض ہے جو باطل محض اور دلائل کی روشنی میں مردود ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ نبوت و صدیقیت اور صالحیت کی طرح وصف شہادت بھی حضور اکرم کی ذات مقدسہ میں بلاشبہ پایا جاتا ہے۔ ”وہو المراد“

نبوت و رسالت، رسل و انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات پر روشن دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت بھی کوئی نبی اور رسول دنیا میں مبعوث فرمایا تو وصف نبوت اور رسالت کو جسم اور روح دونوں کے ساتھ متعلق فرمایا اور حقیقی نبوت و رسالت جسم و روح کے مجموعے کیلئے ہی متحقق ہے۔ عالم ارواح میں حضور ﷺ کا نبی ہونا اور حضور ﷺ کا ”كنت نبيا و ادم بين الروح والجسد“ فرمانا، ہمارے اس بیان کے منافی نہیں۔ اس لئے کہ عالم ارواح میں روحانی نبوت متحقق تھی۔ جس کو اس عالم میں پائی جانے والی نبوت کے مقابلہ میں حکمی نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حقیقی نبوت و رسالت وہی ہے جو مجموعہ جسد و روح کے لئے متحقق ہو۔ علامہ زرقانی صرف روح کے لئے نبوت و رسالت ماننے کے قول پر تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں

(ونعقب) لهذا التعليل (بان الانبياء احياء في قبورهم) كما صرح به الاحاديث (فوصف النبوة في الجسد والروح معا) اي الانصاف بالنبوة مع الرسالة وان انقطع العمل بشرائعهم سوى شريعة نبينا صلى الله عليه وسلم (زرقانی جلد ۶ ص ۱۶۹)

ترجمہ: ”اور (مکرمین کی) اس تعلیل کا تعاقب اس طرح کیا گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ لہذا اوصاف نبوت و رسالت جسم و روح دونوں کیلئے ایک ساتھ باقی ہے۔ یعنی ”انصاف بالنبوة مع الرسالة“ اگرچہ ان کی شرائع پر عمل منقطع ہو چکا۔ سوا ہمارے نبی کریم ﷺ کی شریعت کے۔“

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نبوت صرف روح کیلئے نہیں بلکہ جسم و روح دونوں کیلئے ہے ایسی صورت میں حیات جسمانی کا انکار نبوت و رسالت حقیقیہ کا انکار ہے جیسا کہ بعض گمراہوں کا غلط عقیدہ ہے۔ ایک شبہ کا ازالہ

امام زرقانی فرماتے ہیں (فان قلبه هل هو عليه الصلوٰۃ والسلام باق على رسالته الى الآن) بعد الموت الى الابد اجاب ابو المعين (النسفی) منه (بان الاشعري قال انه عليه الصلوٰۃ والسلام الآن في حكم الرسالة وحكم الشيء يقوم مقام اصل الشيء) الخ (زرقانی جلد ۶، ص ۱۶۸، ۱۶۹، مطبوعہ مصر)

اگر سوال کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ اپنی رسالت پر اب باقی ہیں یا نہیں تو اس کے جواب میں ابو المعین نسفی نے کہا کہ امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اب رسالت کے حکم میں ہیں اور کسی شے کا حکم اصل شے کے قائم مقام ہوا کرتا ہے

- (الغ)۔

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام اشعری رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور کی رسالت حقیقی نہیں بلکہ حکمی ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ امام اشعری رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضور ﷺ کے لیے حیات جسمانی کی نفی بالضرور لازم آئے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے محض اپنی ضد پر اصرار کرنے کی وجہ سے بہت سی غلط باتیں ائمہ اہلسنت کے سر تھوپ دیں اور بعض علماء اہل حق نے محض سادہ لوحی کی بنا پر انہیں نقل کر دیا لیکن تحقیق کے بعد ان باتوں کا کذب صریح ہونا ثابت ہو گیا۔ یہ بات بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امام اشعری رضی اللہ عنہ پر یہ کھلا بہتان ہے اور افتراء صریح ہے۔ دیکھئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اسی بہتان کے جواب میں فرماتے ہیں۔

ثم قال ويمكن ان يقال انها باقية حكما بعد موته وكان استحقاقه بحقيقة الرسالة لا بالقيام بامور الامة اه ولا يخفى ما في كلامه من ابهام انقطاع حقيقتها بعده صلى الله عليه وسلم فقد افاد في الدر المنتقى انه خلاف الاجماع قلت واما ما نسب الى الامام الاشعري امام اهل السنة والجماعة من انكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح في كتبه وكتب اصحابه خلاف ما نسب اليه بعض اعدائه لان الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء في قبورهم وقد اقام النكير على افتراء ذلك الامام العارف ابو القاسم القشيري في كتابه شكايه اهل السنة وكذا غيره كما بسط ذلك الامام ابن السبكي في طبقات الكبرى في ترجمة الامام الاشعري انتهى (شامی جلد سوم ص ۲۵۹)

ترجمہ: ”پھر (مقدس نے کہا) کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کی رسالت حضور کی موت کے بعد حکماً باقی ہے اور حضور ﷺ کا (غیبت کے حصے کا) مستحق ہونا امور امت کے قیام کے ساتھ نہیں بلکہ حقیقت رسالت کے ساتھ متعلق تھا۔ مقدس کے اس کلام میں حضور ﷺ کے بعد حضور کی، حقیقت رسالت کے انقطاع کا جو ایہام پایا جاتا ہے مخفی نہیں۔ در منتقی میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ کے بعد حقیقت رسالت کے انقطاع کا قول خلاف اجماع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام اہلسنت امام اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف حضور کے بعد حضور کی رسالت حقیقیہ کے ثبوت کا جواز کار منسوب کیا جاتا ہے، وہ افتراء اور بہتان ہے۔ امام اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریحات موجود ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اس افتراء عظیم پر امام عارف باللہ ابو القاسم القشیری نے اپنی کتاب شکایت اہلسنت میں اور اسی طرح ان کے علاوہ دیگر ائمہ دین نے زبردست انکار کیا جیسا کہ امام سبکی نے طبقات کبریٰ میں امام اشعری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں اس بہتان طرازی کا نہایت تفصیل سے جواب دیا ہے۔“ انتہی

علامہ شامی، امام ابو القاسم قشیری امام ابن سبکی اور ان کے علاوہ دیگر علمائے اعلام کی تصریحات سے یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی کہ امام اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی حیات کا انکار کر کے معاذ اللہ حضور ﷺ کی رسالت حقیقیہ کے ہرگز منکر نہیں اور ایسی ناپاک بات ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر کے ان پر بہتان باندھا ہے۔

تیسری آیت جو حیات النبی ﷺ کی روشن دلیل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ بِمَا آفَأَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (س: آل عمران آیت ۱۶۹، ۱۷۰)

علامہ شوکانی (غیر مقلدین کے پیشوا) اس آیت کے تحت اپنی ”تفسیر فتح القدر“ میں لکھتے ہیں

ومعنى الآية عند الجمهور أنهم أحياء حياة محقة ثم اختلفوا فمنهم من يقول أنها رد اليهم أرواحهم في قبورهم فيتنعمون وقال مجاهد يرزقون من ثمر الجنة أي يجدون ربحها وليسوا فيها وذهب من عدا الجمهور إلى أنها حياة مجازية والمعنى أنهم في علم الله مستحقون التمتع في الجنة والصحيح الأول ولا موجب المصير إلى المجاز وقد وردت السنة المطهرة بأن أرواحهم في أجواف طيور وأنهم في الجنة يرزقون وبأكلون ويتمتعون (فتح القدر ص ۱۶۵)

ترجمہ: ”جمہور اہلسنت کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ شہداء کرام حیات حقیقیہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ (حیاء حقیقی تسلیم کرنے کے بعد) اس کی کیفیت میں جمہور کے درمیان اختلاف ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ ان کی روہیں ان کی قبروں میں لوٹا دی جاتی ہیں اور وہ عیش و طرب میں رہتے ہیں اور مجاہد کا قول ہے کہ انہیں جنت کے پھل دیئے جانے سے یہ مراد ہے کہ وہ ان کی خوشبو محسوس کرتے ہیں اور وہ جنت میں نہیں ہیں۔ جمہور کے علاوہ لوگوں کا قول ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ وہ مجازی طور پر زندہ ہیں۔ ان کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ علم الہی میں جنت کی نعمتوں کے حقدار ہیں۔ مگر صحیح وہ پہلا قول ہے جو جمہور نے اختیار کیا مجازی معنی لینے کی کوئی وجہ نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ شہیدوں کی روہیں پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں اور وہ جنت میں ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ کھاتے ہیں اور ہر قسم کے فوائد حیات حاصل کرتے ہیں۔“

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ انباء الاذکیاء حیاۃ الانبیاء میں فرماتے ہیں

وقد قال الله تعالى في الشهداء (وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ) والانبیاء اولی بذلك فهم أجل وأعظم وما من نبی الا وقد جمع مع النبوة وصف الشهادة فیدخلون فی عموم لفظ الآية (انبیاء الاذکیاء ص ۱۴۸)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا (اور نہ گمان کرو ان لوگوں کے بارے میں جو قتل کئے گئے اللہ کی راہ میں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے نزدیک رزق دیئے جاتے ہیں) اور انبیاء اس کے ساتھ اولیٰ ہیں اور وہ اجل واعظم ہیں اور کوئی نبی نہیں لیکن اس نے نبوت کے ساتھ وصف شہادت کو بھی جمع کر لیا ہے۔ لہذا وہ لفظ آیت کے عموم میں ضرور داخل ہوں گئے۔“

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے یہی واضح ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں وصف شہادت پایا جاتا ہے۔ لہذا حیات انبیاء علیہم السلام بطریق اولیٰ ثابت ہوگی۔ شہداء کی حیات اہلسنت کے نزدیک اس قدر اہمیت رکھتی ہے کہ شوافع نے اس آیت ”وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ“ کو اس مسئلہ کی دلیل بنالیا۔ کہ شہید کے جنازے کی نماز نہیں ہوتی۔ شوافع کہتے ہیں۔

لقوله تعالى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا وَالصَّلَاةُ عَلَى الْمَيِّتِ لَا عَلَى الْحَيِّ (مبسوط امام سرخی جلد ۲ ص ۵۰)

شوافع کی اس دلیل کے جواب میں احناف حیات شہداء کا انکار نہیں کرتے بلکہ انہیں زندہ مان کر احکام حیات کو دنیا کی بجائے

آخرت سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے مبسوط جلد ۲ صفحہ ۵۰۔

سوال: حیات بعد الموت شہداء کے لئے خاص نہیں بلکہ ہر مومن صالح کیلئے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
فَلَنُخَيِّطَنَّ حَيٰوةَ طَيِّبَةً ط (س: النحل آیت ۹۷)

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مردہ کہنے کی ممانعت صرف شہداء کے حق میں کیوں وارد ہوئی۔

جواب: صرف مومن صالح نہیں بلکہ مومن و کافر سب کے لئے نفس حیات ثابت ہے۔ کما سبیتہ ان شاء اللہ تعالیٰ
اسی اس کے باوجود مردہ کہنے کی ممانعت صرف شہداء کے حق میں اس لئے وارد ہوئی کہ شہداء مقتول فی سبیل اللہ ہوتے ہیں اور
اپنی جانیں خدا کے لئے دیتے ہیں اور خاص طور پر اپنی عزیز ترین متاع حیات (دنیا) کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور ان کا
یہ وصف دیگر اوصاف پر غالب ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں انعام خاص کے طور پر حیات دنیویہ کے بدلے میں ایسی حیات
عطا فرماتا ہے۔ جس کے اثرات بعض احکام دنیاوی کی صورت میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً ان کو غسل نہ دینا اور ان کے حق میں
مردہ نہ کہنا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام ۱۶۰)

”جو ایک نیکی کرے اسے اس کی مثال دس نیکیاں ملیں گی۔“

لہذا ایک جان دینے والے کو دس جانیں عطا کیا جانا ثابت ہوا۔

دنیا میں ایک جان کے ساتھ زندہ انسان جب اپنے آپ کو زندہ سمجھتا ہے تو جیسے اس ایک جان کے بدلے دس جانیں عطا
کی گئی ہیں وہ کیونکر مردہ ہو سکتا ہے اور اسے مردہ کہنا یا سمجھنا کس طرح درست قرار پا سکتا ہے۔ اس بناء پر شہداء کے حق میں مردہ
کہنے کی نہی وارد ہوئی چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام شہید ہیں لہذا مردہ کہنے کی ممانعت انبیاء علیہم السلام کے حق میں پہلے ہوگی اور محض
شہداء کے حق میں ان کے بعد

”فَاَمَدَہ ان دونوں آیتوں“ وَلَا تَقُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَآتٌ اور وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ
اللّٰہِ اَمْوَآتًا میں لفظ ”انبیاء“ سے لِمَنْ یُّقْتَلُ اور الَّذِیْنَ قُتِلُوْا کی طرف عدول فرمانے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ
شہید ہیں لیکن ان کی شہادت وصف نبوت سے مغلوب ہے اور دونوں آیتوں میں مضمون کلام کی مناسبت وصف شہادت سے تھی اس لئے
انبیاء کی بجائے مَنْ یُّقْتَلُ اور الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فرما گیا۔

علاوہ ازیں اگر لفظ ”انبیاء“ لایا جاتا تو مردہ کہنے کی ممانعت اور ”مل احياء“ کا حکم انبیاء کے ساتھ خاص ہو جاتا جو صحیح نہ تھا۔ نیز
”لِمَنْ یُّقْتَلُ“ کا عموم اور ”الَّذِیْنَ قُتِلُوْا“ کا مفہوم عامۃ المسلمین کو جہاد کی رغبت دلاتا ہے۔ اس کی بجائے ”لفظ انبیاء“ یہ فائدہ نہیں
دیتا۔ لہذا منقولہ بالا دونوں آیتوں میں لفظ انبیاء کا نہ ہونا نکتہ اور حکمت پر مبنی ہے اس بناء پر نہیں کہ معاذ اللہ حضرات انبیاء علیہم السلام
مضمون آیت سے خارج ہیں۔ فافہم وتدبر۔

احادیث کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ

(۱) ابو یعلیٰ نے اپنی سند میں اور امام بیہقی نے کتاب حیات الانبیاء میں روایت کی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الانبیاء احياء فی قبور ہم یصلون

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔
(۲) ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کی ہے کہ

عن یوسف بن عطیة قال سمعت ثابت البنانی راحة الله عليه يقول لحميد الطويل هل بلغك ان احدا یصلی فی قبره الا الانبیاء قال لا

ترجمہ: ”یوسف بن عطیہ سے مروی ہے کہ میں نے ثابت بنانی کو حمید طویل سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ کیا تمہیں کوئی ایسی حدیث پہنچی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی قبر میں نماز پڑھتا ہو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔“

ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔
(۳) ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کی

عن اوس بن اوس الثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال من افضل ايامکم يوم الجمعة فاکثروا علی الصلوة فیہ فان صلاتکم تعرض علی قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض علیک صلاتنا وقد ارمیت یعنی بليت فقال ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء (ابوداؤد ص ۱۵۰)

ترجمہ: ”اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے سب دنوں میں افضل ترین دن یوم جمعہ ہے۔ لہذا جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ حالانکہ آپ تو بوسیدہ ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔“

(۴) بیہقی نے شعب الایمان اور اصہبانی نے ترغیب میں روایت کی ہے کہ:
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی فائبا ابلغته

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری قبر کے نزدیک مجھ پر درود پڑھا میں اسے خصوصی توجہ کے ساتھ خود سنتا ہوں اور جس نے دور ہونے کی حالت میں مجھ پر درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔“

(۵) امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی

عن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان لله ملکا اعطاه اسماع الخلا فلق قائم علی قبری فما من احد یصلی علی صلاۃ الا بلغنیہا

”حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی اسماع (یعنی سب کی آوازیں سننے کی طاقت) عطا فرمائی ہے اور وہ میری قبر انور پر کھڑا ہے، پس کوئی شخص نہیں جو مجھ پر درود بھیجے، مگر وہ فرشتہ اس کا درود مجھ پر پہنچا دیتا ہے۔“

(۶) امام بیہقی نے حیات الانبیاء میں اور اصہبائی نے ترغیب میں روایت کی

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی ما ثة فی یوم الجمعة و ليلة الجمعة قضی اللہ له مائة حاجة سبعین من حوائج الآخرة وثلاثین من حوائج الدنیا ثم وکل اللہ بذالك ملکاً یدخله فی قبری کما یدخل علیکم الہدایا ان علمی بعد موتی کعلمی فی الحیاة ولفظ البیہقی بخیرنی من صلی علی باسمہ ونسبہ فأثبتہ فی صحیفۃ بیضاء

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مجھ پر سو دفعہ درود شریف پڑھا اس کی سو حاجتیں پوری ہوں گی۔ ستر حوائج آخرت سے اور تیس حوائج دنیا سے پھر یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود شریف پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جو اسے میری قبر میں داخل کرتا ہے۔ جس طرح تم پر ہدایا داخل کئے جاتے ہیں۔ بیشک موت کے بعد میرا علم ایسا ہی ہے جیسا حیات میں میرا علم ہے اور بیہقی کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ فرشتہ درود پڑھنے والے کا نام اور اس کا نسب مجھے بتاتا ہے تو میں اسے ایک چمکتے ہوئے صحیفہ میں لکھ لیتا ہوں۔“

(۷) امام بیہقی نے روایت کی

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الانبیاء لا یترکون فی قبورہم بعد اربعین ليلة ولكنہم یصلون بین یدی اللہ سبحانہ و تعالیٰ حتی ینفخ فی الصور

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک انبیاء علیہم السلام چالیس راتوں کے بعد اپنی قبروں میں نہیں چھوڑے جاتے اور لیکن وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ صور بکونکا جائے۔“

(۸) سفیان ثوری نے جامع میں روایت کی اور کہا کہ

قال شیخ لنا عن سعید بن المسیب قال ما مکث نبی فی قبرہ اکثر من اربعین ليلة حتی یرفع

”ہمارے شیخ نے سعید بن مسیب سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کوئی نبی اپنی قبر میں چالیس راتوں سے زیادہ نہیں ٹھہرتا یہاں تک کہ وہ اٹھا لیا جاتا ہے۔“

(۹) امام بیہقی نے واقعہ معراج میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ ہیں۔

وقد رأیتنی فی جماعة من الانبیاء فاذا موسى قائم یصلی واذا رجل ضرب جعد کانه من رجال شنؤة واذا ابن مریم قائم یصلی واذا ابراهیم قائم یصلی اشبه الناس به صاحبکم یعنی نفسہ فحانت الصلوة فامتہم

”اور بیشک میں نے خود اپنے آپ کو بھی جماعت انبیاء علیہم السلام میں دیکھا پھر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ناگہاں ایک ایسے آدمی ہیں جو دبیلے پتلے گھنگھریالے بالوں والے ہیں گویا کہ وہ شنوہ کے آدمیوں میں سے ہیں اور

اچانک ابن مریم کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ تمہارے صاحب سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لفظ صاحب سے اپنے آپ کو مراد لیا پھر نماز کا وقت آگیا تو میں نے ان سب انبیاء علیہم السلام کی امامت کی۔“

(۱۰) امام بیہقی نے یہ حدیث بھی روایت کی۔

إِنَّ النَّاسَ يُضَعَّفُونَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفَيِّقُ

”حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا (نچھ اوٹی کے وقت) سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے جس کو افاتہ ہوگا وہ میں ہوں گا۔“

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام قیامت تک زندہ رہیں گے۔ اس لئے کہ زندگی کے بغیر کسی پر بے ہوشی کا حال طاری ہونا ممکن نہیں۔ پھر یہ بے ہوشی احساس و شعور کے لیے محض ایک حجاب ہوگی۔ جسے موت کہنا جائز نہیں۔

(۱۱) ابو یعلیٰ نے روایت کی

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ ابن مریم ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمّد لا حبتہ

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ عیسیٰ ابن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر وہ اگر میری قبر پر کھڑے ہوں اور یا محمد ﷺ کہہ کر مجھے پکاریں تو میں انہیں ضرور جواب دوں گا۔“

(۱۲) ابو نعیم نے دلائل النبوة میں روایت کی

عن سعید بن المسیب قال لقد رأیتنی لبالی الحرة وما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیری وما یاتی وقت الصلوة الا وسمعت الاذان من القبر

”سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا جنگ حرہ کے زمانہ میں میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ مسجد نبوی میں میرے سوا اس وقت کوئی نہ تھا۔ ان ایام میں کسی نماز کا وقت نہ آتا تھا، مگر قبر انور سے میں اذان کی آواز سنتا تھا۔“

(۱۳) زبیر بن بکار نے اخبار مدینہ میں روایت کی

عن سعید بن المسیب قال لم ازل اسمع الاذان والاقامة فی قبر رسول اللہ ﷺ ایام الحرة حتی عاد الناس

”سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں ہمیشہ اذان اور تکبیر کی آواز رسول اللہ ﷺ کی قبر انور میں سنتا رہا۔ جنگ حرہ کے زمانہ میں یہاں تک کہ لوگ واپس آ گئے۔“

(۱۴) ابن سعد نے طبقات میں روایت کی

عن سعید بن المسیب انه کان یلازم المسجد ایام الحرة والناس یقتلون قال فکنت اذا حانت الصلوة اسمع اذا من قبل القبر الشریف

”سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنگ حرہ کے زمانہ میں وہ مسجد نبوی میں ٹھہرے رہے اور لوگ آپس میں قتال کر رہے تھے۔ سعید بن مسیب نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا تو میں مسجد نبوی کی طرف سے اذان کی آواز سنتا تھا۔“

(۱۵) دارمی نے اپنی سند میں روایت کی انہوں نے کہا ہمیں مروان بن محمد نے خبر دی

عن سعید بن عبد العزيز قال لما كان ايام الحرة لم يؤذن في مسجد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وان سعید بن المسيب لم يبرح مقيما في المسجد وكان لا يعرف وقت الصلوة الا بههمة سمعها من قبر النبي صلى الله عليه وسلم

”سعید بن عبد العزیز سے مروی ہے انہوں نے کہا جب حرہ کی جنگ کا زمانہ تھا تو رسول اللہ ﷺ کی مسجد شریف میں نہ اذان ہوتی نہ قامت اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد شریف ہی میں مقیم رہے انہیں نماز کے وقت کا علم نہ ہوتا تھا لیکن ایک آواز سے جسے وہ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف سے سنتے تھے۔“

یہ احادیث و روایات حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص سید عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات جسمانی اور حقیقی پر صاف اور واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں۔ جن میں کسی قسم کی تاویل نہیں ہو سکتی۔

(۱۶) امام احمد نے اپنی سند میں، ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں سند صحیح روایت کی ہے۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال ما من احد يسلم على الا رد الله على روحى حتى ارد عليه السلام

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، نہیں کوئی جو مجھ پر سلام بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“

احادیث منقولہ بالا سے انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقی کے ساتھ حسب ذیل امور مستفاد ہوئے

۱۔ انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا اور دفن کے بعد چالیس راتیں گزرنے کے بعد ان کا قبروں سے اٹھایا جاتا۔

۲۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پیش کیا جانا اور سرکار ﷺ کا درود شریف سننا

۳۔ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مقدسہ کا کھانا زمین پر حرام ہے۔

۴۔ دور سے پڑھنے والے کا درود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچا دیا جاتا ہے۔

۵۔ ایک فرشتہ حضور ﷺ کی قبر انور پر مقرر ہے جو تمام مخلوق کی آوازیں سنتا ہے اور ہر ایک درود پڑھنے والے کا درود حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

۶۔ حضور ﷺ کی قبر انور میں درود شریف ہدایا کی صورت میں داخل کیا جاتا ہے۔

۷۔ حضور ﷺ کا علم وفات شریف کے بعد ایسا ہی ہے جیسے حیات مقدسہ میں تھا۔

۸۔ حضور ﷺ درود بھیجنے والوں کا نام و نسب روشن صحیفے میں لکھتے ہیں۔

۹۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شب معراج خود اپنے آپ کو بھی جماعت انبیاء علیہم السلام میں دیکھا۔

۱۰۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر انور میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا۔

۱۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابن مریم علیہا السلام و ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھا۔

۱۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز میں انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔

۱۳۔ تمام لوگ فتح اولیٰ کے وقت بیہوش ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو افاقہ ہوگا۔

۱۴۔ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرار مبارک پر کھڑے ہو کر اگر حضور ﷺ کو پکاریں تو حضور ﷺ انہیں ضرور جواب دیں گے۔

۱۵۔ قبر انور سے ہر نماز کے وقت اذان اور تکبیر کی آواز کا آنا۔

۱۶۔ ہر سلام بھیجنے والے کے سلام بھیجنے کے وقت رسول اللہ ﷺ پر رُز روح ہونا اور ہر ایک کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب دینا۔

امور مفصلہ بالا سے حیات بعد الوفات کے علاوہ مندرجہ ذیل عنوانات نکلتے ہیں

۱۔ انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام پیش کیا جانا۔

۳۔ اجساد انبیاء علیہم السلام کا بعد الوفات محفوظ رہنا۔

۴۔ بعد الوفات انبیاء علیہم السلام کے علم و ادراک اور سمع و بصر کا برقرار رہنا۔

۵۔ قبور مقدسہ میں انبیاء علیہم السلام کے اعمال و تصرفات کا برقرار رہنا۔

۶۔ بارگاہ اقدس میں درود شریف کا بصورت ہدیہ پیش کرنا۔

۷۔ قبور سے اجساد انبیاء علیہم السلام کا اٹھایا جانا۔

موت و حیات

سب سے پہلے ہم موت اور حیات پر معروضات پیش کرتے ہیں علامہ سید محمود الوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں ارقام فرماتے ہیں

والموت علی ما ذهب اکثر من اهل السنة صفة وجودية تضاد الحياة واستدل علی وجوديته بتعلق الخلق به وهو لا يتعلق بالعدمی لازلیة الاعدام..... وذهب القدرية وبعض اهل السنة الی انه امر عدمی هو عدم الحیات عماهی من شأنه وهو المتبادر الی الذهن والاقرب الی الفهم واجیب عن الاستدال بالآیه بان الخلق فیها بمعنی التقدير وهو يتعلق بالعدمی كما يتعلق بالوجودی او ان الموت لیس عدما مطلقا صرفا بل هو عدم شیء مخصوص ومثله يتعلق به الخلق والایجاد بناء علی انه اعطاء الوجود ولو للغير دون اعطاء الوجود للشیء فی نفسه او ان الخلق بمعنی الانشاء والاثبات دون الایجاد وهو بهذا المعنی یجری فی العدمیات او ان الکلام علی تقدير مضاف ای اسباب الموت او ان

المراد يخلق الموت والحياة خلق زمان ومدة معينة لهما لا يعطيهما الا الله فايجاد هما عبارة عن ايجاد زمانها مجازاً ولا يخفى الحال في هذه الاحتمالات والموت على ما سمعت والحياة صفة وجودية بلا خلاف وهي ما يصح بوجوده الاحساس او معنى زائد على العلم والقدرة بوجوب للموصوف به حالاً لم يكن قبله من صحة العلم والقدرة (روح المعاني جلد نمبر ۲۹ ص ۵/۴ طبع مصر)

اکثر اہلسنت کے نزدیک ”موت“ صفت وجودیہ ہے جو حیات کی ضد ہے۔ اس کے صفت وجودیہ ہونے پر آیت قرآنیہ خلق الموت والحیات سے استدلال کیا گیا۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ ازلیت عدم کی وجہ سے امر عدی کے ساتھ خلق متعلق نہیں ہو سکتی..... اور رقد یہ اور بعض اہلسنت اس طرف گئے ہیں کہ موت امر عدی ہے اور موت کے معنی ہیں قابل حیات چیز میں حیات کا نہ ہونا یہی معنی متبادر الی الذہن اور اقرب الی الفہم کے ہیں۔

ان قائلین کی طرف سے آیت سے استدلال کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ یہاں خلق بمعنی تقدیر ہے اور وہ جس طرح امر وجودی سے متعلق ہوتی ہے اسی طرح عدی سے بھی متعلق ہوتی ہے یا یہ کہ موت صرف عدم مطلق نہیں، بلکہ وہ شئی مخصوص کا عدم ہے اور اس جیسے عدی کے ساتھ اس بنا پر خلق متعلق ہو سکتی ہے کہ وہ اعطاء وجود ہے۔ اگرچہ یہ اعطاء فی نفسہ کسی شے کیلئے ہونے کی بجائے غیر ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔ بہر صورت اعطاء وجود ضرور ہے۔ لہذا بایں معنی اس کے ساتھ خلق ایجاد کا متعلق ہو نا درست ہو گا یا یہ کہ اس آیت میں خلق ایجاد کے معنی میں نہیں بلکہ انشاء واثبات کے معنی میں ہے اور بایں معنی فعل خلق کا عدمیات میں جاری ہونا صحیح ہے یا یہ کہ کلام تقدیر مضاف پر ہے ”ای خلق اسباب الموت“ یعنی موت نہیں بلکہ اسباب موت کو پیدا کیا یا یہ کہ اس آیت میں خلق موت و حیات سے موت و حیات کے زمانے اور ان کی مدت معینہ کا پیدا کرنا مراد ہے۔ جسے (ذاتی طور پر) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لہذا ان کی ایجاد مجازی طور پر عبارت ہے ان کے زمانے کی ایجاد سے یہ احتمالات ایسے ہیں جن کا حال اہل علم سے مخفی نہیں۔

حیات کے معنی

موت کے عدی اور وجودی ہونے میں اختلاف اقوال تو آپ سن چکے۔ اب حیات کا حال سنئے کہ حیات بغیر کسی خلاف کے صفت وجودیہ ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ جس صفت کے پائے جانے سے احساس کا وجود صحیح قرار پائے۔ وہ حیات ہے یا ایسے معنی کا نام حیات ہے جس کا وجود علم و قدرت کے وجود پر زائد ہو اور وہ اپنے موصوف کے لیے صحت و علم و قدرت کے ایسے حال کو واجب کر دے جو اس سے پہلے نہ تھا۔ (روح المعانی، ص ۵، ۴۔ پ ۲۹)

۲۔ قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں

والحياة من صفات الله تعالى وهي صفة يستتبعها العلم والقدرة والارادة وغيرها من صفات الكمال وقد استودعها الله تعالى في الممكنات وخلقها فيها على حسب ارادته واستعداداتها فظهرت في الممكنات على مراتب شتى ظهر في بعضها بحيث يستتبع المعرفة وفي بعضها بحيث يستتبع الحس والحركة الحيوانية المعبر عنها واما بقابلها بقوله تعالى ”كُنْتُمْ أَمْوَانًا فَأَخْبَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّنُكُمْ ثُمَّ يُخَيِّبُكُمْ“ والموت في كل مرتبة من المراتب المذكورة عبارة عن

عدم الحيلة أو مطلقاً أو عدم الحياة عما من شأنه أن يكون حياً فالتقابل بينهما أما تقابل العدم والملكة أو الإيجاب والسلب فهي صفة عدمية وقال بعض العلماء الموت صفة وجودية والتقابل بالتضاد فهي كيفية في الأجسام مانعة من العلم والقدرة والحس والحركة ونحوها الخ (تفسير مظهری پ ۲۹ ص ۱۸)

”اور حیات اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے اور وہ ایسی صفت ہے۔ جس کے ساتھ علم و قدرت، ارادہ وغیرہ تمام صفات کمالیہ وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صفت حیات ممکنات میں ودیعت فرمائی اور افراد ممکنات میں اسے اپنے ارادے اور ان کی قابلیتوں کے موافق پیدا کیا۔ چنانچہ وہ صفت حیات ممکنات میں مختلف مراتب پر ظاہر ہوئی۔ بعض میں اس طرح کہ اس کے ساتھ معرفت وابستہ ہے اور بعض میں اس طرح کہ حس و حرکت حیوانیہ اس کے ساتھ مربوط ہے جسے مع اس کے مقابل کے ”كُنْتُمْ أََمْواتاً فَأَحْياكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ“ کے ساتھ تعبیر کیا گیا اور موت مراتب مذکورہ میں سے ہر مرتبہ میں عبارت ہے عدم حیات سے، یا مطلقاً عدم سے ”یا عدم الحیاة عما من شأنه ان يكون حیا“ سے۔ پس تقابل ان دونوں کے درمیان یا تقابل عدم والملکہ ہے یا تقابل الإيجاب والسلب ہے۔ ان دونوں صورتوں میں موت صفت عدمیہ قرار پائے گی اور بعض علماء نے کہا کہ موت صفت وجودیہ ہے اور ان دونوں کے درمیان تقابل تضاد ہے۔ اس قول پر موت اجسام میں ایسی کیفیت کا نام ہے جو علم و قدرت اور حس و حرکت وغیرہ سے مانع ہو۔“

(۳) علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں (والحیوة) ای ما یصح بوجوده الاحساس والموت ضده و معنى خلق الموت والحيوة ايجاد ذلك المصحح واعداده (تفسیر مدارک جلد ۲ ص ۲۰۶)

”حیات وہ ہے جس کے پائے جانے سے احساس کا وجود صحیح قرار پائے اور موت اس کی ضد ہے اور ”خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ“ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس صحیح کا ایجاد و اعدام فرمایا۔“

(۴) امام راغب اصفہانی مفردات میں فرماتے ہیں

الحياة تستعمل على اوجه الاول للقوة النامية الثانية للقوة الحساسة (مفردات امام راغب ص ۳۸ طبع مصر)

”حیات کا استعمال کئی وجہ پر ہے اول قوت نامیہ کے لئے دوم قوت حساسہ کیلئے۔“

(۵) امام جلال الدین تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں۔

الحيوة وهى مابه الاحساس والموت ضدها او عدمه قولان والخلق على الثانى بمعنى التقدير (جلالین ص ۶۴)

”حیات وہ صفت ہے جس کے ساتھ احساس ہو اور موت اس کی ضد ہے یا اس کا عدم یہ دو قول ہیں اور قول ثانی کی بناء پر خلق بمعنی تقدیر ہے۔“

(۶) علامہ خازن تفسیر خازن میں فرماتے ہیں۔

وقيل ان الموت صفة وجودية مضادة للحياة وقيل الموت عبارة عن زوال القوة الحيوانية وابانة الروح عن الجسد و ضده الحيلة وهى القوة الحساسة مع وجود الروح فى الجسد وبه سمى الحيوان حيواناً (تفسير خازن جلد ۷ ص ۱۰۳، ۱۰۴)

”بعض نے کہا کہ موت صفت وجود یہ ہے جو حیات کی ضد ہے اور بعض نے کہا کہ موت قوت حیوانیہ کے زائل ہو جانے اور جسم سے روح کے جدا ہو جانے کا نام ہے۔ اس کی ضد حیات ہے اور حیات ایسی قوت حساسہ کو کہتے ہیں جو عادتاً بدن میں روح کے پائے جانے کے ساتھ پائی جائے اور اسی وجہ سے حیوان کا نام حیوان رکھا گیا ہے۔“

ان تمام عبارات و اقتباسات سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی کہ حیات ایسی صفت کا نام ہے جو علم و قدرت سمع و بصر کا سبب ہو اور موت وہ صفت ہے جو علم و قدرت سمع و بصر سے مانع ہو یا ان امور مخصوصہ کے عدم کا نام موت ہے جن علماء نے ازالہ قوت حیوانیہ اور ابانۃ الروح عن الجسد (قوت حیوانیہ کا زائل ہونا اور جسم سے روح کا جدا ہونا) موت کے معنی بیان کئے ہیں۔ ان کے کلام کا مفاد بھی اسی صفت کا انعدام ہے جو علم و احساس قوت و ارادہ کی صحیح تسلیم کی جاتی ہے۔ رہا یہ امر کہ روح کا بدن میں ہونا حیات ہے اور بدن سے اس کا مجرد خروج موت ہے تو موت و حیات کی یہ تعریف آج تک کسی نے نہیں کی پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حیات پر تو یہ تعریف کسی طرح صادق نہیں آسکتی۔ اس لئے کہ وہ جسم و روح سے پاک ہے۔ اس تقدیر پر حیات النبی کے انکار کے ساتھ حیات الہی کا بھی انکار لازم آئے گا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!

کائنات میں روح سبب حیات ہو سکتی ہے۔ لیکن اسے نفس حیات کہنا کسی طرح درست نہیں علیٰ ہذا روح کو خالق حیات کہنا بھی باطل محض بلکہ کفر خالص ہے۔ ”خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ“ اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے۔ کہ موت و حیات کی ایجاد یا تقدیر محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

ہاں البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکنات عالم کے افراد میں علم و ادراک قوت و ارادہ حرکت و احساس کی صفت صحیحہ پائے جانے کے لئے ان میں عادتاً روح کا ہونا ضروری ہے کیونکہ روح سبب حیات ہے اور سبب کا بغیر مسبب کے پایا جانا محال عادی ہے۔

اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ بدن میں روح کا مجرد دخول اور اس سے مطلق خروج حقیقتاً موت و حیات نہیں حقیقی موت و حیات جسم میں صفت مصححہ للعلم و القدرة (او ما يقوم مقامها) کا ہونا یا نہ ہونا ہے البتہ روح کے اس دخول و خروج کو موت عادی و حیات عادی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اور اسے حقیقی موت و حیات کیلئے سبب عادی کہا جاسکتا ہے۔ اسباب و عادات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور خالق و موجد حقیقی اپنی تاثیر و ایجاد میں اسباب و علل کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ اس کی شان ”يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ“ اور ”فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ“ ہے۔ اگر وہ چاہے تو عادات کے خلاف بھی کر سکتا ہے اور سبب کے بغیر ہی مسبب کو وجود میں لاسکتا ہے بلکہ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ سبب کے باوجود مسبب کو نہ ہونے دے۔ دیکھئے! مرد و عورت کا وجود اور ان کا اجتماع معہود انسانی پیدائش کا سبب عادی ہے۔ جیسا کہ تمام دنیا کے انسان اسی سبب کے ماتحت پیدا ہو رہے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے موافق اپنی قدرت کا اظہار چاہا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سبب عادی کے بغیر پیدا کر دیا اور آدم و حوا علیہما السلام کی تخلیق بھی اسی سبب معہود کے بغیر ہوئی۔ پھر یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ ہزاروں نہیں بلکہ بے شمار مواقع ایسے ہیں کہ جہاں پیدائش انسانی کا سبب معہود موجود ہے۔ لیکن تخلیق انسانی مقنود

ہزاروں گھر بے چراغ ملیں گے۔ جہاں میاں بیوی ہزاروں جتن کرنے کے باوجود بھی اولاد کی نعمت سے محروم ہیں تو کیا اس کے باوجود بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ روح کے بغیر تاثیر حیات معاذ اللہ تحت قدرت نہیں۔

خلاصہ یہ کہ موت و حیات ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ موت عادی، موت حقیقی۔ حیات عادی، حیات حقیقی۔ جسم میں روح کا نہ ہونا یا ہونے کے بعد نکل جانا موت عادی ہے اور جسم میں روح کا موجود ہونا حیات عادی ہے اور جسم میں صفت مصححہ للعلم والقدرة (او ما يقوم مقامها) کا پایا جانا حیات حقیقی ہے اور اس کا نہ پایا جانا موت حقیقی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کسی جسم میں روح کے بغیر حیات حقیقی پیدا کر دے اور اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ کسی جسم میں روح کے موجود ہوتے ہوئے حیات حقیقی کو پیدا نہ ہونے دے یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی حکمت کی بناء پر ایسا نہیں کرتا لیکن اگر کرنا چاہے تو اسے کوئی روکے والا نہیں۔

اس مقام پر یہ شبہ پیدا نہ کیا جائے کہ قبض روح کے باوجود بھی کسی جسم میں علم و ادراک اور قدرت و احساس پایا جائے تو بیک وقت موت و حیات کا اجتماع لازم آئے گا جو باطل ہے کیونکہ ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ قبض روح موت عادی ہے۔ حقیقی نہیں اور قبض روح کے بعد علم و ادراک سمع و بصر اور قدرت و تصرف کا پایا جانا حیات حقیقی ہے۔ عادی نہیں۔ موت عادی حیات عادی کے منافی ہے اور حیات حقیقی موت حقیقی کے۔ حقیقی کو عادی کے اور عادی کو حقیقی کے منافی سمجھنا جہالت ہے۔

لہذا قبض روح کے ساتھ حیات حقیقی کا پایا جانا بلاشبہ جائز ہے اگرچہ یہ بیان اپنے مقام پر اس قدر پختہ ہے کہ کسی قسم کی تائید و تقویت کا محتاج نہیں۔ لیکن ناظرین کرام کے اذہان میں راسخ کرنے کے لئے ہم بعض شواہد پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ادنیٰ خفا کا امکان بھی باقی نہ رہے۔

(۱) بخاری شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر شریف کے بننے سے پہلے کھجور کی ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، جب منبر شریف بن گیا تو حضور ﷺ اس لکڑی کو چھوڑ کر منبر پر جلوہ گر ہوئے وہ لکڑی حضور ﷺ کے فراق میں اس طرح روئی جیسے کسی اونٹنی کا بچہ گم ہو جائے اور وہ دردناک آواز سے روئے۔ ملاحظہ فرمائیے، بخاری شریف میں ہے۔

فلما وضع له المنبر سمعنا للجدع مثل اصوات العشار حتی نزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ علیہ (بخاری جلد اول ص ۱۲۵)

جب حضور ﷺ کیلئے منبر رکھا گیا (اور حضور ﷺ کھجور کے تنے کو چھوڑ کر منبر پر جلوہ گر ہوئے) تو ہم نے اس لکڑی کی ایسی دردناک آواز سنی جیسے گم کردہ اولاد اونٹنیوں کی غمناک آواز ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ منبر شریف سے اترے اور اس پر اپنا دست کرم رکھ دیا۔

اسی بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ کرام نے فرمایا کھجور کا وہ خشک تنہا ایسی دردناک آواز سے رویا جسے سن کر قریب تھا کہ ہمارے جگر پھٹ جائیں۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں وفيہ دليل على صحة رسالته وهو حين الجمادى ذالك ان الله تعالى جعل للجذع حياة حن بها۔ یعنی حاشیہ بخاری ص ۱۲۵ (۱۲)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی صحت رسالت کی دلیل ہے اور وہ جسم بے جان کا (جانداروں کی طرح) رہتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کھجور کی خشک بے جان لکڑی میں ایسی حیات پیدا کر دی جس کی وجہ سے وہ غم ناک آواز کے ساتھ روئی۔
”جماد“ غیر ذی روح کو کہتے ہیں۔ اس کے رونے کو علامہ عینی شارح بخاری نے اس کی حیات قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ بغیر روح کے حیات ممکن ہے۔

(۲) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ صحیح مسلم کی شرح میں ربیع، ربیع، مسعود تینوں بھائیوں کے مرنے کے بعد ہنسنا اور کلام کرنا حسب ذیل عبارت میں بیان فرمایا ہے

وهو رباعي بن حراش بن جحش العسبي بالموحدة الكوفي ابو مريم اخو مسعود الذي تكلم بعد الموت و اخوهما ربيع ورباعي تابعي كبير جليل لم يكذب قط وحلف انه لا يصحك حتى يعلم اين مصيره فما ضحك الا بعد موته و كذلك حلف اخوه ربيع ان لا يصحك حتى يعلم افي الجنة هو اوفي النار قال غاسله فما زال متبسما على سريره و نحن نغسله حتى فرغنا۔ (شرح مقدمہ صحیح مسلم جلد اول ص ۷)

ترجمہ: اور وہ ربیع بن حراش بن جحش ہیں۔ ان کی کنیت ابو مریم ہے۔ یہ مسعود کے بھائی ہیں۔ جنہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا اور ان دونوں (ربیع اور مسعود) کے بھائی ربیع ہیں۔ ربیع جلیل القدر تابعی ہیں جنہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور انہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک انہیں اپنا ٹھکانہ معلوم نہ ہو جائے وہ نہ ہنسیں گے۔ چنانچہ وہ موت کے بعد ہی ہنسے اسی طرح ان کے بھائی ربیع نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک نہیں ہنسیں گے جب تک کہ انہیں اپنے جنتی یا ناری ہونے کا علم نہ ہو جائے۔ ان کی لاش کو غسل دینے والے نے کہا کہ ربیع ہمارے غسل دینے کے اثناء میں اپنے سر پر برابر ہستے رہے۔ یہاں تک کہ ہم ان کے غسل سے فارغ ہوئے۔

(۳) امام جلال الدین سیوطی نے بروایت ابو نعیم و بیہقی ربیع بن حراش کی ایک روایت نقل فرمائی ہے جس میں انہوں نے اپنے بھائی ربیع بن حراش کے مرنے کے بعد ان کے کلام کرنے کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ روایت حسب ذیل ہیں۔

و اخرج ابو نعیم عن ربیع قال كنا اربعة اخوة وكان ربيع اخي اكثرنا صلوة واكثرنا صياما وانه توفي فينا نحن حوله اذ كشف الثوب عن وجهه فقال السلام عليكم فقلنا وعليكم السلام ابعد الموت؟ قال نعم اني لقيت ربی بعد كم فلقیت رباً غیر غضبان فاستقبلنی بروح وريحان واستبرق الاوان ابا القاسم ينتظر الصلوة على فجلو ابي ولا تؤخرواني ثم طفی فنحلی الحديث الى عائشة رضی اللہ عنہا فقالت اما انی سمعت رسول اللہ ﷺ يقول يتكلم رجل من امتی بعد الموت قال ابو نعیم حدیث مشہور و اخرج البيهقي في الدلائل وقال صحيح لاشك في صحته (شرح الصدور ص ۲۸ مطبوعه مصر)

امام ابو نعیم نے ربیع سے روایت کیا ہے ربیع فرماتے ہیں ہم چار بھائی تھے اور میرا بھائی ربیع ہم سب میں زیادہ نماز روزہ کی کثرت کرنے والا تھا۔ اس کی وفات ہو گئی۔ اس کے مرنے کے بعد ہم سب اس کے آس پاس بیٹھے تھے۔ یکدم اس نے اپنے منہ سے

کپڑا ہٹا دیا اور السلام علیکم کہا ہم نے وعلیکم السلام کہہ کر جواب دیا اور کہا کہ موت کے بعد کلام؟ اس نے کہا کہ ہاں موت کے بعد میں نے اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ غضبناک نہیں تھا۔ میرے رب نے اعلیٰ درجہ کی نعمتوں اور ریشمی لباس کے عطیہ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ خبردار ہو جاؤ کہ بے شک ابوالقاسم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مجھ پر نماز پڑھنے کا انتظار فرما رہے ہیں۔ تم میرا جنازہ جلدی لے کر چلو میرے لیجانے میں دیر نہ کرو۔ پھر سکوت موت کے ساتھ خاموشی اختیار کی۔ انہوں نے حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک پہنچایا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا خبردار بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے میری امت میں سے ایک آدمی موت کے بعد کلام کرے گا۔ ابو نعیم نے کہا یہ مشہور حدیث ہے اور امام بیہقی نے بھی دلائل میں اس کی تخریج کی اور یہ کہا کہ یہ حدیث ایسی صحیح ہے جس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔

ان عینوں جلیل القدر تابعین کا مرنے کے بعد اثنا غسل میں ہنسنا اور قبل الدفن کلام کرنا روح کے بغیر حیات پائے جانے کی ایسی روشن دلیل ہے جس کا انکار جاہل معاند کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

(۴) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود نبی اکرم ﷺ کے قبر انور میں جلوہ گر ہونے کے بعد دفن سے پہلے کلام فرمانے کو نقل کیا ہے۔ مدارج النبوة میں ہے

وہو قسم بن عباس آخر کے کہ برآمد از قبر و ازوے می آرند کہ گفت آخر کیسکہ روئے مبارک آنحضرت ﷺ را دید در قبر من بودم نظر کردم در قبر کا آنحضرت علیہ السلام لب ہائے مبارک خود را می جنابید۔ پس گوش بخش دہان و سدا شتم شنیدم کہ می فرمود ”رب امتی، امتی“ اتنی (مدارج النبوة جلد ۲ ص ۵۶۸ مطبوعہ نولکشور)

حضرت قسم بن عباس قبر انور سے باہر آنیوالوں میں سب سے آخر تھے۔ ان سے مروی ہے جس نے قبر انور میں رسول اللہ ﷺ کا آخری دیدار کیا وہ میں تھا۔ میں نے قبر انور میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے لب ہائے اقدس کو متحرک فرما رہے ہیں۔ دہن اقدس کے آگے میں نے اپنے کان لگا دیئے۔ میں نے سنا کہ حضور ﷺ رب امتی امتی فرما رہے تھے۔ اس روایت کے بعد کسی مجادل کو یہ کہنے کا موقع نہ رہا کہ قبض روح کے بعد ثبوت حیات کیلئے خاص رسول اللہ ﷺ کے متعلق کوئی دلیل موجود نہیں۔ الحمد للہ ایہ آخری حجت بھی تمام ہوئی۔

روح کے بغیر حیات پائے جانے کا مسئلہ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت تفصیل سے لکھا۔ اس موقع پر ان کا نمونہ کلام بھی ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ دیکھئے امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وقد ثبت ان اجساد الانبياء لا بتلى وعود الروح الى الجسد ثابت في الصحيح لسائر المونی فضلا ای نہایت عن الشهداء فضلا عن الانبياء وانما النظر في استمرارها في البدن وفي ان البدن يصير حيا كحاله في الدنيا او حيا بدونها وهي حيث شاء الله تعالى فان ملازمة الروح للجسد امر عادي اجري الله به العادة فيجوز تخلفه (لا عقلي) فيمتنع تخلفه هذا اي الحياة بلا روح مما يجوز العقل فان صح به سمع اتبع وقد ذكره جماعة من العلماء و يشهد صلوة موسى في قبره كما ثبت في الصحيح (زرقانی جلد پنجم ص ۳۳۴ مطبوعہ مصر)

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اجساد انبیاء علیہم السلام بوسیدہ نہیں ہوتے اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں کل اموات کیلئے جسم میں روح کا لوٹنا بھی ثابت ہو چکا ہے۔ چہ جائیکہ شہداء پھر چہ جائیکہ انبیاء کرام علیہم السلام اعادہ روح فی الجسد میں نہیں بلکہ ہماری نظر تو صرف اس بات میں ہے کہ اعادہ کے بعد ارواح اجسام کریمہ میں دائم اور مستمر رہتی ہیں اور اس بات میں کہ بدن مبارک حیات دنیا کی طرح زندہ ہو جاتا ہے۔ یا ارواح کے بغیر ہی زندہ رہتا ہے اور مقدس روہیں وہاں رہتی ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کیونکہ روح و حیات کا آپس میں لازم ملزوم ہونا محض امر عادی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح عادت کو جاری فرمادیا ہے۔ ایسی صورت میں ایک دوسرے کے بغیر ہونا ممکن (بلکہ امر واقع) ہے۔ یہ ملازمہ عقلی نہیں کہ روح و حیات کا ایک دوسرے کے بغیر پایا جانا مستبعد ہو لہذا یہ حیات بلا روح ایسے امور سے ہے جنہیں عقل جائز رکھتی ہے۔ اگر کوئی دلیل سمعی اس کے ثبوت میں درجہ صحت کو پہنچ جائے تو ضرور اس کی اتباع کی جائیگی اور دلیل سمعی کو علماء کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا بھی اس دعویٰ کی دلیل ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۳۲)

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ہمارے بیان سابق کی ایسی روشن تائید ہے جسے پڑھ کر کوئی اہل علم اس کی صحت میں تردد نہیں کر سکتا۔

روح کے لئے موت نہیں

موت و حیات کے بیان میں یہ امر ملحوظ ہے کہ روح کے حق میں موت کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہ بدن سے خارج ہو جائے۔ یہ نہیں کہ طریان موت روح کو معدوم کر دے۔ اس لئے کہ موت کے بعد ارواح کا باقی رہنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے شہداء کی حیات کو بیان فرمایا ہے۔ وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ”يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ“ (س: آل عمران آیت ۱۶۹، ۱۷۰)

وہ رزق دیئے جاتے ہیں اور خوش باش رہتے ہیں۔ اس چیز کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دی۔

اگر ان کی ارواح معدوم ہو جائیں تو اجسام بھی ”جماد“ محض ہو کر رہ جائیں گے۔ ایسی صورت میں ان کو رزق دیا جانا اور ان کا خوش باش رہنا کیونکر متصور ہو سکتا ہے؟ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَرَحْمَةً

(مرنے والے کو عالم برزخ میں) کہا جائے گا جنت کی راحتوں میں داخل ہو جا۔ وہ کہے گا کاش میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے میری کیسی بخشش فرمائی اور کس طرح مجھے عزت والوں میں سے کیا یہ تو شہداء اور مومنین کے بارے میں ارشاد خداوندی تھا۔ اب کفار کے حق میں ملاحظہ فرمائیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

إِنَّ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُلَاقِيَهمُ

سَمُومٌ الْخَبِيْطُ وَكَذَلِكَ نُجْزِي الْمُجْرِمِينَ (س: اعراف آیت ۴۰)

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے مقابلہ میں تکبر کیا ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔

یہاں تک کہ داخل ہوا ونٹ سوئی کے ناکے میں اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں گھنگاروں کو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ بحر میں کی ارواح بھی موت کے بعد معدوم نہیں ہوتیں بلکہ آسمانوں پر لے جائے جانے کے بعد انتہائی ذلت سے واپس آتی ہیں اور اپنے جرائم کا بدلہ پاتی ہیں اور احادیث تو اس مسئلہ میں بے شمار ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (ابتداء امر میں) جب سماع موتی کا انکار کیا تھا تو ارواح کے علم کا انکار نہیں فرمایا چنانچہ بخاری شریف میں ان کی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

وَقَالَتْ اِنَّمَا قَالَ اَنَّهُم اِلَّا نَ لِيَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا كُنْتُ اَقُوْلُ لِهَمْ حَقٌّ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف اتنی بات ارشاد فرمائی تھی کہ مقتولین بدراب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو کچھ میں ان سے کہتا تھا۔ وہ حق ہے۔

اس کے علاوہ احادیث صحیحہ کثیرہ جن میں مرنے کے بعد متعیم و تعذیب کا بیان وارد ہے سب اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ مرنے کے بعد ارواح معدوم نہیں ہوتیں بلکہ علم و ادراک، سمع و بصر قول و عمل کے ساتھ متصف ہو کر موجود رہتی ہیں۔
روح کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (س: بنی اسرائیل آیت ۸۵)

”(اے محبوب ﷺ) لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں فرمادیجئے روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم نہیں دیئے گئے علم سے مگر تھوڑا“

روح کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے والے یہودی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے بھی روح کا علم قلیل ثابت فرمایا۔ جب یہودیوں کیلئے روح کے مسئلہ میں علم قلیل ثابت ہے تو مومنین بالخصوص صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کے بعد ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کیلئے تو یقیناً اس علم قلیل سے زیادہ علم حاصل ہوگا جس کا یہودیوں کیلئے اثبات کیا گیا۔ پھر حضور ﷺ کی شان تو سب سے بلند ہے اس لئے سب سے زیادہ روح کا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ صحیح ہے کہ بعض علماء نے روح کے بارے میں کچھ کہنے سے توقف کیا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جن لوگوں نے روح کے متعلق کلام کیا انہیں اس بارے میں سائلین عن الروح سے کہیں زیادہ علم حاصل تھا ورنہ وہ اس نازک مسئلہ میں ہرگز کلام نہ فرماتے۔ مختصر یہ کہ اسی علم کی بناء پر جمہور اہلسنت نے روح کی تعریف اس طرح کی

انہا جسم و هؤلاء تنوعوا انواعاً امثلها قول من قال انہا اجسام لطيفة مشبكة بالا اجسام الكثيفة جری اللہ العادة بالحيلة مع مقامها وهو مذهب جمهور اهل السنة والی ذالك یشر قول الاشعری والعلامة الباقلائی وامام الحرمین وغیرہم ویوافقہم قول کثیر من قدماء الفلاسفة ومنہم من قال انہا عرض خاص ولم یعینہ۔

و منہم من عینہ و منہم من قال انہا جوہر فرد متحیزة۔۔۔۔۔ و اتفق الاطباء علی ان فی بدن الانسان قلثة

ارواح روح طبعی --- وروح حیوانی --- وروح نفسانی --- ولم يتكلمو فی النفس الناطقة الخاصة بالانسان التي هي غرضنا هنا۔ (شفاء السقام ص ۱۷۷ مطبوعه مصر)

کہ وہ (روح) جسم ہے۔ پھر انہوں نے جسم کہہ کر بھی کئی قسم کے قول کئے۔ سب سے بہتر قول یہ ہے کہ روحیں اجسام لطیفہ ہیں جو اجسام کثیفہ پر چھائی ہوئی ہیں ان کے قیام مع البدن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حیات پائے جانے کی ایک عادت جاریہ مقرر فرمادی ہے۔ یہ جمہور اہلسنت کا مذہب ہے۔ امام اشعری علامہ باقلانی اور امام الحرمین وغیرہم کا قول اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ عرض خاص ہے۔ اس قائل نے اسے متعین نہیں کیا۔ بعض نے اس کی تعین بھی کی ہے۔

بعض نے کہا، وہ جو ہر فرد متخیرہ ہے اور طباطبائی کا اتفاق اس امر پر ہے کہ بدن انسان میں تین روح ہیں۔ روح طبعی، روح حیوانی، روح نفسانی اور نفس ناطقہ خاصہ بالانسان کے بارے میں انہوں نے کوئی کلام نہیں کیا، جس کے ساتھ اس مقام پر ہماری غرض وابستہ ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۷۷)

حقیقت انسان

امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ شفاء السقام میں فرماتے ہیں، ”والانسان فیہ امران: (۱) جسد، و (۲) نفس“
انسان میں دو چیزیں ہیں، جسم (۱) اور روح (۲)۔

فاضل مٹھی نے اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے

(قوله فیہ امران) قال السبکی للسید الصفوی هنا تحقیق فی مسئلة المعاد فلیراجع وعبارته الانسان هو مجموع الجسد والروح وما فیہ من المعانی فان الجسد الفارغ من الروح والمعانی تسمى شعاجنة لا انسانا وكذا الروح المجرد لا يسمى انسانا وكذا المعانی المحققة لا تسمى على الانفراد انسانا لاعرفا ولا عقلا ۱۵ من الاصول المنقول عنها

(قوله فیہ امران) امام سبکی نے سید صفوی سے فرمایا یہاں مسئلہ معاد میں ایک تحقیق ہے جس کی طرف مراجعت کرنی چاہئے۔ ان کی عبارت یہ ہے کہ انسان جسم و روح اور ان تمام معانی کا مجموعہ ہے۔ جو اس میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ جسم جو روح اور اس میں پائے جانے والے معانی سے فارغ ہو اس کا نام شیخ اور جبر رکھا جاتا ہے۔ اسے انسان نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح روح مجرد کا نام بھی انسان نہیں اور ایسے ہی اس میں پائے جانے والے معانی کو بھی علی الانفراد از روئے عرف و عقل انسان نہیں کہا جاتا۔

نفس انسانی کی حقیقت کیا ہے؟

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

”اصل“ حقيقة النفس الانسانية عندنا انها برزة للنفس الكلية مدبرة للنسمة والنسمة حالة في البدن مدبرة له حاملة للقوى

”اصل“ الاصل الذي به زيد زيد و عمرو عمرو وعند التحقيق ليس هي المشخصات بل نحو البرزة الذي به

صارت هذه البرزة نفس زيد و تلك نفس عمرو -----

”اصل“ معنی الموت انفكاك النسمه عن البدن لا انفكاك النفس عن النسمه فاحفظ

”اصل“ لما كان من خاصية هذه البرزة أن تحل في النسمه نسمه لا يمكن أن نصير مجردة محضة ولكن

تقوم بالنسمه فقط (فتاویٰ عزیزی ص ۵۹، ج ۱)

اصل نفس انسانیه کی حقیقت ہمارے نزدیک یہ ہے کہ وہ نفس کلیہ کے لئے ”حقیقت لطیفہ“ کا برزہ یعنی اس کی ایک صورت ہے جو نسمہ جان کیلئے مدبرہ ہے اور نسمہ بدن میں حال ہے اس کے لئے مدبرہ ہے تمام قویٰ کیلئے یہی حاملہ ہے۔
”اصل“ وہ اصل حقیقت جس کی وجہ سے زید فی الواقع زید ہے اور عمرو عمرو ہے عندا تحقیق مشخصات نہیں بلکہ برزہ جیسی ایک حقیقت ہے جس کی وجہ سے بہ صورت نفس زید اور بہ صورت نفس عمرو قرار پائی۔

اصل موت کے معنی بدن سے نسمہ کا جدا ہونا ہیں نسمہ کا نسمہ سے جدا ہونا نہیں۔ یاد رکھو!

”اصل“ جبکہ اس برزہ کی خاصیت سے یہ بات ہے کہ وہ نسمہ میں حلول کرے تو اس کا مجردہ محضہ ہونا ممکن نہیں اس کا تقوم ہمیشہ نسمہ کے ساتھ ہوگا۔ (فتاویٰ عزیزی)

حقیقت انسان یا نفس انسانی کی حقیقت کے بارے میں مختلف عنوانات سے جو اقوال متعددہ پائے جاتے ہیں۔ ان تمام کا احصاء اور ان پر تبصرہ اس وقت ہمارا مقصود نہیں۔ ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ علی اختلاف الاقوال جس چیز کو بھی اصل حقیقت قرار دیا جائے۔ وہ بعد الوفات بھی موجود ہے۔ ورنہ کتاب و سنت میں وارد ہونے والے وہ تمام حالات جن کا تعلق انسان اور اس کی حقیقت سے ہے۔ معاذ اللہ خلاف واقع اور کذب محض قرار پائیں گے۔ اس لئے وفات کے بعد روح یا بالفاظ دیگر حقیقت نفس انسانی کا باقی اور موجود رہنا تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور وہ حالات جب ہر ایک کے حسب حال ہیں تو بقاء حیات پر روشن دلیل ہوں گے۔

موت و حیات سے متعلق بقیہ ضروری تفصیلات انشاء اللہ اگلے عنوانات میں ہدیہ ناظرین کی جائیں گی۔ سر دست ہم امور مذکورہ سابقہ میں سے امر اول پر کلام شروع کرتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا قبروں میں نماز پڑھنا

رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قبروں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ لیکن اس مضمون پر حسب ذیل شکوک و شبہات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں، جن کا جواب دینا اثبات مدعا کے لئے ضروری ہے لہذا پہلے اعتراضات کو بیان کیا جاتا ہے۔ پھر ان کے جوابات عرض کئے جائیں گے۔

اعتراضات حسب ذیل ہیں

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی روحوں یا مثالی صورتوں کو دیکھا ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں بھی ہوں اور بیت المقدس میں بھی اور پھر اپنے اپنے مقامات پر آسمانوں میں بھی موجود رہیں۔

(۲) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قبروں میں اور بیت المقدس میں اور آسمانوں پر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اصلی جسموں کے ساتھ موجود تھے تو بیت المقدس اور آسمانوں پر ہونے کے وقت لازم آئے گا۔ کہ ان کی قبریں ان کے جسموں سے خالی ہوں۔ اسی طرح چالیس راتوں کے بعد انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبروں سے اٹھالیا جانا بھی اس بات کو مستلزم ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تمام قبریں ان کے وجود سے خالی ہوں حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کا حضور ﷺ سے خالی ہونا لازم آئے گا جو دلائل و واقعات کی روشنی میں صراحتاً باطل ہے۔

(۳) اگر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو آپ قبور میں تسلیم کرتے ہیں تو ان کی زندگی کیسے ثابت ہوگی جبکہ ان کی ارواح کا اعلیٰ علیین میں ہونا قطعی طور پر معلوم ہے۔

پہلے اور دوسرے اعتراض کا جواب

ان اعتراضات کے جوابات نمبر وار ملاحظہ فرمائیے۔

زمان و مکان کی قیود و حدود مادی کثافتوں تک محدود رہتی ہیں۔ کثافتیں جس قدر دور ہوتی جائیں گی زمان و مکان کی قیود اسی قدر مرتفع ہوتی چلی جائیں گی۔ ایک جسم کا آن واحد میں متعدد مقامات پر پائے جانے کا احتمال اسی مادی کثافت کا نتیجہ ہے۔ جہاں یہ کثافتیں موجود نہ رہیں وہاں زمان و مکان کی حدود بندیاں بھی باقی نہیں رہتیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام محققین کے نزدیک ایسے لطیف تھے کہ ان میں اور ارواح میں کوئی فرق نہ تھا۔ مگر زمین کو چاہیے کہ وہ اس بارے میں اپنے اکابر کی عبارات کو دیکھیں آپ کے مولا نارشید احمد صاحب گنگوہی نے فرمایا موت سب کو شامل ہے مگر انبیاء علیہم السلام کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ شانہ و مقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ تک پہنچ جاتی ہیں کہ اجزاء بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم (۱) روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

شائم امدادیہ میں جناب گنگوہی صاحب کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں، ”اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے مضائقہ نہیں کیونکہ عالم خلق مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے۔ پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔“ (شائم امدادیہ ص ۹۳)

گنگوہی صاحب کے اقتباس سے اتنی بات تو معلوم ہوگئی کہ انبیاء علیہم السلام کا تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے۔ اب یہ سنئے کہ وہ روح جس کو قرآن نے ”الروح الامین“ قرار دیا اور لسان شرع میں جبرائیل سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی زمان و مکان کے باب میں اس کا کیا حال ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں

ان جبریل علیہ السلام مع ظہورہ بین یدی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی صورة دحیۃ الکلبی او غیرہ لم

یفارق سدرۃ المنتهی (روح المعانی ص ۳۵ ب ۲۲)

ترجمہ: بے شک جبرائیل علیہ السلام وحیہ کلی وغیرہ کی صورت میں نبی کریم ﷺ کے سامنے ظاہر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہی سے جدا نہیں ہوئے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ تو ارواح ملائکہ سے کہیں زیادہ قوت و تصرف کی صفت سے متصف ہیں۔ بالخصوص ہمارے نبی کریم ﷺ کی روح اقدس تو روح الارواح ہے۔ جب ان کے اجسام کریمہ ان کی ارواح مقدسہ کا حکم پیدا کر لیں گے تو ان کیلئے یہ کوئی بڑی بات ہوگی کہ وہ آسمانوں اور بیت المقدس میں ظاہر ہونے کے باوجود اپنی قبور شریفہ سے جدا نہ ہوں۔

اس مضمون کی تائید کنز العمال کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ فیض الباری میں اس حدیث کو حسب ذیل عبارت میں نقل کر کے اس کی مراد کو واضح طور پر بیان کیا

وفی کنز العمال ان اجساد الانبياء فابته على اجساد الملائكة و اسنادہ ضعیف و مرادہ ان حال الانبياء علیہم السلام فی حیاتہم کحال الملائكة بخلاف عامة الناس فان ذالك حالہم فی الجنة فلا تكون فضلا لہم غیر رشحات عرق۔ انتہی۔ (فیض الباری جز اول ص ۲۵۱)

اور کنز العمال میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کی پیدائش اجسام ملائکہ کے موافق ہوتی ہے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اور اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دنیا میں ان کا حال ملائکہ کے حال کی طرح ہوتا ہے۔ بخلاف علمۃ الناس کے کہ ان کا یہ حال جنت میں ہوگا اسی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے فضلات پینے کے قطروں کے سوا نہیں ہوتے۔ (فیض الباری)

اگرچہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے مگر باب مناقب میں وہ بالاتفاق مقبول ہے۔ دیکھئے اعلاء السنن میں ہے۔

ولا يخفى ان الضعاف مقبولة معمولة بهافي فضائل الاعمال و مناقب الرجال على ما صرحوا به۔ انتہی۔ (اعلاء السنن حصہ چہارم ص ۶۵) مصدقہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی مطبوعہ اشرف المطابع تھانہ بھون اور مخفی نہ رہے کہ محدثین کی تصریح کے موافق ضعیف حدیثیں فضائل اعمال اور مناقب ارجال میں مقبول ہیں۔ معمول بہا ہیں۔ اجساد انبیاء علیہم السلام جب اجساد ملائکہ کے موافق ہوئے حتیٰ کہ ان کے فضلات بھی پینے کے چند قطروں سے متجاوز نہیں ہوتے تو اب ان کا قیاس علمۃ الناس کے اجسام پر کرنا غلطی نہیں تو اور کیا ہے؟

انبیاء علیہم السلام کے اپنی قبروں میں نماز پڑھنے اور آسمان و بیت المقدس اور قبور میں انبیاء علیہم السلام کے پائے جانے کے مسئلہ میں اسی قسم کے مقررین کو ان کی غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

ورأى رسول الله صلى الله عليه وسلم صورته هناك في اشخاص السعداء فشكر الله تعالى وعلم عند ذلك كيف يكون الانسان في مكانين وهو عينه لا غيره۔۔۔ وفيها شهود الجسم الواحد في مكانين في آن واحد كما رأى محمد صلى الله عليه وسلم نفسه في اشخاص بنى آدم سعداء حين اجتمع به في السماء الاولى كما مر وكذا لك آدم وموسى وغيرهما فانهم في قبورهم في الارض حال كونهم ساكنين في السماء فانه قال رأيت آدم رأيت موسى رأيت ابراهيم واطلق وما قال روح آدم ولا روح موسى فراجع صلى الله عليه وسلم موسى في السماء

وهو بعينه في قبره في الارض قائما يصلى كما ورد فيا من يقول ان الجسم الواحد لا يكون في مكانين كيف يكون
ايمانك بهذا الحديث (اليواقيت و الجواهر ج ٢ ص ٣٦)

ترجمہ: اور نبی کریم ﷺ نے اس جگہ (آدم علیہ السلام کے پاس) نیک بختوں کے افراد میں اپنی صورت مبارک بھی دیکھی۔ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا اور اس وقت حضور ﷺ نے علم مشاہدہ کے ساتھ اس بات کو جان لیا۔ کہ ایک انسان دو جگہ میں کس طرح پایا جاتا ہے۔ درآن حالیکہ وہ اس کا عین ہے، غیر نہیں۔۔۔۔۔ فوائد معراج سے یہ بھی ہے کہ ایک جسم کا ایک ہی آن میں دو جگہ حاضر ہونا جیسا کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات مقدسہ کو بنی آدم کے نیک بخت افراد میں دیکھا۔ جب کہ حضور ﷺ پہلے آسمان میں آدم علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوئے۔ جیسا کہ ابھی گزر چکا اور اسی طرح آدم و موسیٰ اور ان کے علاوہ انبیاء کرام کہ وہ زمین میں اپنی قبروں میں بھی موجود ہیں اور اسی وقت آسمانوں میں بھی ساکن ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں نے آدم کو دیکھا۔ میں نے موسیٰ کو دیکھا۔ میں نے ابراہیم کو دیکھا اور روح کی قید لگا کر یہ نہیں فرمایا کہ میں نے روح آدم کو دیکھا اور نہ یہ فرمایا کہ میں نے روح موسیٰ کو دیکھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آسمان میں گفتگو بھی فرمائی۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام بعینہ زمین میں اپنی قبر کے اندر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا، پس اے وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ ایک جسم دو جگہ نہیں پایا جاسکتا اس حدیث پر تیرا ایمان کیسے ہوگا؟ (اليواقيت والجواهر)

عالم مثال

عبارات منقولہ سے معترض کے اعتراض کا جہالت اور بے دینی پر مبنی ہونا اچھی طرح واضح ہو گیا۔ لیکن اگر ان تمام حقائق سے قطع نظر کر لی جائے تو ہم دوسرے طریقہ سے بھی جواب دے سکتے ہیں اور وہ یہ کہ صوفیہ عارفین کے نزدیک عالم کئی قسم کا ہے، ان میں سے ایک عالم اجسام ہے، دوسرا عالم مثال اور تیسرا عالم ارواح، ایک ہی چیز بیک وقت تینوں عالموں میں پائی جاتی ہے اور ان میں سے کوئی وجود دوسرے کا غیر نہیں بلکہ ان میں سے جس کا بھی اعتبار کیا جاوے باقی اس کا عین ہوں گے، غیر نہ ہوں گے۔ لہذا انبیاء کرام کے ان اجسام کریمہ کو جو ان کی قبور اور بیت المقدس اور آسمانوں میں پائے گئے۔ عالم مثال پر حمل کر دیا جائے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ انور شاہ صاحب کشمیری مقدمہ فیض الباری میں لکھتے ہیں

العوالم عند الصوفية على انحاء عالم الاجساد العنصرية وهي التي فيها المادة والمقدار وعالم الامثال وهي التي لامادة فيها مع بقاء الكم والمقدار كالشج المرئي في المرأة وعالم الارواح وهي التي لا مادة فيها ولا كم ولا مقدار وقد صرحوا ان عالم المثال لتجرده عن المادة اقوى من عالم الاجساد وليس كما زعمه بعض الجهلاء انه من التخيلات الصرفة وقالوا ان زيد افي آن واحد موجود في مواطن ثلاثة عالم الاجساد والمثال والارواح بدون تفاوت ولا تغير انتهى (مقدمه فيض الباري جز اول ص ٦٥)

عارفین صوفیہ کے نزدیک عالم کی چند قسمیں ہیں ایک ان میں سے عالم اجساد عنصریہ ہے اور وہ وہ ہے جس میں مادہ اور مقدار دونوں چیزیں پائی جائیں۔ دوسرا عالم مثال اور وہ وہ ہے جس میں مادہ نہ ہو صرف کیت اور مقدار پائی جائے جیسے آئینہ میں نظر آنے والی

شکل، تیسرا عالم ارواح اس میں نہ مادہ ہوتا ہے اور نہ کمیت اور نہ مقدار۔ عارفین کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ عالم مثال مجرد عن المادہ کی وجہ سے عالم اجسام سے زیادہ قوی ہے اور یہ بات نہیں جیسا کہ بعض جہلاء نے گمان کر لیا کہ عالم مثال محض تخیلات کا مجموعہ ہے۔ صوفیائے کرام نے یہ فرمایا کہ زید آن واحد میں تین جگہ موجود ہے۔ ایک عالم اجساد، دوسرے عالم مثال اور تیسرے عالم ارواح میں۔ ان تینوں جگہ زید بغیر کسی تفاوت اور تغیر کے پایا جاتا ہے۔ پھر آگے چل کر اگلے صفحے پر فرماتے ہیں

ثم ان عالم المثال ليس اسما للحيز كما يتوهم بل هو اسم لنوع من الموجودات فما كان من عالم المثال ربما يوجد في هذا العالم بعينه كالملك فانهم في عالم المثال عندهم ومع ذلك تتعاقب في هذا العالم بكرة واصيلا انتهی (فیض الباری ص ۶۶)

پھر عالم مثال کسی چیز کا نام نہیں۔ جیسا کہ وہم کیا جاتا ہے بلکہ وہ موجودات کی ایک قسم کا نام ہے تو بسا اوقات عالم مثال کی چیز اس عالم میں بعینہ پائی جاتی ہے جیسے فرشتے کہ وہ ان کے نزدیک عالم مثال میں ہیں اور اس کے باوجود اس عالم میں بھی ایک دوسرے کے پیچھے صبح و شام آتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

شاید کوئی کہہ دے کہ صاحب فیض الباری نے صوفیہ کا مذہب نقل کر دیا۔ جس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا اپنا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اس کے جواب میں عرض کروں گا کہ اول تو صوفیہ کا عقیدہ ہی ہماری دلیل ہے۔ دوم یہ کہ صاحب فیض الباری نے اس مسئلہ میں اپنے عقیدہ کی خود تصریح کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں

وقد ثبت عندی لجسد المعانی ونحوه الاعراض بالعقل والنقل فلا بعد عندی فی صعوده لا فیض الباری جز ۲ ص ۳۰۲

میرے نزدیک اعراض و معانی کا جسد مثالی اور جوہر مثالی میں ظاہر ہونا عقل و نقل سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس لیے کلمات طیبات کے آسمانوں کی طرف چڑھنے میں کوئی بعد نہیں پایا جاتا۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ صاحب فیض الباری نے عالم مثال کا قول محض نقل نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک اس کا وجود عقل و نقل سے ثابت ہے۔

عالم مثال کبے حقیقت ہونا

شاید کوئی جھگڑا آدمی یہ کہہ دے کہ عالم مثال تخیلات صرفہ اور فراغ متوہم کا نام ہے۔ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ تو اس کا جواب مقدمہ فیض الباری سے ہماری نقل کی ہوئی عبارت میں واضح طور پر آچکا ہے۔ کیونکہ امیں صاف موجود ہے کہ عالم مثال کو تخیلات محضہ قرار دینا جہلاء کا کام ہے۔ اسی طرح اسے محض فراغ متوہم ماننا بھی وہم ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عالم مثال موجودات کی ایک نوع کو کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ عالم مثال کی چیزیں بسا اوقات اس عالم میں بعینہ پائی جاتی ہیں۔

اتنی روشن تصریحات کے باوجود بھی عالم مثال کی حقیقت و واقعیت سے انکار کرنا ہٹ دھرمی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ عالم مثال پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

والصوفية العلية لما ظهر لهم من العوالم عالم المثال وفيه مثال لكل جوهر وعرض بل للمجردات أيضاً بل لله سبحانه أيضاً مع كونه متعال عن الشبه والمثال ذلك هو المحل لحديث رأيت ربي على صورة امرئ شاب قطط في رجليه نعل الذهب وقد ينتقل الصورة المثالية من عالم المثال الى عالم الشهادة بكمال قدرته تعالى وقد اشتهر ذلك كرامة عن كثير من الاولياء ولعل الله تعالى يحضر الصورة المثالية للموت من عالم المثال في الآخرة الى عالم الشهادة فيؤمر بذبحه حتى يظهر على اهل الجنة والنار انه خلود ولا موت وهكذا التاويل في حشر الاسلام والايمان والقرآن والاعمال والامانة والرحمة وايام الدنيا كما نطق به الاحاديث الصحيحة التي لا يسع ذكرها المقام قال السيوطي في البدور السافرة الاعمال والمعاني كلها مخلوقة ولها صورة عند الله تعالى وان كنا لا نشاهدها وقد نص ارباب الحقيقة على ان من انواع الكشف الوقوف على حقائق المعاني وادراك صورها بصور الاجسام والاحاديث شاهدة بذلك وهي كثيرة انتهى وهذا القول من السيوطي حكاية عن عالم المثال والله تعالى اعلم۔

اور صوفیہ علیہ پر عوالم میں سے عالم مثال ظاہر ہوا۔ جس میں ہر جوہر و عرض بلکہ مجردات بلکہ اللہ تعالیٰ کی بھی مثال ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ شبہ و امثال سے پاک ہے۔ صوفیہ نے کہا۔ یہی عالم مثال اس حدیث کا محل ہے کہ میں نے اپنے رب کو گھنگھریالے بالوں والے نوجوان کی شکل میں دیکھا جس کے پاؤں میں سونے کی جوتیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی عالم مثال سے صورت مثالیہ عالم شہادت کی طرف اپنی کمال قدرت کے ساتھ منتقل فرمادیتا ہے اور اسی عالم مثال کی بناء پر آن واحد میں مقامات متعددہ پر موجود ہونے کی یہ کرامت بکثرت اولیاء اللہ سے مشہور ہوگئی اور شاید اللہ تعالیٰ موت کے لئے آخرت میں عالم مثال سے عالم شہادت کی طرف ایک صورت مثالیہ حاضر فرمائے گا۔ پھر اسے ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جنتیوں اور دوزخیوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ خلود ہے موت نہیں۔ یہی تاویل حشر، اسلام، ایمان، قرآن، اعمال، امانت، رحم اور ایام دنیا کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ بکثرت احادیث صحیحہ اس پر ناطق ہیں۔ جن کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

امام سیوطی نے بدور سافرہ میں کہا اعمال اور معانی سب مخلوق ہیں۔ اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ ہم ان کا مشاہدہ نہیں کر سکتے ارباب حقیقت نے اس بات پر نص کی ہے۔ کہ منجملہ انواع کشف کے وقوف حاصل کرنا ہے حقائق معانی پر اور ان صورتوں کے ادراک پر جو اجسام کی صورتیں ہوں اور احادیث کثیرہ اس کیلئے شاہد ہیں! اور یہ قول امام سیوطی کا ہے جس کے ذریعہ انہوں نے عالم مثال کی حکایت کی ہے۔ ”اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔“ (تفسیر مظہری پ ۲۹ ص ۲۱، ۲۰)

ان تمام عبارات سے عالم مثال کا وجود ظہر من الشمس ہو گیا اور یہ بات واضح ہوگئی کہ موجودات عالم مثال وجود واقعی رکھتے ہیں اور وہ انواع کائنات میں سے ایک نوع ہیں۔ نیز یہ کہ جو چیز عوالم ثلاثہ میں بیک وقت موجود ہوگی اس کا وجود عینوں میں سے کسی عالم کے وجود کا غیر نہ ہوگا۔ لہذا انبیاء کرام علیہم السلام جو مقامات متعددہ پر دیکھے گئے ان سب کا وجود ہر جگہ وجود واقعی ہے اور وہ ان کا غیر نہیں بلکہ عین ہے۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ”لا یتروکون فی قبورہم بعد اربعین لیلة“ کے متعلق امام بیہقی سے نقل کیا ہے۔

قال البيهقي ان صح فالمراد انهم لا يتركون يصلون الا هذا المقدار و يكونون مصلين بين يدي الله

نبیؐ نے کہا اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کی مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس عرصہ معینہ کے بعد نماز پڑھنے کیلئے نہیں چھوڑے جاتے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور خاص میں نماز پڑھتے ہیں۔

بہر حال معترضین کے شبہات محدثین و علماء محققین کی تصریحات کی روشنی میں لغو اور بے بنیاد ہیں۔ ہمارے اس جواب میں دوسرے اعتراض کا جواب بھی آگیا۔ جس کو دوبارہ لکھنا تطویل لاطائل ہے۔

تیسرے اعتراض کا جواب

رہا تیسرا اعتراض تو ہم پوچھتے ہیں کہ معترض کو ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کے اعلیٰ علیین میں ہونے کا علم قطعی کس دلیل سے حاصل ہوا۔

جب دلائل سے ہم نے ثابت کر دیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو یہ کیوں نہ کہا جائے کہ ارواح مقدسہ ابدان شریفہ میں ہونے کے باوجود اپنی روحانی قوت اور طاقت تصرف کی بناء پر اعلیٰ علیین سے بھی اس طرح متعلق ہیں کہ گویا وہ وہاں موجود ہیں اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے مسلک پر پھر بھی کوئی زد نہیں پڑتی۔ اس لئے کہ جب اجسام مقدسہ کا ممکنہ متعددہ میں ہونا باہمی غیریت کو مستلزم نہیں تو روح اقدس کے لئے تو بطریق اولیٰ یہ بات ماننی پڑے گی اور اس میں شک نہیں کہ ارواح مقدسہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ابدان مبارکہ میں موجود ہونے کے باوجود بھی اعلیٰ علیین میں موجود ہیں۔ غیر مرنی پر مرنی سے دلیل لانا اور ایک عالم پر دوسرے عالم کا قیاس کرنا صحیح نہیں۔

بارگاہ اقدس میں درود شریف کا پیش ہونا

امراول سے فراغت پا کر مردم کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ حضور سید عالم ﷺ پر درود شریف پیش ہونے کا مضمون ناظرین کرام اس سے پہلے ہمارے بیان میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جو اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے کہ حضور ﷺ قبر انور میں زندہ ہیں ورنہ درود شریف پیش ہونے کے معنی متحقق نہیں ہو سکتے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درود کا علم کس طرح ہوتا ہے۔ حضور خود سنتے ہیں یا حضور ﷺ کو پہنچا دیا جاتا ہے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر انور پر درود پڑھا جائے تو حضور سنتے ہیں اور دور سے پڑھنے والوں کا درود حضور نہیں سنتے۔ بلکہ فرشتے حضور ﷺ کو پہنچا دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے قول کی دلیل میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی فأثابا ببلغته

ترجمہ: یعنی جس شخص نے میرے قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سننا اسی وقت ہوتا ہے۔ جب قبر شریف کے پاس درود پڑھا جائے اور جو درود دور سے

پڑھا جائے۔ اسے حضور نہیں سنتے۔ وہ فرشتوں کے ذریعے حضور کو پہنچا دیا جاتا ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک ہر شخص کا درود و سلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سنتے ہیں۔ درود و سلام پڑھنے والا خواہ قبر انور کے پاس حاضر ہو یا کہیں دور ہو قریب اور دور کا فرق رسول کے لئے نہیں بلکہ درود و سلام پڑھنے والے کیلئے ہے۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ نزدیک اور دور کی قید عالم خلق کے لئے ہے، عالم امر کے لئے نہیں۔ اس لئے روح زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ جب عام ارواح اس قید میں مقید نہیں تو روح اقدس جو روح الارواح ہے قرب و بعد کی قید میں کیوں کر مقید ہو سکتی ہے؟

علاوہ ازیں اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ کہاں ارشاد فرمایا ہے کہ دور سے درود پڑھنے والے کا درود صرف فرشتوں کے ذریعہ مجھے پہنچتا ہے۔ میں اسے مطلقاً نہیں سنتا۔ حضور ﷺ کے درود و سلام سننے اور آپ کی خدمت میں پہنچائے جانے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اگر ان سب کو سامنے رکھ کر فکر سلیم سے کام لیا جائے تو یہ مسئلہ بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اس باب میں ایک حدیث تو ناظرین پڑھ چکے ہیں کہ جس نے میری قبر انور پر آ کر درود پڑھا تو میں اسے سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں وارد ہے

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ من صلی علی عند قبری وکل اللہ بہ ملکاً یبلغنی وکفی امر دنیاہ و آخرہ وکنت لہ یوم القیامۃ شہیداً او شفیعاً
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود پڑھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے۔ جو اس کا درود مجھے پہنچا دیتا ہے اور وہ اپنے امر دنیا اور آخرت کی کفایت کیا جاتا ہے اور میں اس کے لئے قیامت کے دن شہید یا شفیع ہوں گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قبر شریف پر جو درود پڑھا جاتا ہے۔ اسے بھی حضور ﷺ کے سامنے فرشتہ پیش کرتا ہے۔ اب اگر فرشتہ کا حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود پیش کرنا حضور ﷺ کے سننے کے منافی ہو تو اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ میری قبر انور پر جو درود پڑھا جائے۔ میں اسے بھی نہیں سنتا۔ ایسی صورت میں یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض ہوگی۔ جس میں صاف موجود ہے۔

من صلی علی عند قبری سمعته

ترجمہ ☆ جو میری قبر پر درود پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں۔

علاوہ ازیں جس طرح اس حدیث سے قبر انور کے پاس درود پڑھنے والے کے درود کا حضور ﷺ کو پہنچایا جانا ثابت ہوا۔ اسی طرح بعض دیگر احادیث سے دور کا درود شریف سننا حضور ﷺ کے لئے ثابت ہے۔ جیسا کہ احادیث کے ذیل میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ الی روحی حتی ارد علیہ السلام (رواہ احمد و ابی داؤد و بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: نہیں کوئی جو سلام پڑھے مجھ پر لیکن اللہ تعالیٰ میری طرف میری روح لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

اس حدیث میں ”ما“ نافیہ ہے۔ ”احد“ نکرہ ہے سب جانتے ہیں کہ نکرہ چیز نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ پھر ”من“ استغراقیہ عموم واستغراق پر نص ہے یعنی مجھ پر سلام بھیجنے والا کوئی شخص ایسا نہیں جس کے سلام کی طرف میری توجہ مبذول نہ ہوتی ہو خواہ وہ قبر انور کے پاس ہو یا دور ہو ہر ایک کے سلام کی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں اور ہر شخص کے سلام کا خود جواب دیتا ہوں۔

یہ حدیث اس امر کی روشن دلیل ہے کہ درود پڑھنے والے ہر فرد کا درود حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور من کر جواب بھی دیتے ہیں خواہ وہ شخص قبر انور کے پاس ہو یا دور ہو۔ دیکھئے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث ”الرد اللہ الی روحی“ پر کلام کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

و بتولد من هذا الجواب جواب آخر وهو ان يكون الروح كناية عن السمع و يكون المراد ان الله تعالى يرد عليه سمعه الخارق للعادة بحيث يسمع سلام المسلم ”وَإِنْ بَعْدَ (۱) قُطْرُهُ (انباء الانبياء بحیوة الانبياء) ترجمہ: اور اس جواب سے ایک اور جواب پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ درود روح سے یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر آپ کی سمع خارق للعادة کو لوٹا دیتا ہے۔ اس طرح کہ حضور ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کو سنتے ہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دور سے پڑھنے والے کا درود بھی سنتے ہیں۔

اسی باب میں اور بھی احادیث وارد ہیں لیکن ہم نے قدر ضرورت پر اکتفا کیا اور ہماری پیش کردہ حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ جس طرح قبر انور کے پاس درود پڑھنے والے کا درود حضور ﷺ سنتے ہیں۔ اسی طرح دور کا درود بھی حضور ﷺ اپنی سمع مبارک سے سنتے ہیں اور جس طرح دور کا درود حضور کو پہنچایا جاتا ہے۔ اسی طرح قبر انور پر جو درود پڑھا جائے اسے بھی ایک فرشتہ حضور ﷺ پر پہنچاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ پہنچانا سننے کے منافی نہیں اور سننا پہنچانے کے معارض نہیں یعنی قریب اور دور کا درود حضور سنتے بھی ہیں اور یہی دور

اور نزدیک کا درود حضور ﷺ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔ اس تقریر پر یہ شبہ وارد ہو گا کہ پہلی حدیث من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائبا ابلغته

میں ”ابلغته“ اور ”سمعته“ باہم متقابل معلوم ہوتے ہیں اور مقابل کی صورت میں سمع کا ابلغ کے ساتھ جمع ہونا محال ہے لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب فرشتے درود پہنچاتے ہیں تو اس وقت حضور ﷺ نہیں سنتے۔ جس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ جب ہم نے احادیث کی روشنی میں ثابت کر دیا کہ جو درود قبر انور کے پاس پڑھا جائے۔ اسے بھی فرشتے پہنچاتے ہیں۔ نیز یہ کہ نزدیک و دور سے ہر ایک درود پڑھنے والا جب درود پڑھتا ہے تو وہ اس حال میں پڑھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی طرف حضور کی روح مقدس اور سمع مبارک لوٹائی ہوئی ہوتی ہے اور حضور ﷺ ہر ایک کا درود سن کر خود جواب دیتے ہیں تو اس کے بعد اس شبہ کیلئے کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

رہا مقابل تو اس کے لئے مطلق سمع ضروری نہیں بلکہ سمع مخصوص بھی مقابل کیلئے کافی ہے اور وہ التفات خصوصی ہے اور بر تقدیر صحت حدیث مطلب یہ ہے کہ قبر انور پر آ کر درود پڑھنے والا چونکہ حاضری کی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس لئے اس کا درود اس قابل

ہے کہ اسے التفات خاص کے ساتھ سنا جائے۔

بلکہ قبر انور پر حاضری کی خصوصیات پر کیا منحصر ہے۔ دور کے لوگ بھی اگر اسی قسم کی کوئی خصوصیت رکھتے ہوں۔ مثلاً کمال محبت و اشتیاق سے درود پڑھیں تو ان کے درود و سلام کیلئے بھی سمع خصوصی اور مخصوص التفات و توجہ کے ساتھ سمع اقدس کا پایا جانا کچھ بعید نہیں بلکہ دلائل الخیرات کی ایک حدیث اس دعویٰ کی مثبت ہے۔

صاحب دلائل الخیرات نے حضور ﷺ کا ارشاد بایں الفاظ وارد کیا

اسمع (۱) صلوة اہل محبتی واعرفہم

مختصر یہ کہ ابلاغ اور سمع خصوصی کا مقابلہ مراد لینے کے بعد حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص خصوصیت کے ساتھ میری قبر انور پر حاضر ہو کر (یا مثلاً کمال محبت و اشتیاق کی خصوصیت کا حامل ہو کر) مجھ پر درود پڑھتا ہے، میں اس کے درود کو خاص توجہ کے ساتھ سنتا ہوں اور جو شخص دور سے (ان خصوصیات کے بغیر) مجھ پر درود پڑھتا ہے (سماع معتاد کے باوجود) میں اس کی طرف خاص توجہ نہیں فرماتا صرف ملائکہ میری بارگاہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

ابلاغ ملائکہ

فرشتوں کے درود پہنچانے کو جن لوگوں نے مطلق سماع اقدس کے منافی قرار دیا ہے۔ دراصل وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ابلاغ اور تبلیغ ملائکہ کا سبب حضور ﷺ کی لاعلمی ہے۔ حالانکہ یہ محض غلط ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی ہم ثابت کر چکے ہیں کہ قبر انور پر جو درود پڑھا جائے اسے حضور ﷺ سننے بھی ہیں اور اسے ملائکہ بھی حضور ﷺ کے دربار میں پہنچاتے ہیں اگر فرشتوں کا پہنچانا لاعلمی کی وجہ سے ہوتا تو حرار مبارک پر جس درود کو حضور ﷺ خود سن رہے ہیں اس کے ابلاغ کی کیا ضرورت تھی؟

فرشتوں کے درود پہنچانے کی حکمت

درود کے الفاظ درحقیقت ایک تحفہ اور ہدیہ ہیں۔ تحفہ اور ہدیہ کے معنی کی تکمیل (مہدی لہ) کے محض سننے اور جاننے سے نہیں ہوتی بلکہ انہیں الفاظ کی پیش کش سے ہوتی ہے۔ جو درود شریف کیلئے استعمال کئے گئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں کے درود پہنچانے کو مہدی لہ کے جاننے یا نہ جاننے سے کوئی تعلق نہیں یہ پہنچانا تو صرف اس لئے ہے کہ ہدیہ اور تحفہ کے معنی متحقق ہو جائیں اور بس۔ ہم اپنے اس بیان کی تائید کیلئے فیض الباری کی ایک عبارت ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

واعلم ان حدیث عرض الصلوة علی النبی ﷺ لا یقوم دلیلاً علی نفی علم الغیب وان كانت المسئلة فیہ ان نسبة علمہ ﷺ وعلمہ تعالیٰ کنسبة المتناہی بغیر المتناہی لان المقصود بعرض الملئكة هو تلك الكلمات بعینہا فی حضرة العالیة علمہا من قبل اولہم یعلم کعرضہا عند رب العزة ورفع الاعمال الیہ فان تلك الكلمات مما یحیا بہ وجه الرحمن فلا ینفی العرض العلم فالعرض قد ینکون للعلم واخری لمعان آخر فاعرف الفرق (انتہی) (فیض الباری جز ۲ ص ۳۰۲)

جاننا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ پر درود پیش کرنے کی حدیث علم غیب کی نفی پر دلیل نہیں بن سکتی۔ اگرچہ علم غیب کے بارہ میں مسئلہ

یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ایسی ہے جیسے غیر متناہی کے ساتھ متناہی کی نسبت۔ یہ دلیل نہ ہونا اس لئے ہے کہ فرشتوں کے پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ درود شریف کے کلمات بعینہا بارگاہِ عالیہ نبویہ میں پہنچ جائیں۔ حضور ﷺ نے ان کلمات کو پہلے جانا ہو یا نہ جانا ہو بارگاہِ رسالت میں کلمات درود کی پیشکش بالکل ایسی ہے جیسے رب العزت کی بارگاہ میں یہ کلمات طیبات پیش کئے جاتے ہیں اور اس کی بارگاہِ الوہیت میں اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ کلمات ان چیزوں میں سے ہیں جن کے ساتھ ذاتِ رحمن جل مجدہ کو تحفہ پیش کیا جاتا ہے اس لئے یہ پیش کرنا علم کے منافی نہیں۔ لہذا کسی چیز کا پیش کرنا کبھی علم کیلئے بھی ہوتا ہے اور بسا اوقات دوسرے معانی کیلئے بھی اس فرق کو خوب پہچان لیا جائے۔ انہی (فیض الباری)

سماع کا تعلق صرف آواز سے ہے اور فرشتوں کی پیشکش صلوٰۃ و سلام کے کلمات بعینہا سے متعلق ہے۔ رہا یہ امر کہ وہ کلمات بعینہا فرشتے کیونکر پیش کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کے بعینہا اصل کلمات کا پیش کئے جانے کے قابل ہو جانا امر محال نہیں لہذا تحت قدرت داخل ہوگا۔ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا يَشَاءُ قَدِيرٌ

فیض الباری کی منقولہ بالاعبارت سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ بارگاہِ رسالت میں فرشتوں کا درود شریف پیش کرنا حضور ﷺ کی لاعلمی پر مبنی نہیں۔ بلکہ کلمات درود بعینہا کو بطور تحفہ و ہدیہ پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ سنتے اور جاننے کو اس پیشکش سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے قبر انور پر جو درود پڑھا جائے حضور ﷺ اسے سنتے بھی ہیں اور فرشتے بھی اسے پیش کرتا ہے۔ علی ہذا دور سے جو لوگ درود شریف پڑھتے ہیں اسے فرشتے بھی پیش کرتے ہیں اور سمع خارق للعادۃ سے حضور ﷺ استماع بھی فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ”سمعتہ اور ابلغتہ“ کے مابین تقابل پر زور دے کر جس سماع کی نفی کی جاتی ہے، وہ مطلق سماع نہیں بلکہ سماع مقید (بقید التفات خصوصی) ہے۔ جس کے نظائر قرآن وحدیث میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَهُمْ أَغْنَيْنَ لَا يَبْصُرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا

ترجمہ: (ان کفار جن وانس) کی آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں۔ (س: اعراف آیت ۱۷۹) یہاں مطلق سمع و بصر کی نفی مراد نہیں۔ بلکہ سمع مخصوص اور بصر خصوصی کی نفی مراد ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ ”اور نہ دیکھے گا اللہ تعالیٰ ان کی طرف قیامت کے دن“ (س: آل عمران آیت ۷۷) یہاں بھی مطلق سمع و بصر کی نفی نہیں بلکہ ایک خاص قسم کے دیکھنے کی نفی فرمائی گئی ہے جو نظر رحمت کے ساتھ دیکھنا ہے۔

حدیث شفاعت میں وارد ہے

”قُلْ تَسْمَعُ“ آپ کہیئے سنے جائیں گے۔ (بخاری شریف)

یہاں بھی مطلق سمع مراد نہیں بلکہ سماع خاص مراد ہے ایسے ہی ”سمعتہ“ سے سماع خصوصی یعنی توجہ اور التفات خاص کے ساتھ

سننا مراد ہے اور گر بر بنائے قائل ابلغتہ کو نفی سماع پر محمول کیا جائے تو نفی اسی کی ہوگی۔ جس کا سمعہ سے ثبوت ہوا تھا اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ثبوت سماع خصوصی کا ہے لہذا نفی بھی اسی سماع خاص کی ہوگی۔

ایک شبہ

اگر ابلاغ ملائکہ کے باعث سماع خاص کی نفی مراد لی جائے تو جو درود قبرانور پر پڑھا جاتا ہے اس کو بھی ملائکہ پہنچاتے ہیں۔ ایسی صورت میں قبرانور پر پڑھے جانے والے درود کا بھی سماع خصوصی کے ساتھ سننا نفی قرار پائے گا۔

جواب

ہم نے جس ابلاغ کو سماع خصوصی کا مقابل مانا ہے وہ ”من صلی علی نائیا“ کی شرط سے مشروط ہے۔ مطلق ابلاغ ہمارے نزدیک سماع خصوصی کے متناہی نہیں۔ پھر نائیا سے بھی محض ظاہری دوری والے مراد نہیں۔ بلکہ وہ تمام افراد مراد ہیں جو قرب ظاہری و معنوی کی خصوصیت سے محروم ہوں جیسا کہ مَنْ صَلَّی عَلَیْ عِنْدَ قَبْرِی کے عموم میں وہ تمام اشخاص شامل ہیں جو عندیت ظاہری یا باطنی کی خصوصیت کے حامل ہوں۔

یہ تمام گفتگو اس تقدیر پر ہے کہ اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے اور اگر صحیح نہ ہو جیسا کہ ان شاء اللہ آگے چل کر معلوم ہو گا تو نفی سماع کی بنیاد ہی باقی نہیں رہتی۔

سردست اس پر مضمون کی تکمیل کیلئے ہم ایک اور حدیث پیش کرتے ہیں۔ اس کو مؤخر رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے کچھ کلام کیا ہے مناسبت مقام کی وجہ سے ہم بھی ان کے کلام پر کلام کریں گے اور اسی ضمن میں حدیث زیر نظر ”مَنْ صَلَّی عَلَیْ عِنْدَ قَبْرِی سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّی عَلَیْ فَاِذَا اُبْلَغْتُهُ“

کی صحت و سقم پر بھی مکمل بحث آجائے گی۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس پوری بحث کو آخر میں رکھا جائے۔

جلاء الافہام کی حدیث

وہ حدیث جلاء الافہام مصنف ابن قیم جوزی سے مع سند نقل کرتا ہوں

۱۰۸ قال الطبرانی حدثنا یحییٰ بن ایوب العلاف حدثنا سعید بن ابی مریم عن خالد بن زید عن سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ اکثرُوا الصلوة علی یوم الجمعة فانه یوم مشہود تشہده الملائكة لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوته حیث کان قلنا وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء ذکرہ الحافظ المنذری فی الترغیب وقال رواہ ابن ماجہ (۱) باسناد حید (جلاء الافہام ص ۷۳-۷۴)

طبرانی نے بسند مذکور کہا حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ

درود پڑھا کرو۔ اس لئے کہ وہ یوم مشہود ہے اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ کوئی بندہ (کسی جگہ سے) مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ جہاں بھی ہو حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم (صحابہ) نے عرض کیا حضور! آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا ہاں! میری وفات کے بعد بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔

(۱) اس حدیث کو حافظ منذری نے ترغیب میں ذکر کیا اور کہا کہ ابن ماجہ نے اسے بہ سند خیر روایت کیا۔

حدیث جلاء الافہام پر تھانوی صاحب کا کلام

یہ حدیث ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب جلاء الافہام میں نقل کی ہے۔ جس میں صراحۃً مذکور ہے کہ درود پڑھنے والا جہاں بھی ہو اس کی آواز رسول اللہ ﷺ کو پہنچ جاتی ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کو کسی نے یہ حدیث مع سند لکھ کر بھیجی اور سوال کیا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ہر شخص کی آواز کو سماع فرماتے ہیں۔ علاوہ اس کے کوئی معنی بیان فرمادیں۔ تاکہ تردد رفع ہو یا ایسا ہی عقیدہ رکھنا چاہیے۔ آنحضور کا کیا ارشاد ہے۔ (بوادرالنوادر جلد اول ص ۲۰۵)

تھانوی صاحب نے اس کے جواب میں سند اور متن حدیث دونوں پر کلام کیا ہے سند پر کلام کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں ”اس سند میں ایک راوی یحییٰ بن ایوب بلا نسب مذکور ہیں جو کئی راویوں کا نام ہے۔ جن میں ایک غافقی ہیں۔ جن کے باب میں ربما اخطاء لکھا ہے۔ یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں (آٹھلی)

اقول: تھانوی صاحب جس سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ احتمال پیدا کر رہے ہیں۔ اس سوال کو انہوں نے بوادرالنوادر کے صفحہ ۲۰۵ پر خود ارقام فرمایا ہے اور اس میں یہ عبارت موجود ہے۔

حدثنا يحيى بن ايوب العلاف حدثنا سعيد بن ابي مريم الخ
كتب اسماء الرجال میں یحییٰ بن ایوب العلاف اور یحییٰ بن ایوب الغافقی دونوں کو ”علاف“ اور ”غافقی“ کے الفاظ میں ممتاز کر کے الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ احتمال کہاں سے پیدا ہو گیا؟ دیکھئے تہذیب المعاد جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۵ پر یحییٰ بن ایوب العلاف کا تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے۔

يحيى بن ايوب بن بادي الخولاني العلاف روى عن ابي صالح عبد الغفار بن داود و عمرو بن خالد الهرازي ويحيى بن عبد الله بن بكر و سعيد بن ابي مريم قال نسائي: صالح

اس عبارت میں یحییٰ بن ایوب العلاف کا نسب مذکور ہے اور ساتھ ہی ان کے شیوخ میں سعید بن ابی مریم کا نام بھی لکھا ہے۔ جن سے انہوں نے زیر بحث حدیث کو روایت کیا ہے اور امام نسائی کی توثیق منقول ہے اور توثیق کے سوا کسی کی کوئی جرح منقول نہیں۔ اس کے بعد اگلے صفحہ ۱۸۶ پر یحییٰ بن ایوب الغافقی کا تذکرہ ہے۔ ان کے شیوخ میں سعید بن ابی مریم مذکور نہیں۔ ان کے متعلق بعض کی توثیق اور بعض کا تخطیہ طویل عبارت میں بالتفصیل منقول ہے۔ تھانوی صاحب کا بلا دلیل نہیں بلکہ خلاف دلیل ”علاف“ کے بارے میں ”غافقی“ کا احتمال پیدا کرنا دیانت اور انصاف کا خون نہیں تو اور کیا ہے؟

آگے چل کر تھانوی صاحب نے فرمایا

دوسرے ایک راوی خالد بن زید ہیں یہ بھی غیر منسوب ہیں اس نام کے رواقہ میں سے ایک کی عادیۃ ارسال کی ہے اور یہاں معنی ہے۔ جس میں راوی کے متروک ہونے کا اور اس متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔ آٹھلی (بوادرالنوادر جلد اول صفحہ ۲۰۵)

حدیث معنعن پر کلام

اقول: تھانوی صاحب کے یہ تمام احتمالات بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔ ورنہ حدیث معنعن کا مطلقاً ساقط الاعتبار ہونا لازم آئے گا۔ خالد بن زید نام کے کسی راوی میں ارسال کی عادت کا پایا جانا زیر نظر راوی کو متعین نہیں کرتا اور اگر بالفرض تعین ہو بھی جائے تو ارسال اتصال کے منافی نہیں تا وقتیکہ معنعن (بالکسر) کا مدلس ہونا ثابت نہ ہو اور راوی و مروی عنہ کی لقاء کا امکان منطقی نہ ہو جائے۔ تدریب الراوی میں ہے۔

۱۔ فروع: احدها الاستناد المعنعن وهو قول الراوی (فلاں عن فلاں بلفظ عن من غیر بیان التحديث والاخبار والسماع (قيل انه مرسل) حتی یتبین اتصاله (والصحيح الذي عليه العمل وقاله الجماهير من اصحاب الحديث والفقه والاصول انه متصل) بشرط ان لا يكون المعنعن بكسر العين مدلس بشرط امكان لقاء بعضهم بعضا ی لقاء المعنعن من روی عنه بلفظ عن فحينئذ يحكم بالاتصال الا ان یتبین خلاف ذلك انتهى (تدریب الراوی ص ۱۳۲)

یہ عبارت اس مضمون میں صریح ہے کہ عنعنہ میں اگر راوی کا مروی عنہ سے امکان لقا پایا جائے اور معنعن مدلسی نہ ہو تو وہ حدیث متصل مانی جائے گی۔ تا وقتیکہ اس کا خلاف ظاہر نہ ہو۔ اگر تھانوی صاحب میں ہمت تھی تو وہ کسی دوسرے طریق سے اس کا خلاف ثابت کرتے محض کسی ہم نام راوی کی عادت ارسال کا دعویٰ اس حدیث کے ساقط الاعتبار ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

ارسال اور تدلیس کا فرق

علاوہ ازیں یہ کہ تھانوی صاحب نے ارسال کو اتصال کے منافی قرار دیا تھا۔ مگر عبارت منقولہ بالا سے ثابت ہو گیا کہ تدلیس اتصال کے منافی ہو سکتی ہے۔ محض ارسال کو اس کے منافی قرار دینا غلط ہے۔ ممکن ہے تھانوی صاحب ارسال ہی کو تدلیس سمجھتے ہوں۔ تو واضح رہے کہ تدلیس و ارسال ایک نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ تدریب الراوی صفحہ ۱۴۰۔

(تدلیس الاستناد بان روی عن عاصره) زاد ابن صلاح اولقیہ (مالہ یسمعه) بل سمعه من رجل عنه (موہما سماعه) حیث اورد بلفظ یوہم الاتصال ولا تقتضیه اور ارسال کے معنی ہیں ان الارسال روايته عن لم یسمع منه صفحہ ۱۴۰

معلوم ہوا کہ تدلیس اور ارسال دونوں الگ الگ ہیں۔ عنعنہ میں تدلیس مضرب ہے ارسال مضرب نہیں۔ لہذا تھانوی صاحب کے وہ تمام احتمالات جو بلا دلیل محض ان کے ظن فاسد کی بناء پر پیدا ہوئے تھے لغو اور بے بنیاد ہو کر رہ گئے۔

اس کے بعد تھانوی صاحب نے فرمایا ”تیسرے ایک راوی سعید بن ابی ہلال ہیں جن کو ابن حزم نے ضعیف اور امام احمد نے

مخلط کہا۔ وهذا كله من التقريب۔ پھر کئی جگہ اس میں معنعن ہے جس کے حکم بالاتصال کے لئے ثبوت تلاقی کی حاجت ہے، ”اہی
(بوادرالنوا در ص ۱۰۵، جلد اول)

اقول: معنعن کے مسئلہ میں تھانوی صاحب کا یہ کلام ہی غلط ہے کیوں کہ حدیث معنعن کے حکم بالاتصال کیلئے ثبوت تلاقی ضروری نہیں صرف
امکان تلاقی کافی ہے جیسا کہ تدریب الراوی سے نقل کر چکا ہوں۔ (وبشرط امکان لقاء بعضهم بعضاً) تدریب الراوی صفحہ ۱۳۲
تیسرے راوی سعید بن ابی ہلال جن کی تضعیف تھانوی صاحب نے ابن حزم سے نقل کی ہے تو مجھے حیرت ہے کہ تھانوی
صاحب نے تضعیف تو دیکھ لی۔ مگر توثیق انہیں نظر نہ آئی۔ ذرا میزان الاعتدال اٹھا کر دیکھئے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

(سعید بن ابی ہلال) ثقة معروف في الكتب الستة يروي عن نافع و نعيم المجرم و عنه سعيد المقبري
احد شیوخہ قال ابن حزم و حده ليس بالقوي) (میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۳۹۳)

ناظرین کرام غور فرمائیں جو راوی کتب ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ) میں معروف اور ثقہ ہو اور اس کے
بعض شیوخ بھی اس سے روایت کرتے ہوں اسے ابن حزم کے قول کی آڑ لے کر متروک قرار دے دیا یا تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟
اگر ابن حزم کا قول تھانوی صاحب کے نزدیک ایسا ہی معتبر ہے تو انہیں جامع ترمذی سے بھی ہاتھ اٹھالینا چاہیے۔ کیونکہ ابن
حزم نے ترمذی کو مجہول کہا ہے۔

(كما ذكر في مائتين اليه الحاجة صفحة ۲۵ عن التعليق الممجد ناقلا عن الذهبي)
آخر میں اتنی بات عرض کروں گا کہ حدیث زیر بحث کے متعلق حافظ منذری کا یہ قول کہ رواہ ابن ماجہ بسند جید تھانوی
صاحب کے تمام احتمالات واہیہ کا قلع قمع کر دیتا ہے اور اس بحث میں ان کی پوری دردسری کو مہمل اور بیکار بنا کر چھوڑ دیتا ہے
کیونکہ تھانوی صاحب کے کسی احتمال میں ذرا بھی جان ہوتی یا ان کی تضعیف منقول میں کچھ بھی قوت پائی جاتی تو ایک عظیم و جلیل
محدث اس کے بارے میں بسند جید کے الفاظ نہ بولتا۔ شاید کوئی کہے کہ وہ کوئی اور سند ہوگی۔ تو میں عرض کروں گا کہ سند جید سے
کسی اور سند کا مراد ہونا ہمارے لئے حریہ تقویت کا موجب ہے۔ کیونکہ تعدد طرق زیادتی قوت کا موجب ہے۔ بالخصوص ایسی
صورت میں جب کہ سند بھی سند جید ہو۔

ناظرین کرام نے تھانوی صاحب کی تحقیق کو ہمارے کلام سے ملا کر اندازہ کر لیا ہو گا کہ ان کی تحقیق کہاں تک تحقیق
کہلائے جانے کی مستحق ہے؟

آگے چل کر تھانوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔ ”یہ تو مختصر کلام ہے سند میں باقی رہا متن“ سو اولاً معارض ہے دوسری احادیث
صحیحہ کے ساتھ چنانچہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود یہ حدیث ہے۔

قال رسول الله ﷺ ان لله ملكة سياحين في الارض يبلغون من امتي السلام

اور یہی حدیث حسن حصین میں بحوالہ مستدرک حاکم وابن حبان بھی مذکور ہے اور نیز مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت ابو ہریرہ حدیث ہے۔

قال رسول الله ﷺ من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على نائبا ابلغته

اور نسائی کی کتاب الجمعہ میں بروایت اوس ابن اوس یہ حدیث مرفوع ہے

”فان صلواتکم معروضۃ علی“ یہ سب حدیثیں صریح ہیں عدم السماع عن بعید میں اور ظاہر ہے کہ جلاء الافہام ان کتب کے برابر قوت میں نہیں ہو سکتی لہذا اقویٰ کو ترجیح ہوگی۔ (بوادرالنوادر جلد اول صفحہ ۲۰۵)

اقول: سند میں جو کلام فرمایا تھا اس کی حقیقت واضح ہو چکی اب متن میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا حال بھی ناظرین پر کھل جائے گا۔
دور سے سننے کی بحث

تھانوی صاحب کے اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جلاء الافہام کی حدیث بلغنی صوتہ حیث کان ان تینوں صحیح حدیثوں کے معارض ہے جو تھانوی صاحب نے نقل فرمائی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جلاء الافہام کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ایک درود پڑھنے والے کے درود کی آواز سن لیتے ہیں۔

اور ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ درود جو دور سے پڑھا جائے اسے حضور کے سامنے فرشتے پیش کرتے ہیں۔ فرشتوں کا عرض و ابلاغ عدم سماع میں صریح ہے اور سماع عدم سماع کے معارض ہے لہذا جلاء الافہام کی حدیث ان تینوں صحیح حدیثوں کے معارض قرار پائی یہ تینوں حدیثیں جن کتابوں میں پائی جاتی ہیں چونکہ جلاء الافہام ان کے برابر قوت میں نہیں لہذا ان ہی تینوں حدیثوں کو ترجیح ہوگی جو اقویٰ ہیں اور جلاء الافہام کی حدیث ساقط الاعتبار ہوگی۔ میں عرض کروں گا کہ نسائی اور دارمی کی حدیث بروایت ابن مسعود ”ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغون من امتی السلام“ اور اسی طرح نسائی کی دوسری حدیث بروایت اوس بن اوس ”فان صلواتکم معروضۃ علی“ میں صرف اتنا مذکور ہے کہ ملائکہ سیاحین فی الارض حضور ﷺ کی خدمت میں امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور امت کا درود بارگاہ رسالت میں پیش ہوتا ہے ملائکہ کے اس عرض و تبلیغ کو تھانوی صاحب کا عدم سماع میں صریح قرار دینا یقیناً ظلم صریح ہے کیونکہ سلفاً نہایت تفصیل کے ساتھ ہم یہ بیان کر چکے ہیں۔ کہ عرض و تبلیغ کا علم اور لاعلمی ”سماع“ یا عدم سماع سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ فیض الباری کی عبارت ناظرین کے سامنے آ چکی ہے۔ جسمیں صاف موجود ہے کہ عرض صلوٰۃ علم کے منافی نہیں۔

ایک فرشتہ ساری مخلوق کی آوازیں سنتا ہے

پھر جذب القلوب اور جلاء الافہام سے ایک حدیث ہدیہ ناظرین ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”من صلی علی عند قبری و کل اللہ بہ ملکاً یبلغنی“ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے میری قبر انور پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے جو اس کا درود مجھے پہنچا دیتا ہے۔ اگر تبلیغ ملائکہ عدم سماع میں صریح ہو تو اس حدیث سے لازم آئے گا کہ جو درود قبر

انور پر پڑھا جاتا ہے۔ حضور ﷺ اسے بھی نہیں سنتے جو بالاتفاق باطل ہے۔ جب یہ فرشتوں کا پہنچنا عدم سماع کے معنی میں نہ ہو تو تعارض باقی نہ رہا۔ عدم تعارض کی صورت میں ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رعی حدیث بیہقی بروایت ابو ہریرہ جسے تھانوی صاحب نے مشکوٰۃ شریف سے نقل فرمایا ہے تو درحقیقت اس مسئلہ میں تھانوی صاحب کے استدلال کی جان بھی ایک حدیث ہے۔

تھانوی صاحب کی پیش کردہ حدیث پر کلام

جس طرح تھانوی صاحب نے ہماری پیش کردہ حدیث کی سند پر اور متن پر کلام کیا ہے۔ ہمیں بھی حق حاصل ہے کہ تھانوی صاحب کے دعویٰ کی بنیادی حدیث کے متن و اسناد پر ہم بھی کلام کریں۔ متن حدیث پر ہمارا کلام گذشتہ صفحات پر ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا۔ اب اس کی اسناد پر کلام کرتے ہیں۔

تھانوی صاحب نے بیہقی کی اس حدیث کو بروایت ابو ہریرہ مشکوٰۃ سے نقل کیا ہے۔ جس میں سند مذکور نہیں ہے۔ ہم اس حدیث کو خود امام بیہقی کی تصنیف رسالہ ”حیۃ الانبیاء“ سے مع سند نقل کرتے ہیں۔ اور امام بیہقی نے میزان کے رسالہ ”حیۃ الانبیاء“ کے شارح نے اس کی سند پر جو کلام کیا ہے۔ اسے بھی بلفظ نقل کرتے ہیں۔

اخبرنا علی بن محمد بن بشر ان انباء ابو جعفر الرازی ثنا عیسیٰ بن عبد اللہ الطیالسی ثنا العلاء بن عمرو و الحنفی ثنا ابو عبد الرحمن عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نایا ابلغته۔ ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدی فیما اری و فیہ نظر (رسالہ حیات الانبیاء للبیہقی صفحہ ۱۲)

حدیث حضرت ابو ہریرہ پر امام بیہقی کی جرح

دیکھئے امام بیہقی نے اس حدیث کے راوی ابو عبد الرحمن کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ میرے نزدیک ابو عبد الرحمن ہی محمد بن مروان سدی ہے اور اس میں نظر ہے و فیہ نظر الفاظ جرح میں سے ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۱۲ (طبع مصر)

حدیث ابو ہریرہ پر شرح حیات الانبیاء کی جرح

اس حدیث کے تحت محمد بن محمد انجلی الیوسنوی شارح حیات الانبیاء فرماتے ہیں

حدیث ابی ہریرۃ هذا نسبه السیوطی فی الخصائص الکبریٰ الی الاصبہانی فی الترغیب والترہیب و نسبه فی الجامع الصغیر الی البیہقی و محمد بن مروان السدی الصغیر ضعیف اتهم بالکذب و قد ذکر الحافظ الذہبی هذا الحدیث فی میزان الاعتدال فی ترجمة السدی المذكور (حیات الانبیاء للبیہقی مع شرح صفحہ ۱۲)

ترجمہ: ابو ہریرہ کی اس حدیث کو سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اصبہانی کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”الترغیب والترہیب“ میں اس کی روایت کی ہے اور جامع صغیر میں بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے اور ابو عبد الرحمن محمد بن مروان السدی الصغیر ضعیف

ہے۔ مہتمم بالکذب ہے اور حافظ ذہبی نے اس حدیث (ابو ہریرہ) کو میزان الاعتدال میں اسی سدی مذکور کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔

ناظرین کرام غور فرمائیں۔ تھانوی صاحب کے دعوے کی سب سے بڑی دلیل حدیث ابو ہریرہ تھی۔ جس کی سند کا یہ حال ہے کہ اس کے راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مروان السدی الصغیر پر خود امام بیہقی نے وہیہ نظر کہہ کر جرح کی پھر ان کے رسالہ حیات الانبیاء کے شارح نے اسے ضعیف اور مہتمم بالکذب کہا اور امام ذہبی کے حوالہ سے یہ بتایا کہ انہوں نے میزان الاعتدال میں اسی کے تذکرہ میں تھانوی صاحب کی پیش کردہ حدیث کو ذکر کیا ہے۔

حدیث ابو ہریرہ پر امام ذہبی کی جرح

اب میزان الاعتدال اصل کتاب کو ملاحظہ فرمائیے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔ (محمد بن مروان) السدی الکوفی وهو السدی الصغیر عن هشام بن عروہ و الاعمش ترکوه واتهمہ بعضهم بالکذب وهو صاحب الکلبی قال البخاری سکتوا عنه وهو مولی الخطابیین لا یکتب حدیثہ البتہ وقال ابن معین لیس بثقة وقال احمد ادرکنہ وقد کبر فترکنہ قال العلاء بن عمرو الحنفی حلتنا محمد بن مروان عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ مرفوعا من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائبا ابلغته انتہی (میزان الاعتدال جلد ثالث صفحہ ۱۳۲ طبع مصر)

محمد بن مروان السدی کوئی ہے اور وہ سدی صغیر ہے وہ هشام بن عروہ اور اعمش سے روایت کرتا ہے۔ محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے اور بعض نے اسے مہتمم بالکذب کہا اور وہ صاحب کلبی ہے۔ بخاری نے کہا۔ سکتوا عنه اور وہ مولیٰ خطابیین ہے اس کی حدیث یقیناً نہیں لکھی جاتی اور ابن معین نے کہا وہ ثقہ نہیں ہے۔ امام احمد نے کہا میں نے اسے پایا وہ بوڑھا ہو گیا تھا میں نے اسے ترک کر دیا۔ علاء بن عمرو الحنفی نے کہا ہم سے محمد بن مروان نے حدیث بیان کی۔ اس نے اعمش سے روایت کی اعمش نے ابو صالح سے ابو صالح نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کی کہ جس نے میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر درود سے درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔ انتہی“ (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۳۲)

میزان الاعتدال سے علامہ ذہبی کا جو بیان ہم نے نقل کیا ہے۔ اس سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا کہ امام بیہقی نے فیما رآی فرمایا ہے جو تردد کا مظہر ہے میں عرض کروں گا کہ اگر فی الواقع یہ محل تردد ہوتا تو امام ذہبی اس کو ظاہر فرما دیتے لیکن انہوں نے اس کے ترجمہ میں یہی اسی روایت کو نقل کر کے اس شبہ کی جڑ کاٹ دی اور حقیقت حال کو بے نقاب کر دیا۔

ہمارے ناظرین نے تھانوی صاحب کی جرح بھی دیکھی۔ اب ان کی پیش کردہ روایت پر ہماری جرح بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ہماری پیش کردہ حدیث کی سند میں کسی راوی کو تھانوی صاحب مہتمم بالکذب ثابت نہیں کر سکے مگر ان کی پیش کردہ حدیث کی سند میں محمد بن مروان کو ہم نے مہتمم بالکذب ثابت کر دیا۔ اگرچہ جرح رواۃ کے باب میں صحت روایت کا معیار اپنے مسلک کی روشنی میں ہم نے یہاں بیان نہیں کیا لیکن تھانوی صاحب کے پیش کردہ معیار پر تو یقیناً محل گفتگو باقی نہیں رہا۔ اور یہ بات صاف ہو گئی کہ تھانوی

صاحب نے سمعہ کا ابلغتہ سے مقابل کر کے ابو ہریرہ کی جس حدیث کو عدم سماع میں صریح قرار دیا تھا۔ وہ حدیث صحیح نہیں اور اس کی صحت پر انہوں نے اپنے احتمالات اور تاویلات کی جتنی عمارت قائم کی تھی وہ سب منہدم ہو کر رہ گئی۔

اس کے بعد جناب تھانوی صاحب نے ثانی کی بجائے ثالثاً فرما کر ”بلغنی

صوتہ“ کو محتمل تاویل قرار دیا ہے۔ اور صوتہ کی تاویل صلوتہ کے ساتھ فرمائی ہے اور اس احتمال تاویل کی دلیل ان ہی احادیث منقولہ بالا کو قرار دیا ہے۔ لیکن ناظرین کرام نے سمجھ لیا ہو گا کہ احادیث منقولہ بالا احتمال تاویل کی دلیل اس وقت تک ہو سکتی ہیں۔ جبکہ تبلیغ و عرض ملائکہ عدم سماع پر مبنی ہو حالانکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ عرض و تبلیغ لاعلمی کو مستلزم نہیں۔ حضور ﷺ قبر انور کا درود سماع فرماتے ہیں اور ملائکہ کی تبلیغ بھی بارگاہ رسالت میں پیش ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں کا درود و سلام بارگاہ اقدس میں پہنچانا یا پیش کرنا علم و سماع کے منافی نہیں۔

جب یہ منافات ختم ہو گئی تو ان احادیث کا احتمال تاویل کے لئے دلیل قرار پانا بھی ختم ہو گیا۔ جب دلیل نہ رہی تو احتمال تاویل خود باطل ہو گیا۔ ایسی صورت ”بلغنی صوتہ کو بلغنی صلوتہ کے ساتھ مؤول کرنا قطعاً باطل قرار پایا۔

جواب لکھنے کے بعد تھانوی صاحب اس حدیث کا ایک اور جواب تحریر فرماتے ہیں بعد تحریر جواب ہذا ابلاتو سطر فکر قلب پر وارد ہوا کہ اصل حدیث میں صوتہ نہیں ہے بلکہ صلوتہ ہے کاتب کی غلطی سے لام رہ گیا ہے۔

اقول: یہ جواب واقعی بہترین جواب ہے کیونکہ اس پر کسی قسم کا نقص منع یا معارضہ وارد نہیں ہو سکتا۔ الہامات کا جواب الہام ہی سے ہو سکتا ہے۔ ہمیں اب تک اس باب میں کوئی الہام نہیں ہوا۔ مگر تھانوی صاحب کے جواب کی داد دیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ کہ جب کسی بات کا جواب نہ ہو سکے تو اسے کاتب کی غلطی قرار دے کر اپنے الہام کو اس کی دلیل میں پیش کر دیا جائے۔

سمع و بصر خارق للعادة

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے خارق للعادة سننے اور دیکھنے کا انکار اس قدر شدت کے ساتھ کیوں کرتے ہیں۔ جب کہ عام اولیاء کرام جو قرب نوافل کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کیلئے بخاری شریف کی حدیث میں وارد ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ الَّذِي نُبْصِرُ بِهِ

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فاذا صار نور جلال اللہ سمعاً له سمع القريب والبعد واذا صار ذلك النور بصراً له رأى القريب والبعد (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۶۸۸ طبع مصر)

اللہ کے جلال کا نور جب بندے کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دور کی چیزوں کو سنتا ہے اور یہی نور جلال جب بندے کی بصر ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دور کی چیزوں کو دیکھتا ہے۔

دور کی چیزوں کو دیکھنا اور سننا جب اولیاء کرام کے لئے دلیل شرعی سے ثابت ہے تو نبی کریم ﷺ جو ولایت کاملہ کی صفت سے

متصف ہیں، کی ذات مقدر سے یہ کمال کیسے منفی ہو سکتا ہے؟

گذشتہ صفحات میں ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی قبر انور پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا۔ جسے تمام مخلوقات کی آوازیں سننے کی طاقت دی گئی ہے۔ وہ سب کا درود سنتا ہے اور بارگاہ اقدس میں پہنچاتا ہے۔ تمام آوازوں کو سننے کی صفت اگر غیر اللہ کیلئے محال قرار دی جائے تو آخر فرشتہ بھی تو غیر اللہ ہے۔ اس کو یہ صفت کیسے عطا ہوگئی اور اگر ممکن ہے تو رسول اللہ ﷺ کے حق میں اس امکان کا عقیدہ کیوں ضلالت قرار پایا حالانکہ حضور ﷺ کیلئے ایسے باطنی کان اور آنکھیں ثابت ہیں جو ماورائے عالم اجسام کا ادراک کرتے ہیں۔

باطنی آنکھیں اور کان

دیکھئے جب حضور ﷺ کا شق صدر مبارک ہوا تو جبرائیل علیہ السلام نے قلب انور کو زم زم کے پانی سے دھوئے ہوئے فرمایا۔

قلب سدید فیہ عینان بصران واذنان سمعان (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۱۰۴)

اس قلب اطہر میں دو آنکھیں ہیں جو دیکھتی ہیں دو کان ہیں جو سنتے ہیں۔

قلب اطہر کے ان کانوں اور آنکھوں کا دیکھنا اور سننا عالم محسوسات سے وراء الوراۃ خرق عادت کے طور پر ہے۔ جیسا کہ خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

انی اری مالا ترون واسمع مالا تسمعون

دائمی سمع و بصر

قلب اطہر کی سمع و بصر عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے۔ اس لئے کہ جب ظاہری سمع و بصر کی بینائی اور شنوائی عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے تو قلب اطہر کی یہ صفت بطریق اولیٰ دائمی ہوگی۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوة میں فرماتے ہیں

”بدانکہ وے ﷺ مے بیند وے شنود کلام ترا زیرا کہ وے متصف است بصفات اللہ تعالیٰ ویکے از صفات الہی است کہ ”اننا

جلیس من ذکونی“ مرتبہ برارہ ﷺ نصیب وافر است ازیں صفت (مدارج النبوة جلد دوم ص ۷۸)

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ تجھے دیکھتے ہیں اور تیرا کلام بھی سنتے ہیں۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ متصف ہیں اللہ تعالیٰ کی

صفات کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرے اور

آنحضرت ﷺ کو اس صفت سے پورا پورا حصہ ملا ہے۔

یہ عبارت بھی اس باب میں صریح ہے کہ نبی اکرم ﷺ دور و نزدیک کی سب آوازوں کو سنتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تھانوی

صاحب کے نزدیک درود شریف میں معاذ اللہ ایسی کون سی قباحت پائی جاتی ہے کہ حضور ﷺ سب آوازیں سنیں اور درود شریف ہی کی

آواز نہ سنیں؟

اس کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا بیان بھی سننے اور دیکھنے کے قابل ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آیت کریمہ.....وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں

”یعنی و باشد رسول شمار شما گواہ زیر ا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابیکہ بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او شناسد گناہان شمار او درجات ایمان شمار او اعمال نیک و بد شمار او اخلاص و اتفاق شمار الہذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است۔ (تفسیر عزیزی جلد اول ص ۵۸۹)

اس عبارات سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو نور نبوت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ یہ علم و ادراک اور تحمل شہادت و ادائے شہادت وغیرہ تمام امور اسی پر مبنی ہیں چونکہ نور نبوت دائمی ہے اور اس سے متعلقہ امور کی انجام دہی بھی عارضی نہیں۔ اس لئے حضور ﷺ کے اس باطنی دیکھنے اور سننے کو عارضی کہنا انتہائی نادانی ہوگا۔

جب علی الدوام و علی الاستمرار حضور ﷺ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور سب کچھ سن رہے ہیں تو قبر انور سے دور رہ کر جو شخص درود شریف پڑھے اس کے درود کا نہ سننا کیا معنی رکھتا ہے۔

محل سلیم کی روشنی میں بھی دور کے درود شریف سننے کا استحالة قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ قبر انور پر جو درود پڑھا جاتا ہے، اسے حضور ﷺ ضرور سنتے ہیں۔ اب ہمیں بتایا جائے کہ قبر انور پر درود پڑھنے والے کی آواز کس ذریعہ سے حضور ﷺ کو پہنچتی ہے۔ جس طرح عادی دور کی آواز کا حضور ﷺ تک پہنچنا محال عادی ہے بالکل اسی طرح قبر انور پر صلوٰۃ و سلام کا حضور ﷺ کی سمع اقدس تک پہنچ جانا بھی یقیناً محال عادی ہے کیونکہ قبر انور میں جس مقام پر رسول اللہ ﷺ جلوہ گر ہیں وہاں نہ دنیا کی کوئی ہوا پہنچ سکتی ہے۔ نہ عالم اسباب کے مطابق کسی آواز وغیرہ کا پہنچنا ممکن ہے۔ اس کے باوجود بھی حضور ﷺ قبر انور پر درود و سلام کی آوازیں سن لیتے ہیں تو اگر اسی طرح بید کی آوازیں بھی سن لیں تو کون سا استحالة لازم آتا ہے؟

سمع و بصر، تصرف و ادراک دلیل حیات ہے

الغرض سمع و بصر علم و ادراک بغیر حیات کے ممکن نہیں حیات ہی ایسی صفت ہے جو ان اوصاف کے وجود کا سبب ہے۔ اسی طرح تصرف و عمل بھی دلیل حیات ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے اعمال مثلاً نماز پڑھنا، حج کرنا، تبلیہ کہنا ملکوت سموات و الارض میں سیر کرنا اور تصرف فرمانا ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے۔ جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ بخاری شریف میں وادی ارزق کا واقعہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں۔ حیات کے بغیر یہ امور کس طرح انجام پذیر ہو سکتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام امور مذکورہ بالا سے متعلق احادیث و روایات کو جمع کر کے ارشاد فرمایا

فحصل من مجموع هذه النقول والا حادِث ان النبی ﷺ حی بجسده و روحه و انه يتصرف و يسیر حیث شاء اللہ فی اقطار الارض و فی الملكوت و هو بهیثہ الی کان علیہا قبل و فانه لم يتبدل منه شیء و انه مغیب عن الابصار كما غیبت الملائکة مع کو نهم احیاء باجسادهم فاذا اراد اللہ رفع الحجاب عن اراد کر امه برؤیتہ رآه علی ہیثہ الی

هو عليها لامانع من ذلك ولا داعي الى التخصيص برؤية المثال (الحاوی للفتاویٰ جلد ۲ ص ۲۶۵)

ان نقول اور احادیث کے مجموعہ کا ماحصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے جسم اقدس اور روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ تصرف فرماتے ہیں اور اقطار زمین و عالم ملکوت میں جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں اور اپنی اسکی ہیئت پر ہیں۔ جس پر وفات سے پہلے تھے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور یہ کہ حضور ﷺ ہماری آنکھوں سے اس طرح غائب کر دیئے گئے جس طرح فرشتے اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی رویت کے ساتھ کسی کو عزت و اکرام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس حجاب کو اٹھا لیتا ہے اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے جس پر حضور ہیں۔ کوئی امر اس سے مانع نہیں ہے اور رویت مثال کی تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں یہ شبہ وارد نہ کیا جائے کہ اگر یہ رویت حضور ﷺ کی ذات مقدسہ کی واقعی رویت ہے تو لازم آتا ہے کہ دیکھنے والے سب صحابی ہو جائیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ جب عالم ملک سے عالم ملکوت کی طرف رحلت فرما گئے تو اب یہ رویت رویت ملکوتی ہوگی اور صحابیت کے لئے عالم ملک یعنی اس جہاں میں رویت معتادہ کے ساتھ دیکھنا شرط ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جواب کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے، جن میں یہ وارد ہوا کہ عالم ملکوت میں حضور ﷺ کی ساری امت حضور ﷺ کے سامنے پیش کی گئی۔ حضور ﷺ نے ساری امت کو دیکھا اور ساری امت نے حضور ﷺ کو دیکھا۔ اس کے باوجود بھی تمام امت کے لئے صحابیت ثابت نہیں ہوئی۔ صرف اس لئے کہ یہ رویت عالم ملکوت میں تھی جو صحابیت کا فائدہ نہیں دیتی۔ (دیکھیے الحاوی للفتاویٰ جلد نمبر ۲، ص ۲۶۵، ۲۶۶، طبع مصر)

حیات برزخی

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات پر جتنی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان سب سے حیات برزخی ثابت ہوتی ہے۔ حیات حقیقی جسمانی کا ثبوت نہیں ہوتا۔

میں عرض کروں گا کہ جس شخص نے حیات کے معنی کو صحیح طور پر سمجھ لیا۔ وہ یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ارواح تو پہلے ہی زندہ ہیں۔ اب وفات کے بعد اگر ان کی زندگی کا صرف یہی مفہوم ہو کہ عالم برزخ میں ان کی روہیں زندہ ہیں تو اس حیات بعد الوفات کا کوئی ماحصل نہیں نکلتا جب تک کہ حیات جسمانی کا قول نہ کیا جائے ہاں اس اعتبار سے اس کو برزخی کہہ سکتے ہیں کہ وہ انبیاء کرام و مقربین عظام جنہیں حیات حقیقی عطا ہوئی ہے عالم برزخ میں رونق افروز ہیں اور برزخ ان کی ذوات قدسیہ اور حیات طیبہ کے لئے بمنزلہ ظرف مکان کے ہے۔

بعد الموت انبیاء لوازمات حیات سے خالی ہوتے ہیں؟

اگر انبیاء علیہم السلام کی زندگی حقیقی اور جسمانی ہو تو اس کے لوازمات کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ قاعدہ ہے۔ اذا ثبت الشیء ثبت بجمیع لوازمہ لیکن یہ حقیقت ناقابل انکار ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے جسمانی اور حقیقی زندگی کے لوازمات بالکل منقہ ہیں۔ نہ وہ جسمانی غذا کھاتے ہیں نہ ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ نہ پانی پیتے ہیں نہ ان کا جسم متحرک ہوتا ہے نہ کسی قسم کا جسمانی فعل ان سے سرزد ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حقیقی اور جسمانی حیات کیسے تسلیم کی جائے؟

اس اعتراض کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے دعویٰ یہ کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد کریمہ مع ارواح طیبہ کے بلا شائبہ مجاز حقیقتاً زندہ ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ہم انہیں عالم برزخ میں بھی تسلیم کرتے ہیں اور حیات حقیقی جسمانی کے لوازمات و مناسبات ہر عالم میں یکساں نہیں ہوا کرتے عالم کے بدل جانے سے لوازمات و مناسبات کی نوعیت میں بھی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

لوازمات حیات ہر عالم میں متفاوت ہوتے ہیں

دیکھئے بچہ پیدا ہونے سے پہلے ماں کے پیٹ میں جسمانی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہوتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد بھی وہ زندہ رہتا ہے لیکن دونوں حالتوں میں لوازمات حیات یکساں نہیں۔ باوجودیکہ حیات ہر حال میں یکساں ہے۔ بس اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی حیات کو بھی سمجھ لیجئے کہ وہ قبل الوفا اور بعد الوفا دونوں حالتوں میں حقیقی جسمانی ہے لیکن دنیا میں اور برزخ میں لوازمات حیات یکساں نہیں ہیں عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام اور شہداء کرام رزق دیئے جاتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ فرحت و سرور پاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تمام لوازمات و مناسبات حیات حقیقی انہیں حاصل ہیں لیکن ان کی نوعیت اسی طرح بدلی ہوئی ہے۔ جس طرح پیدا ہونے والے بچے کے لوازمات حیات کی نوعیت ماں کے پیٹ میں اور پیدائش کے بعد اس عالم میں بدلی ہوئی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے لوازمات حیات

اس سے بھی زیادہ روشن مثال عیسیٰ علیہ السلام کا وجود گرامی ہے کہ وہ بالاتفاق اور بلا جحاج اب تک آسمانوں پر زندہ ہیں اور اسی جسمانی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ جو انہیں دنیا میں حاصل تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ آسمانوں پر ان کیلئے وہ لوازمات حیات مفقود ہیں۔ جو اس عالم میں حاصل تھے۔ مثلاً دنیاوی غذا کھانا، پانی پینا دنیاوی لباس وغیرہ پہننا وغیرہ۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کیلئے اس عالم دنیا کے لوازمات کے بغیر آسمانوں پر حیات حقیقی جسمانی حاصل ہے تو دیگر انبیاء علیہم السلام و شہداء کرام کو عالم برزخ میں لوازمات دنیویہ کے بغیر جسمانی حقیقی حیات کیوں حاصل نہیں ہو سکتی۔

اصل بات یہ ہے کہ جسم کے ساتھ روح کا تعلق جو حیات جسمانی کیلئے سبب ظاہری ہے ہر عالم میں یکساں نہیں ہوتا جیسا عالم ہو گا۔ جسم کے ساتھ روح کا تعلق بھی ویسا ہی ہو گا۔ تعلق روح کی نوعیت بدلنے سے لوازمات کی نوعیت بدل جاتی ہے لیکن سطحی نظر رکھنے والے لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر حقیقت ثابتہ کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔

حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر اجمالی نظر

انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اور متعلقہ مسائل پر تفصیلی گفتگو ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے اب اس مسئلہ کو ایک اجمالی نظر کے ضمن میں ہم اپنے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ”كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ کے پیش نظر انبیاء علیہم السلام قانون موت سے مستثنیٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ ”اَنْك مِيتٌ وَ اَنْهُمْ مِيتُونَ“ رسول ﷺ کے ارشاد فرمایا۔ انی مقبوض بنابرین جو شخص انبیاء علیہم السلام کے حق میں موت اور قبض روح کا مطلقاً انکار کرے، وہ نصوص قرآنیہ اور احادیث متواترہ کا منکر دارہ اسلام سے قطعاً خارج ہے۔

موت اور قبض روح کے معنی

انبیاء علیہم السلام کی موت اور قبض روح کے معنی مطلقاً یقیناً وہی ہیں جو آج تک ساری امت نے سمجھے۔ یعنی بدن اقدس سے روح مبارک کا نکل کر رفیق اعلیٰ کی طرف جانا انبیاء علیہم السلام کی موت ہے پھر اس کے بعد ان کی حیات کے معنی یہ ہیں کہ اجساد مقدسہ سے باہر نکلی ہوئی ارواح طیبہ اپنے تمام اوصاف و کمالات سابقہ کے ساتھ رفیق اعلیٰ سے دوبارہ اجسام شریفہ میں لوٹ آتی ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ان کی حیات اور آثار حیات عادیہ ہم سے مستور رہتے ہیں اور ہماری نظروں سے وہ اس طرح غائب کر دیئے جاتے ہیں۔ جس طرح ملائکہ ہماری نظروں سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔

پھر خاص طور پر نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے بارے میں حرید اتنی بات کہنی پڑے گی کہ حضور ﷺ کا وصف حیات بالنسبہ الی الامکنات بالذات ہے اور یہ وصف حضور ﷺ کے فضائل و کمالات میں سے ہے۔ لہذا کسی دوسرے کیلئے حیات بالذات کا وصف ثابت نہیں۔

اجمالی نظر کی تفصیلی جھلک

اس اجمالی نظر کی تفصیلی جھلک سامنے لانے سے پہلے ہم اپنے ناظرین کرام کو یاد دہانی کرانا چاہتے ہیں کہ گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حقیقی نبوت و رسالت کا وصف نبی کے جسم و روح دونوں کے مجموعے کیلئے حاصل ہے۔ خالی جسم اور فقط روح کے لئے حقیقی نبوت و رسالت کا وصف حاصل نہیں۔ خالی جسم سے مراد وہ جسم ہے جس میں نہ روح ہو نہ حیات اگر کسی جسم سے روح نکل گئی ہو لیکن اس میں حیات حقیقی موجود ہو تو اس جسم کو خالی جسم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس پر بھی مجموعہ کا حکم لگایا جائے گا۔ اس لئے کہ روح کا اصل مفاد حیات کے سوا کچھ نہیں جب حیات موجود ہے۔ تو گویا روح موجود ہے۔

اس کے ساتھ ہی اتنی بات اور بھی شامل کر لیجئے کہ موصوف کے بغیر صفت کا وجود ایسا ہی ہے جیسے کہ عین کے بغیر معنی یا جوہر کے بغیر عرض۔

سب جانتے ہیں کہ رسالت و نبوت صفت ہے اور نبی و رسول موصوف جب موصوف کے بغیر صفت کی بقاء محال ہے تو نبی اور رسول کے وفات پا جانے کے بعد اس کی نبوت و رسالت کیونکر باقی (۱) رہے گی۔ حالانکہ ہر نبی کی نبوت اس کی وفات کے بعد باقی رہتی ہے۔ بالخصوص ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت تو قیامت تک باقی رہے گی کیونکہ حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ اس اشکال کا حل بعض لوگوں نے یوں پیش کیا کہ نبوت و رسالت روح کی صفت ہے اور وفات کے بعد روح باقی ہے۔ لہذا نبوت و رسالت بھی باقی ہے لیکن ہم بتا چکے ہیں کہ روح نبی کی نبوت حکمی ہے حقیقی نہیں۔ اور ہمارا کلام حقیقی وصف نبوت و رسالت میں ہے۔

بعض بد مذہب لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ حقیقی وصف نبوت و رسالت حضور ﷺ کی حیات دنیوی تک تھا۔ وفات کے بعد حکمی رسالت باقی رہ گئی لیکن اہل حق جمہور امت مسلمہ کا مذہب مہذب یہی ہے کہ بعد الوفات بھی نبی کی حقیقی نبوت و رسالت باقی رہتی ہے۔ اس قول پر مذکورہ بالا اشکال بہت قوی ہو جاتا ہے۔

اس قول کے قائلین کے ایک گروہ نے موت اور قبض روح کے معنی میں تصرف کیا اور یہ کہا کہ نبی کی موت کے وقت اس کی روح قبض ہو کر بدن سے باہر نہیں نکلتی بلکہ اسے سمیٹ کر نبی کے قلب مبارک میں محفوظ و مستور کر دیا جاتا ہے۔ پھر بعد از دفن اسے تمام جسم میں پھیلا یا دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح نبی جسم اور روح کا مجموعہ ہی رہتا ہے۔ اس کی حقیقی نبوت و رسالت بھی باقی رہتی ہے اور وہ بعد الوفات اپنی قبر میں زندہ بھی رہتا ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی موت کے یہ معنی بیان کرنا کہ ان کی روہیں ان کے ابدان شریفہ سے باہر نہیں نکالی جاتیں بلکہ انہیں سمیٹ کر اور قبض کر کے ان کے قلوب مبارک کے اندر ہی محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ قطعاً غلط اور باطل محض ہے۔

موت اور قبض روح کے الفاظ قرآن و حدیث میں وارد ہیں۔ الفاظ قرآن و حدیث کے ایسے معنی بیان کرنا جو نہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہوں نہ صحابہ کرام سے نہ امت مسلمہ میں سے کسی نے وہ معنی بیان کئے ہوں ایسے معنی الفاظ قرآن و حدیث کے بیان کرنا بہت بڑی جرأت اور دین میں فتنہ عظیم کا دروازہ کھولنا ہے درحقیقت اسی کا نام بدعت سیئہ ہے جس کے متعلق ارشاد ہوا

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

آب حیات میں یہی مسلک اختیار کیا گیا ہے اور روشن طرائق پر ہانڈی رکھے کی مثال دی گئی ہے۔ (دیکھئے آب حیات ص ۱۶۰)

ہمارا مسلک

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر نبی کی روح مبارک عند الوفات جسم شریف سے قبض ہو کر باہر نکلتی ہے اور رفیق اعلیٰ کی طرف جاتی ہے۔ جیسا کہ صحیحین و دیگر کتب حدیث میں وارد ہے کہ وفات شریف کے وقت رسول اللہ ﷺ کا آخری کلام ”اللّٰهُمَّ الرَّفِیقُ الْاَعْلٰی“ تھا۔ چنانچہ علماء محدثین نے اسی حدیث کو ارواح انبیاء علیہم السلام کے اعلیٰ علیین کی طرف صعود کرنے کی دلیل ٹھہرایا ہے۔

اشکال کا حل

رہا اشکال مذکور تو اس کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ ہم قبض روح اقدس کا اعتقاد رکھنے کے باوجود یہ سمجھتے ہیں

کہ حضور ﷺ کا جسم اقدس کسی وقت ایک آن کیلئے بھی حیات حقیقی سے خالی نہیں ہوا حتیٰ کہ جب روح اقدس قبض ہو رہی تھی اس وقت بھی جسم اقدس میں حیات حقیقی موجود تھی۔ روح اقدس قبض ہونے کے بعد بھی بدن مبارک متصف بحیات حقیقی تھا اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جسم اقدس میں حیات کا رہنا حقیقی نبوت و رسالت کیلئے کافی ہے رہا یہ امر کہ قبض روح کے وقت بھی حضور ﷺ کا جسم مبارک حیات سے خالی نہیں ہے یہ مستلزم ہے بیک وقت موت اور حیات کے اجتماع کو جو صراحۃً باطل ہے۔

تو اس کا جواب پچھلے صفحات میں نہایت تفصیل سے گزر چکا ہے کہ جسم سے روح کا نکلنا موت عادی ہے اور جسم میں ایسی صفت کا پایا جانا جو سمع و بصر ادراک و احساس کیلئے معجزہ ہو حیات حقیقی ہے اور یہ ممکن بلکہ واقع ہے کہ روح کے بغیر حیات پائی جائے کیونکہ روح اور حیات کے درمیان ملازمت عادیہ ہے عقلیہ نہیں لہذا ممکن ہے کہ قبض روح کے باوجود خرق عادت کے طور پر جسم میں احساس و ادراک پایا جائے اس کے نظائر و شواہد ہم تفصیل کے ساتھ پیش کر چکے ہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ کے متعلق مدارج النبوة جلد دوم ص ۵۶۸ سے ایک روایت ہدیہ ناظرین کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قبر انور میں رونق افروز ہوئے تو حضور ﷺ اپنے لب ہائے اقدس کو متحرک فرما کر دب امتنی امتنی فرما رہے تھے۔

علاوہ ازیں شق صدر مبارک کا واقعہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ اور ہمارے اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے۔ سب جانتے ہیں کہ روح حیات کا مستقر قلب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے دل کی حرکت بند ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کے سینہ مقدس کوئی الواقع چاک کیا گیا اور قلب اطہر کو جسم مبارک سے باہر نکالا گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ بلا معاونت آلات و اسباب عادیہ اسے شکاف بھی دیا گیا لیکن اس کے باوجود بھی حضور ﷺ جسمانی حیات کے ساتھ زندہ رہے کیونکہ شق صدر کے واقعہ کو آج تک کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں موت قرار نہیں دیا۔

حیات بعد الممات کی دلیل

شق صدر کے اس واقعہ میں حضور ﷺ کی حیات بعد الممات پر دلیل قائم کی گئی اور یہ دکھایا گیا کہ جس طرح قلب اقدس جسم مبارک سے باہر ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی جسم شریف زندہ ہے اسی طرح عند الوفات جب روح مبارک قبض ہو کر جسم اقدس کے باہر ہوگی تو اس وقت بھی جسم شریف اسی طرح زندہ ہوگا جیسا کہ اب زندہ ہے اس واقعہ سے متعلق دیگر مسائل کو ہم اپنے دوسرے مضامین میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں۔

اسباب عادیہ کا حیات عادی سے تعلق

اہل علم سے مخفی نہیں کہ اسباب عادیہ سے حیات عادی کا تعلق محض امر عادی ہے عقلی نہیں جس کا خلاف ناممکن ہو۔ اس لئے ہمارا یہ مسلک ان تمام شکوک و شبہات سے بے غبار ہے جو محض عادت کے پیش نظر پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہمارے بیان سے یہ حقیقت واضح ہو چکی

ہے کہ یہ سب امور خرق عادت سے متعلق ہیں جن پر کتاب و سنت سے شہادتیں پیش کی جا چکی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ قبض روح کے بعد عالم بدل جانے کی وجہ سے جسم کے ساتھ روح کے تعلقات اور لوازم حیات میں جو تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ حیات انبیاء علیہم السلام کا استتار ہے بعد الوفات اگر کسی نبی کے جسم مبارک کا مشاہدہ کسی خوش نصیب کو نصیب ہو تو اسے عادتاً حیات کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا اور وہ اس کو بظاہر جسم بے جان کی طرح پائے گا لیکن حقیقت اس کے خلاف ہوگی۔ جیسا کہ ایک سونے والا خواب کی حالت میں کسی پر فضا مقام کی سیر و تفریح میں مشغول ہو اور طرح طرح کی نعمتوں اور لذتوں سے محظوظ ہو رہا ہو اگر ہم اسی حال میں اسے سوتا ہوا دیکھیں تو اس کی ان تمام کیفیات کے باوجود ہمیں کچھ محسوس نہیں ہوگا۔ اس کا چلنا پھرنا، کھانا پینا، نعمتوں لذتوں سے محظوظ ہونا ہمیں قطعاً معلوم نہ ہو سکے گا اور اس سوتے ہوئے جسم کو دیکھ کر ہم بظاہر یہی سمجھیں گے کہ یہ جس طرح ہمیں نظر آ رہا ہے فی الواقع اسی طرح بے ہوش پڑا ہوا ہے لیکن سونے والے کا حال ہمارے خیال کی تکذیب کرتا ہے بالکل اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی حیات واقعی ہمارے اس گمان کو جھٹلاتی ہے۔

مختصر یہ کہ جس طرح سوتے میں خواب دیکھنے والا عالم خواب کی لذتوں اور نعمتوں سے مستفیض ہو کر ہمارے سامنے مستور الحال ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام بعد الوفات مستور الحیات ہوتے ہیں۔ ”الا من اكرمہ اللہ برؤیتہم فی حال حیاتہم وما ذالک علی اللہ بعزیز“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی متصف بحیات بالذات نہیں

اسی ضمن میں یہ بھی عرض کر دوں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ چونکہ اصل کائنات ہے اس لئے بالنسبتہ الی الخلق حضور ﷺ متصف بحیات بالذات قرار پائیں گے۔ حضور ﷺ کے مقابلہ میں کسی دوسرے کو متصف بحیات بالذات قرار دینا اور اس کے حق میں امتناع انفکاک حیات کا قول کرنا بارگاہ رسالت میں انتہائی جرأت کے ساتھ سوء ادبی ہے بالخصوص دجال لعین کے حق میں یہ کہنا کہ جیسے رسول اکرم ﷺ بوجہ منشایت ارواح مومنین جس کی تخلیق سے ہم فارغ ہو چکے ہیں متصف بالذات ہوئے ایسے ہی دجال بوجہ منشایت ارواح کفار جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ متصف بحیات بالذات ہوگا اور اس وجہ سے اس کی حیات قابل انفکاک نہ ہوگی۔ اور موت و نوم میں استتار ہوگا انقطاع نہ ہوگا اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ابن صیاد جس کے دجال ہونے کا صحابہ کرام کو ایسا یقین تھا کہ قسم کھا بیٹھے تھے اپنے نوم کا وہی حال بیان کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی نسبت ارشاد فرمایا یعنی شہادت احادیث وہ بھی یہی کہتا تھا کہ

نماب عینای ولا ینام قلبی (آب حیات ص ۱۶۹)

بارگاہ رسالت میں سوء ادبی کا انتہائی خوف ناک مظاہرہ ہے اس قائل نے اتنا نہیں سوچا کہ نبی اکرم ﷺ کی روح اقدس، روح

الارواح ہے اور حضور ﷺ کی ذات مقدسہ تمام عالم ممکنات کیلئے منشاء وجود ہے۔ دجال لعین کیلئے منشاء ارواح کفار کا قول درحقیقت ایک بنیادی غلطی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دجال منشاء ارواح کفار نہیں بلکہ منشاء کفر ارواح کفار ہے، ارواح کفار نے عالم ارواح میں کفر نہیں کیا بلکہ اس عالم تکلیف میں آنے کے بعد ان سے کفر سرزد ہوا۔ دجال منشاء ارواح نہیں بلکہ ارواح کفار کے کفر کا منشاء ہے اور کفر خود موت ہے۔

قال الله تعالى "إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْقَوْلَىٰ" ای موتی القلوب وهم الكفار
اس لئے دجال منشاء موت قرار پائے گا اور جو موت کا منشاء ہوا اسے حیات سے کیا واسطہ وہ تو حیات بالذات کی بجائے موت بالذات (۱) سے متصف ہوگا۔ ایسی صورت میں دجال لعین کو متصف بحیات بالذات کہنا اور اس کے حق میں امتناع انفکاک حیات کا قول کرنا قلب مومن پر بہت شاق ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ دجال لعین کی موت اور نوم کا رسول اکرم ﷺ کی موت اور نوم سے پورا پورا تطابق کرنے کیلئے تنام عینائی وَلَا يَنَامُ قَلْبِي کا وصف نبوت عینہ دجال لعین کیلئے ثابت کر دیا اور اس کے ثبوت میں خود دجال کے قول کو دلیل بنایا۔ ٹھیک ہے دجال کا کمال اسی کے قول سے ثابت ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا قول مبارک دجال کا کمال ثابت کرنے کیلئے کہاں مل سکتا ہے؟

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ یہ اقتباس اس کتاب کا ہے جس کا نام لے کر آج تک ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ ایسی بہترین کتاب حیات النبی کے مسئلہ پر آج تک کسی نے نہیں لکھی۔

قیاس مکن زنگستان من بہار مرا

رسالہ دینیات کا اقتباس

لگے ہاتھوں اس باب میں مودودی صاحب کا ایک اقتباس بھی ہدیہ ناظرین کرنا جاؤں تاکہ اس قسم کے مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا نظریہ واضح ہو کر سامنے آجائے۔ دیکھیئے رسالہ دینیات میں وہ ارقام فرماتے ہیں۔
پیغمبر کی زندگی دراصل اس کی تعلیم و ہدایت کی زندگی ہے جب تک اس کی تعلیم و ہدایت زندہ ہے۔ اس وقت تک گویا وہ خود زندہ ہے۔ پچھلے پیغمبر مر گئے کیونکہ جو تعلیم انہوں نے دی تھی۔ دنیا نے اس کو بدل ڈالا جو کتابیں وہ لائے تھے۔ ان میں ایک بھی آج اصل صورت میں موجود نہیں۔ (رسالہ دینیات ص ۷۹)

انبیاء علیہم السلام کی حقیقی موت و حیات کے بارے میں اس عبارت سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ ہمیں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مودودی صاحب نے اس بیان میں انبیاء علیہم السلام کے جس وصف کو ان کے حق میں بمنزلہ موت و حیات کے قرار دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس اقتباس میں ان کی بعض تعبیرات انبیاء کرام علیہ السلام کے حق میں سوء ادبی کا حکم رکھتی ہیں۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ پچھلے پیغمبر مر گئے کیونکہ جو تعلیم انہوں نے دی تھی دنیا نے اس کو بدل ڈالا۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات زندہ ہیں

حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی روح اور ان کا خلاصہ وہ عقائد اور اصول دین اور مقاصد کلیہ ہیں جو سب میں قدر مشترک کا حکم رکھتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدئی سے تعبیر فرمایا۔ ان کی تعلیمات کی اصل بنیادیں ہیں اور وہ سب محفوظ و موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام میں اٹھارہ نبیوں کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْبَدَهُ (س: الانعام آیت ۹۰)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو اے محمد ﷺ آپ ان کی سیرت کی اقتداء کریں۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کی تعلیمات کو لوگوں نے اس طرح بدل ڈالا کہ وہ بالکل مٹ گئیں اور ان کی لائی ہوئی کوئی چیز اپنی اصل صورت پر باقی نہیں رہی تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گا کیونکہ اس ارشاد الہی کا مطلب یہ ہے کہ اصولی طور پر آپ کا راستہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے راستے سے جدا نہیں۔ رہا فروعی اختلاف تو وہ پہلے بھی تھا اور اب بھی اس کے واقع ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ

دینہم واحد وامہاتہم شتى

انبیاء کا دین ایک ہے اور ان کی مائیں مختلف ہیں۔ قرآن بار بار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ وہی دین ہے جس کی وصیت انبیاء سابقین علیہم السلام فرماتے رہے۔ مختصر یہ کہ اگر انبیاء سابقین کی تعلیمات مردہ قرار دے دی جائیں تو رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی اقتداء کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے۔ اس حکم سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں اور ان کی کل تعلیمات رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود ہیں اور حضور ﷺ سب کی سیرتوں کے جامع ہیں۔ اسی طرح کتب سابقہ کی تعلیمات کا حامل قرآن مجید ہے۔ اسی لئے قرآن مجید کو مہیمن کہا گیا ہے۔ جس کے معنی ”امین“ ہیں یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کی کتابوں کی امانتیں قرآن مجید کے اندر محفوظ ہیں۔ مختصر یہ کہ کتب سابقہ اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی تعلیمات کو بالکل معدوم قرار دینا صحیح نہیں ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی اقوام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے بے بہرہ ہو گئیں اور ان کے پاس انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا وجود باقی نہ رہا۔ ایسی صورت میں ان تعلیمات کا معدوم ہو جانا ان اقوام کی موت ہوگی جو ان تعلیمات سے محروم ہو گئیں۔ تعلیمات انبیاء علیہم السلام کے فقدان کو انبیاء کی موت قرار دینا انبیاء علیہم السلام کی شان میں سوء ادبی اور گستاخی ہے۔ سب نبیوں کی صالحیت پاکیزگی انذار و تنہید اور دعوت الی الحق اور ان کے اصول و عقائد اور دین کا جامع بیان قرآن پاک اور سیرت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ضمن میں قطعاً محفوظ اور زندہ ہے۔

اس لئے وہ سب انبیاء علیہم السلام اس اعتبار سے بھی یقیناً زندہ ہیں۔ باعتبار مذکور اگر مردہ کہا جاسکتا ہے تو انہی اقوام کو جو ان انبیاء علیہم السلام کے دین پر ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود ان کی حقیقی تعلیمات سے یکسر خالی ہو چکی تھیں۔ اقوام کی موت کو انبیاء کے سر تھوپنا اور یہ کہنا کہ پچھلے انبیاء مر گئے خوف ناک قسم کی بے باکی اور شان نبوت میں سوء ادبی ہے۔

نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ

حیات محمدی کی جامعیت

حضرت محمد ﷺ تمام جہانوں کیلئے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

بَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان ۱)

اور خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

ارسلت الى الخلق كافة (مسلم شریف)

رسالت رسول ﷺ اور مرسل الیہ کے مابین ایک علمی اور عملی قسم کا مخصوص رابطہ ہے جس کے بغیر رسالت کا کوئی تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ مختلف جہانوں کے مرسل الہم کے احوال و کیفیات کے اختلاف اور تفاوت کی وجہ سے اس رابطہ اور تعلق کی نوعیت مختلف اور جدا گانہ ہو لیکن فی نفسہ اس تعلق کا وجود رسالت کے لئے ضروری ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمام جہانوں کے لئے اسی وقت رسول ﷺ ہو سکتے ہیں۔ جبکہ ان کا یہ رابطہ ہر جہان والوں کے ساتھ قائم ہو۔ علمی اور عملی رابطہ ”حیات کا“ متقاضی ہے۔ اس لئے عموم رسالت کے اعتقاد کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایسی جامع اور کامل حیات کے ساتھ متصف ہیں جو ہر عالم کے حسب حال ہے۔

سردست ہم تین عالموں کو سامنے رکھتے ہیں۔ دنیا، برزخ اور آخرت عموم رسالت کا وصف دائمی ہے۔ جب حضور ﷺ دنیا میں جلوہ گر تھے، تب ہی عینوں جہانوں کے رسول تھے اور برزخ میں جلوہ افروز ہو کر بھی حسب سابق عوالم ثلاثہ کے رسول رہے اور عالم آخرت میں رونق افروز ہونے پر بھی عموم رسالت متغی نہیں ہو سکتا یہ الگ بات کہ کسی وقت آخرت کے سوا کوئی دوسرا عالم باقی نہ رہے کیونکہ یہ عدم بقاء عالم عموم رسالت پر اثر نہیں ڈال سکتا اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے چمکتے ہوئے سورج کے سامنے دس آئینے رکھ دیئے جائیں تو سب اس کے نور سے چمک جائیں گے لیکن اگر ان سب کو یا ان میں سے بعض کو اٹھا لیا جائے تو آفتاب کی چمک بدستور اپنے حال پر باقی رہے گی۔

مختصر یہ کہ حضور ﷺ کی ذات مقدسہ میں ہر وقت ہر عالم کے مناسب حیات کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ مرسل الہم کے ساتھ رسالت کا رابطہ قائم ہو سکے۔ مثلاً اگر حضور ﷺ دنیا میں ہوں تو دنیا برزخ اور آخرت عینوں جہانوں کے مناسب حیات سے متصف ہوں گے۔ اسی طرح برزخ میں رونق افروز ہوں تو برزخ دنیا اور آخرت کے لائق حیات کے حامل ہوں گے۔ علیٰ ہذا آخرت میں جلوہ گر ہوں تب بھی ایسی حیات سے موصوف ہوں گے جو ہر عالم کے حسب حال ہو۔

اللہ تعالیٰ نے باقی مخلوقات کو خاص خاص ماحول کے مناسب حیات بخشی ہے۔ چنانچہ پانی کی مخلوق آگ میں اور ہوا کی مخلوق پانی میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ حتیٰ کہ جبرائیل علیہ السلام کیلئے بھی ایک مخصوص ماحول سے آگے زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اس لئے انہوں نے شب معراج عرض کر دیا کہ لَوْ تَجَاوَزْتُ أَمَلَةً لَا حَرَقْتُ یعنی اگر اپنے ماحول سے ذرا بھی آگے بڑھوں۔ جل کر خاک ہو جاؤں۔ مگر

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ایسی حیات کاملہ جامعہ عطا فرمائی گئی جو ہر عالم کے ہر ماحول سے پوری طرح مناسبت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ وہی تعلق نبوت اور رابطہ رسالت ہے جو علم و عمل کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ اور علم و عمل ہی حیات ہے۔ اس لئے جہاں تک ان کے علم و عمل کا تعلق ہوتا ہے۔ وہاں تک ان کی حیات پہنچتی ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں ہے کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں بھی زندہ رہا اور اگر تسبیح کی شرط نہ پائی جاتی تو قیامت تک بطن حوت ہی میں ٹھہر رہے ہوتے۔

بخاری شریف میں حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی معیت میں دقبروں کے پاس سے گزرے ان دونوں قبروں والوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ حدیث کے الفاظ ہیں: فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يَعْذَبَانِ فِي قُبُورِهِمَا حُضُورَ ﷺ نے دو انسانوں کی آواز سنی جنہیں ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ وہاں ٹھہر گئے۔ صحابہ کرام سے فرمایا یہ دونوں قبروں والے عذاب قبر میں مبتلا ہیں اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں دیئے جا رہے۔ ایک ان میں سے پیشاب کرتے وقت چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے کھجور کی ایک ٹہنی منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کے دونوں قبروں پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا جب تک یہ خشک نہ ہوں ان کی تسبیح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔

رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف فرما تھے اور قبروں والوں کو عالم برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کی آواز اپنے مبارک کانوں سے سنی۔ پھر یہ بھی بتایا کہ ان دونوں کو عذاب کس وجہ سے ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ جیسے دنیاوی حیات سے متصف ہیں اسی طرح برزخ والوں کی حیات سے بھی متصف تھے۔ ورنہ اس عالم کی آوازوں کا سننا اور وہاں کے حقائق و رموز کا جاننا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ پھر کھجور کی ٹہنی کے دو ٹکڑے دونوں قبروں پر رکھ کر ان کی تسبیح کی وجہ سے قبروں والوں کے عذاب میں تخفیف کا اظہار فرمانا اپنے عمل سے انہیں فائدہ پہنچانا ہے۔

اہل برزخ سے یہ علم و عمل کا رابطہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ برزخ والوں کی حیات بھی حضور ﷺ کی ذات مقدسہ میں پائی جاتی تھی۔

اس واقعہ میں ایک اور لطیف اشارہ پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ تھے۔ حضور ﷺ نے ہر دو معذب انسانوں کی آواز سن کر صحابہ کرام کو بتایا پھر اسباب عذاب کا اظہار فرما کر گویا اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے میرے صحابہ عالم دنیا میں اس وقت میں تمہارے ساتھ ہوں مگر یہ نہ سمجھنا کہ میں اسی عالم میں صرف تمہارے ہی ساتھ ہوں اس کے علاوہ کسی عالم میں کسی کے ساتھ نہیں بلکہ دنیا میں تمہارے ساتھ ہونے کے باوجود عالم برزخ میں برزخ والوں کے ساتھ بھی ہوں اور ان کے حال سے خبردار ہوں اور ان کے دکھ درد میں ان کا حامی و مددگار ہوں۔

نیز یہ کہ میں جس طرح دنیا میں ہو کر برزخ سے دور نہیں اسی طرح جب برزخ میں جلوہ گر ہوں گا تو تم سے دور نہ ہوں گا اور تمہارے حال سے بھی اسی طرح باخبر رہوں گا جیسے اب اہل برزخ کے حال سے باخبر ہوں اور تمہارے دکھ درد میں ایسے ہی تمہارا حامی و مدد

گارہوں گا جیسے دنیا میں ہو کر برزخ والوں کا حامی اور مددگار ہوں۔

اس کے بعد عالم آخرت کی طرف آئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دنیاوی حیات میں جس طرح عالم برزخ کی حیات کے حامل تھے۔ اسی طرح عالم آخرت کی حیات بھی حضور ﷺ کی ذات مقدسہ میں پائی جاتی تھی۔ شب معراج حضور ﷺ کا آسمانوں پر جلوہ گر ہونا انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات فرمانا اور سفر معراج میں تمام پیش آنے والے واقعات اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ حضور ﷺ اس دنیاوی حیات کے ضمن میں اخروی حیات سے بھی متصف تھے۔ مختصر یہ کہ جس طرح عالم دنیا میں حضور ﷺ برزخ و آخرت کی حیات سے خالی نہ تھے۔ اسی طرح اب عالم برزخ میں دنیاوی حیات سے بھی خالی نہیں۔ وهو المراد۔

حیات محمدی ﷺ کے آفتاب کی شعاعیں

اس حیثیت سے کہ حضور ﷺ اصل کائنات ہیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات مقدسہ آسمان و جود ممکنات کا چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ مخلوقات کے تمام انواع و افراد بمنزلہ آئینوں کے ہیں۔ ہر آئینہ اپنے مقام پر مخصوص کیفیت اور جداگانہ قسم کی استعداد کا حامل ہے۔ اس لئے ہر فرد اپنے حسب حال اس آفتاب حیات سے اکتساب حیات کر رہا ہے۔ خلق و امر، اجسام و ارواح، اعیان و معانی، ارض و سما، تحت و فوق سب کا نور حیات اسی آفتاب حیات محمدی کی شعاعیں ہیں البتہ عالم ممکنات کا اس معدن حیات سے قرب و بعد اور افراد کائنات میں استعداد کی قوت و ضعف مراتب حیات میں ضرور موجب تفاوت ہے نفس حیات سب میں پائی جاتی ہے۔ لیکن ہر ایک کی حیات اس کے حسب حال ہے۔ ممکن ہو یا کافر نیک ہو یا بد ہر ایک کا مبداء فیض حضور ﷺ ہی ہیں اور حضور ﷺ ہی کے آفتاب حیات سے ہر ایک میں حیات کی روشنی پائی جاتی ہے۔ آفتاب غروب ہو جائے تو تمام آئینے نور سے محروم ہو جائیں آئینوں میں نور کا پایا جانا آفتاب کے چمکنے کی دلیل ہے۔ اسی طرح عالم ممکنات کے کسی ایک ذرہ میں نور حیات کا پایا جانا آفتاب حیات محمدی کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔

یوں سمجھئے کہ ایک بہت بڑا کارخانہ جس میں ہزاروں قسم کے کام ہوتے ہیں۔ سینکڑوں مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ ہر ایک مشین اپنی نوعیت کا جداگانہ کام کر رہی ہے۔ کہیں کپاس صاف ہو رہی ہے۔ کہیں روئی کی گانٹھیں تیار ہو رہی ہیں۔ کوئی مشین سوت کات رہی ہے۔ کسی میں کپڑا بنا جا رہا ہے۔ کہیں آٹا پس رہا ہے۔ پھر وہاں بے شمار بلب لگے ہوئے ہیں۔ ہر بلب جداگانہ پاور کا ہے۔ ان کا رنگ بھی مختلف ہے۔ پھر کسی مشین سے کہیں پانی گرم ہو رہا ہے، کسی جگہ برف جمائی جا رہی ہے۔ کوئی مشین آگ پیدا کر رہی ہے۔ کوئی پانی کھینچ رہی ہے۔ کسی کی رفتار ہلکی ہے کوئی تیز رفتار ہے۔ ان سب کی حرکت اور ہر ایک کا کام ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن حرکت و عمل کی قوت کا مرکز ایک پاور ہاؤس ہے جو ہر ایک کو اس کی استعداد اور اس کے حال کے موافق حرکت و عمل کی قوت تقسیم کر رہا ہے۔ اگر پاور ہاؤس ختم ہو جائے تو تمام کارخانہ معطل ہو کر رہ جائے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

انما اللہ يعطی وانا قاسم و خازن

بے شک اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا اور خازن ہوں۔

اس تمثیل سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مومنین و شہداء اور انبیاء کی حیات کا تفاوت اسی اصل پر مبنی ہے۔ یہاں اتنی بات اور عرض کر دوں کہ بسا اوقات نفس حیات ہوتی ہے۔ مگر منافع حیات نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے حیات کی نفی کر دی جاتی ہے۔ مگر اس نفی سے نفی حیات مراد نہیں ہوتی بلکہ منافع حیات کا انتفاء مراد ہوتا ہے۔ ناواقف لوگ اصل حیات کی نفی سمجھ لیتے ہیں۔ اس غلطی میں اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ انہیں قرآن مجید کی اس آیت کو دیکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَخْي (س: طہ آیت ۷۴)

کافر دوزخ میں نہ مرے گا نہ جئے گا۔ موت کی نفی تو ظاہر ہے ”هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ“ مگر حیات کی نفی محض اس لئے فرمائی گئی کہ دوزخ میں منافع حیات منٹھی ہوں گے۔

ایک شبہ کا ازالہ

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کافر بھی قبر میں زندہ ہوتے ہیں تو قبر کی زندگی میں کیا فضیلت ہوئی؟ ان کا جواب بھی گزشتہ بیان میں آ گیا۔ وہ یہ کہ کافر قبر میں زندہ ضرور ہے، مگر عذاب ہونے کی وجہ سے منافع حیات سے محروم ہے۔

عذاب قبر

کفار کا قبروں میں زندہ ہونا اور انہیں عذاب دیا جانا بے شمار دلائل سے ثابت ہے۔ سر دست ہم ایک روایت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الحاوی للفتاویٰ سے پیش کرتے ہیں۔ جو ناظرین کیلئے مزید معلومات کا موجب ہوگی۔

واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور و الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر قال بینا انا اسیر بجنبات بدر اذ خرج رجل من حفرة فی عنقه سلسلة فنادانی یا عبد اللہ اسقنی و خرج رجل آخر من تلك الحفرة فی یدہ سوط فنادانی یا عبد اللہ لا تسقه فانه کافر ثم ضربه بالسوط حتی عاد الی حفرة فالتب النبی ﷺ فاخبره فقال لی اوقد رایتہ قلت نعم قال ذاک عدو اللہ ابو جهل و ذاک عذابه الی يوم القيامة (الحاوی للفتاویٰ جلد ۲ ص ۲۶۵ طبع مصر)

ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں اور طبرانی نے اوسط میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی عبد اللہ بن عمر نے فرمایا کہ میں نواح بدر میں جا رہا تھا کہ اچانک قبر کے ایک گڑھے سے ایک شخص نکلا جس کی گردن میں زنجیر تھی اس نے مجھے آواز دے کر کہا اے عبد اللہ! مجھے پانی پلا۔ اسی گڑھے سے ایک اور شخص برآمد ہوا جس کے ہاتھ میں کوڑا تھا اس نے مجھے پکار کر کہا اے عبد اللہ! اسے پانی نہ پلانا یہ کافر ہے پھر اسے کوڑا مارتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے گڑھے کی طرف واپس لوٹ گیا۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے یہ واقعہ حضور ﷺ کے سامنے عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا، کیا تو نے اسے دیکھا؟ میں نے عرض کیا، ہاں حضور! میں نے اسے دیکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، وہ اللہ کا دشمن ابو جہل تھا اور وہ اس کا عذاب تھا جو اسے قیامت تک ہوتا رہے گا۔ (انجلی)

الحاوی للفتاویٰ جلد نمبر ۲ ص ۲۶۵

قرآن و حدیث میں حضور ﷺ کی موت کا بیان اور اس کی حقیقت

اب اس کے بعد ایک مستقل بحث پیش نظر ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں عام نصوص سے بھی انبیاء علیہم السلام

اور حضور ﷺ کی موت و وفات ثابت ہے اور خاص رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی ایسی نصوص موجود ہیں جو قطعی طور پر حضور ﷺ کی موت کو ثابت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ (آل عمران ۱۴۴) دوسری جگہ فرمایا۔ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (الزمر ۳۰) عام نصوص میں کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران ۱۸۵) ایک ہی آیت اثبات مدعا کیلئے کافی ہے پھر عزیر علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَأَمَّا تَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ، قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ (البقرہ ۲۵۹)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو مرنے کے بعد کسی قسم کا علم و ادراک نہیں ہوتا یہی ان کی موت ہے اس کے بعد احادیث کی طرف آئیے تو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے متعلق ارشاد فرمایا۔ انسی مقبوض علاوہ ازیں حضور ﷺ کی موت کا واقعہ کوئی ایسا واقعہ نہیں جس کا انکار کیا جائے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ ”مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ“ کتب احادیث میں مشہور و معروف ہے۔ ایسی صورت میں حیات انبیاء کا عقیدہ کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

اس کے جواب میں گزارش ہے۔ کہ ہماری گفتگو اس بات میں نہیں کہ انبیاء علیہم السلام یا خاص طور پر ہمارے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر موت طاری ہوئی یا نہیں۔ ہم سب انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص رسول اکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حق میں موت طاری ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ گفتگو اس بات میں ہے کہ موت طاری عادی تھی یا حقیقی؟ نیز یہ کہ اس موت کے بعد حیات ملی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی تمام نصوص کا مفاد صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر موت طاری ہوئی اور ان کی ارواح مقدسہ ان کے اجسام مطہرہ سے قبض کی گئیں۔ یہ کس آیت یا حدیث میں آیا ہے کہ قبض روح کے ساتھ حس و ادراک بھی باقی نہ رہا کیا معترض کے نزدیک روح اور حیات میں ملازمۃ عقلیہ ہے؟

ہم نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ روح اور حیات کے مابین عقلاً کوئی ملازمہ نہیں صرف ملازمۃ عادیہ ہے جو خرق عادت کے ساتھ منٹھی ہو سکتی ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ روح قبض ہونے کے بعد بھی جسم میں حیات باقی رہے۔ روح کا قبض ہونا مضمون نصوص کی صحت کیلئے کافی ہے۔ یہ ہرگز نہیں کہ قبض روح کے ساتھ علم و ادراک، قوت و احساس اور سمع و بصر کا منٹھی ہونا بھی مضمون نصوص موت کی صحت کے لئے ضروری ہو۔ وَمَنْ ادَّعَىٰ فَلْيُثْبِتْ الْبَيَانَ لِهَذَا قُرْآنٍ وَحَدِيثٍ كِي كُوْنِي نَحْصِ هَمَارِ عَقِيْدَةِ حَيَاتِ الْنَبِيِّ ﷺ کے منافی نہیں بلکہ اگر ادنیٰ تاہل سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ انبیاء علیہم السلام کی موت عوام کی موت سے مختلف ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ میں رسول اللہ ﷺ کو اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمانے کیلئے دوسروں سے الگ کر کے ذکر فرمایا ہو ورنہ إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ کی بجائے اِنْ اَنْتُمْ مَيِّتُونَ فرمایا جاتا تو اس میں رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہو جاتے اور مختصر کلام میں سب کے لئے موت کا حکم ثابت ہو جاتا۔ جیسا کہ اس کے بعد ”ثُمَّ اَنْتُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ“ (الزمر ۳۱) میں دوسروں کے ساتھ رسول

اللہ ﷺ کو بھی شامل فرمایا گیا ہے۔ مگر موت کا حکم لگانے میں اِنکَ مِیْتُ الگ فرمایا اور اُنھُمْ مِیْتُوْنَ (علیحدہ) ارشاد ہوا تا کہ سننے والے سمجھ جائیں کہ رسول اللہ ﷺ کی موت دوسروں کی موت سے الگ ہے۔

حضور ﷺ کی موت ہماری موت سے بوجہ ذیل مختلف ہے۔

- ۱۔ حضور سید عالم ﷺ کو اختیار تھا کہ حضور دنیا میں رہیں یا رفیقِ اعلیٰ کی طرف تشریف لے جائیں لیکن ہمیں دنیا میں رہنے یا آخرت کی طرف جانے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا بلکہ ہم موت کے وقت سفرِ آخرت پر مجبور ہوتے ہیں۔ (بخاری شریف)
- ۲۔ غسل کے وقت ہمارے کپڑے اتارے جاتے ہیں لیکن رسول اللہ کو انہیں کپڑوں میں غسل مبارک دیا گیا۔ جن میں حضور ﷺ نے وصال فرمایا تھا۔ (بخاری شریف)
- ۳۔ حضور ﷺ کی نماز جنازہ ہماری طرح نہیں پڑھی گئی بلکہ ملائکہ کرام، اہل بیت عظام اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جماعت کے بغیر الگ الگ حضور ﷺ پر نماز پڑھی اور اس پر معروف دعائیں بھی نہیں پڑھیں بلکہ حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کے کلمات طیبات عرض کئے گئے اور درود شریف پڑھا گیا۔ (مواہب اللدنیہ)
- ۴۔ ہماری موت کے بعد جلدی دفن کرنے کا تاکید حکم ہے لیکن حضور ﷺ وصال کے بعد سخت گرمی کے زمانہ میں پورے دو دن کے بعد قبر میں دفن کئے گئے۔ (زر قانی شریف)
- ۵۔ حضور ﷺ کا دفن مبارک بحکمِ شرع وہی مقام رہا جہاں حضور ﷺ نے وصال فرمایا تھا۔ ہمارے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ (بخاری شریف)
- ۶۔ ہماری موت کے بعد ہماری میراث تقسیم ہوتی ہے حضور ﷺ اس سے مستغنی ہیں۔ (بخاری شریف)
- ۷۔ ہمارے مرنے کے بعد ہماری بیویاں ہمارے عقد نکاح سے باہر ہو جاتی ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات ہمیشہ حضور ﷺ کے نکاح میں باقی ہیں اور ابد تک یہ حکم جاری رہے گا۔ (قرآن مجید)

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ انتہائی دریدہ دہنی کے ساتھ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ کو تم زندہ مانتے ہو تو نعوذ باللہ صحابہ کرام نے حضور کو زندہ درگور کر دیا؟ نیز یہ کہ حضور ﷺ زندہ ہیں تو ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، اور علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خلیفہ کیسے ہو گئے۔

گذشتہ صفحات کو غور سے پڑھا جائے تو اس شبہ کا ازالہ خود بخود ہو جاتا ہے۔ ناظرین کرام ہمارے مضمون میں پڑھ چکے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کیلئے موتِ عادی اور حیاتِ حقیقی تسلیم کرتے ہیں۔ غسل، کفن، دفن، خلافت، سب امور موتِ عادی کا مقتضی ہیں اور اس ضمن میں حضور ﷺ کے جملہ امتیازی امور حیاتِ حقیقی پر مبنی ہیں اور لوازماتِ حیات بعد الموت کی نوعیت لوازماتِ حیات قبل الموت سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ لہذا یہ اختلاف نوعیت ہمارے مدعا کو مضرت نہیں۔ البتہ وہ امور جو بمقتضائے حیاتِ حقیقی ہیں منکرینِ حیات

کے انکار کو یقیناً باطل قرار دیتے ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خطبہ

رہا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خطبہ تو اس کا بھی یہی مقصد ہے اور ابانۃ الروح عن الجسد کے معنی میں حضور ﷺ کیلئے اس میں موت کا بیان ہے۔ ہم نے جس حیات کو روح کے بغیر ثابت مانا ہے۔ اس کی نفی کہاں وارد ہوئی ہے۔ پھر یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اسی خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

لن یجمع اللہ علیک موتین اے آقا ﷺ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔

دوسری موت سے حیات بعد الموت کے بعد آپ کو جو حیات ملے گی اسکے بعد آپ پر کوئی موت نہیں آئے گی۔ (دیکھئے قسط لانی جلد ۶ ص ۷۰ طبع مصر)

وصیت صدیق رضی اللہ عنہ

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت جو انہوں نے اپنے وصال سے قبل فرمائی تھی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو قبر انور میں زندہ مانتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۶۸۵ پر فرماتے ہیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ حضور ﷺ کے حجرہ مبارکہ کے سامنے رکھ دینا اگر دروازہ کھل جائے اور قبر انور سے آواز آئے کہ ابو بکر کو اندر لے آؤ تب تو مجھے حجرہ مبارکہ میں دفن کرنا ورنہ عام مومنین کے قبرستان میں دفن کر دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا جب حجرہ مبارکہ کے سامنے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جنازہ رکھا گیا تو دروازہ کھل گیا اور قبر انور سے آواز آئی ادخلوا الحبيب الى الحبيب اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کی حیات بعد الممات کے قائل نہ ہوتے تو اس وصیت کے کیا معنی؟

عزیر علیہ السلام کا واقعہ

رہا عزیر علیہ السلام کا واقعہ تو سب سے پہلے تو یہ عرض کروں گا کہ قرآن مجید میں حضرت عزیر علیہ السلام کا نام نہیں آیا۔ قرآن میں اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ کے الفاظ ہیں اور الَّذِي سے کون مراد ہے؟ اس میں مفسرین نے بہت اختلاف کیا ہے۔ عطاء نے کہا کہ ارمیا مراد ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ عزیر مراد ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ الَّذِي سے رجل کافر مراد ہے۔ (دیکھئے تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۸۳ طبع مصر)

ایسی صورت میں حیات انبیاء کے خلاف اس آیت کو پیش کرنا کیسی شدید حماقت ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے۔ کہ الَّذِي سے حضرت عزیر علیہ السلام ہی مراد ہیں تب بھی مخالفین کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ حضرت عزیر علیہ السلام کی ایک واقعہ سے لاعلمی ثابت ہوگی اور لاعلمی عدم حیات کو مستلزم نہیں۔ آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کی حیات دنیا کے زمانہ میں کئی واقعات سے حضور کی لاعلمی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس وقت حضور ﷺ کو زندہ بھی مانتے ہیں۔ تو کیا آپ ہی کے

مسلک پر یہ ممکن نہیں کہ عزیر علیہ السلام کو موت کے بعد حیات بھی حاصل ہو اور اس حیات میں ایک واقعہ سے وہ لاعلم بھی ہوں؟ رہا ہمارا مسلک تو ہم لاعلمی کی بجائے عدم الثقافات کا قول کریں گے اور یہ کہیں گے کہ عزیر علیہ السلام چونکہ عالم برزخ میں مشغول تھے اس لئے انہیں دنیا کے زمانہ طویلہ اور سو سال کی مدت کی طرف الثقافات نہ ہوا۔ اس لئے انہوں نے ”یَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ“ کہہ دیا۔ اس واقعہ سے حیات بعد الموت کی نفی کس طرح ثابت ہوگئی۔

اس آیت پر کسی دوسری جگہ ہم نے طویل کلام کیا ہے اس لئے یہاں قدر ضرورت پر اکتفا کرتے ہیں۔

شہداء کی ازواج نکاح کر سکتی ہیں۔ ان کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے

ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ شہداء و انبیاء علیہم السلام پر موت بھی آتی ہے اور انہیں حیات بعد الممات بھی عطاء کی جاتی ہے۔ دنیا میں ان پر موتی کے جس قدر احکام جاری ہوتے ہیں۔ وہ سب قبض روح کی وجہ سے ہیں۔ باقی رعی حیات تو بعض امور میں اس کے احکام بھی مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً حنفیہ کے نزدیک شہداء کو غسل میت نہ دیا جانا اور شافعیہ کے نزدیک غسل اور نماز دونوں کا نہ ہونا۔ ازواج و میراث کے مسئلہ کو بھی حیات میں ضرور دخل ہے لیکن اس مسئلہ میں انبیاء اور شہداء کے درمیان جو فرق ہے وہ نفس حیات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا منبع درجات حیات کا تفاضل اور تفاوت ہے۔

ان تمام بحثوں کے بعد انبیاء علیہم السلام کے اجساد کریمہ کا ان کی قبور منورہ میں محفوظ رہنے کا مسئلہ بھی سامنے آ جاتا ہے۔ دلائل کی روشنی میں ہمارا مسلک یہ ہے کہ صرف انبیاء نہیں بلکہ بعض شہداء اور صالحین اور علماء کے اجسام شریفہ بھی گلنے سڑنے اور خراب و متغیر ہونے سے صحیح و سالم رہتے ہیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ فرعون کے جسم کا سالم رہنا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے فرق یہ ہے کہ فرعون کا جسم اہانت کے لئے سالم رکھا گیا کہ اس کا جسم دیکھ کر لوگوں کو عبرت ہو اور وہ سمجھیں کہ خدا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کرنے والوں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً (سورہ یونس آیت ۹۲)

آج ہم تجھ کو تیرے بدن کے ساتھ نجات دیں گے۔ تاکہ تو اپنے پیچھلوں کے لئے ”ہمارے عذاب“ کا نشان ہو جائے۔

تحقیق جدید سے معلوم ہوا کہ فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آتی ہے۔ اور یہ اس کی انتہائی اہانت کا موجب ہے کہ جو بھی اسے دیکھتا ہو گا اس کے ذہن میں نورانیہ بات مرکوز ہو جاتی ہوگی کہ یہی ہے اللہ اور اس کے رسول کا باغی جو اپنے جرائم اور معاصی کی وجہ سے اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوا لیکن انبیاء علیہم السلام کے اجسام کریمہ کمال عزت اور انتہائی عظمت کا نشان بن کر صحیح و سالم رہتے ہیں کہ جس ذہن میں بھی ان کے مبارک جسموں کے صحیح و سالم رہنے کا تصور آتا ہے وہ ساتھ ہی اس حقیقت سے روشناس ہو جاتے ہیں کہ یہ اجسام مقدسہ ان پاکیزہ اور نورانی ہستیوں کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت و رسالت پر فائز ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حیات ابدی کے ساتھ زندگی بخشی۔

کمال عزت و عظمت کے ساتھ اجساد انبیاء علیہم السلام کا محفوظ رہنا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَنْ لَوْ
كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ (سبا آیت ۱۴)

پھر جب ہم نے ان پر موت واقع کر دی تو جنات کو ان کی موت پر کسی نے رہنمائی نہ کی۔ سوائے دیمک کے کیڑوں کے کہ وہ دیمک کے کیڑے ان کے عصا کو کھاتے رہے۔ جب عصا کے دیمک خوردہ ہو کر گر جانے کی وجہ سے سلیمان علیہ السلام گرے تو جنوں کو معلوم ہوا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کے عذاب میں اتنے عرصے تک مبتلا نہ رہتے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام جو عصا کا سہارا لگائے کھڑے تھے اپنی حشمت و شوکت کے ساتھ جنات سے کام لے رہے تھے۔ اسی حال میں انہیں موت آگئی اور موت کے بعد اسی عصا کے سہارے اتنے طویل عرصہ تک کھڑے رہے کہ عصا کو دیمک لگ گئی اور اس دیمک نے عصا کو یہاں تک کھالیا کہ وہ ٹھہر نہ سکا اور اسکے ساتھ ہی سلیمان علیہ السلام کا جسم مبارک بھی زمین پر آ پڑا۔

تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک سال کی مدت تھی اگر تفاسیر سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو الفاظ قرآن سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ مدت چند روز کی نہ تھی بلکہ اتنا طویل زمانہ تھا جس میں کام کرنے کو جنات جیسی قوی ہیکل اور سخت جان مخلوق کیلئے ”مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ از روئے قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کے اجساد کریمہ کا عرصہ دراز تک صحیح سالم رہنا حق اور درست ہے۔

اسی طرح یونس علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”لَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ“ (صفت ۱۴۴) کہ یونس علیہ السلام جنہیں مچھلی نے نگل لیا تھا اور وہ کچھ عرصہ تک مچھلی کے پیٹ میں رہ کر زندہ اور صحیح سالم نکل آئے۔ اگر مُسَبِّحِينَ میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں ٹھہرے رہتے۔ ظاہر الفاظ قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک صحیح سالم ٹھہرے رہتے اور قیامت کے دن جب دوسرے لوگ اپنی قبروں سے نکلتے تو یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر آتے۔

قرآن کریم کے بعد احادیث شریفہ کو دیکھا جائے تو انبیاء علیہم السلام کے مبارک جسموں کے صحیح سالم رہنے کی دلیل میں بکثرت احادیث ملیں گی۔ جن میں سے بعض حدیثیں گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں اور ایک حدیث حضرت دانیال علیہ السلام کے جسم اقدس کے متعلق اس وقت پیش کرتے ہیں۔

البدایہ والنہایہ میں بروایت یونس بن بکر حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم نے قلعہ تستر فتح کیا تو ہر حران کے گھر کے مال و متاع میں ایک تخت پایا جس پر ایک آدمی کی میت رکھی ہوئی تھی اور اس کے سر کے قریب ایک مصحف تھا ہم نے وہ مصحف

اٹھا کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیج دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب کو بلایا۔ انہوں نے اس کو عربی میں لکھ دیا۔ عرب میں میں پہلا آدمی ہوں جس نے اس کو پڑھا میں نے اسے اس قرآن کی طرح پڑھا۔ ابو خالد بن دینار کہتے ہیں، میں نے ابو العالیہ سے کہا اس صحیفہ میں کیا تھا انہوں نے کہا تمہارے احوال، امور اور تمہارے کلام کے لہجے اور آئندہ ہونے والے واقعات ہیں۔ میں نے کہا تم نے اس آدمی کا کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے دن کے وقت متفرق طور پر تیرہ قبریں کھودیں جب رات آئی تو ہم نے انہیں دفن کر دیا اور تمام قبروں کو برابر کر دیا تا کہ وہ لوگوں سے مخفی رہیں اور کوئی انہیں قبر سے نہ نکالنے پائے۔ میں نے کہا۔ ان سے لوگوں کی کیا امیدیں وابستہ تھیں؟ انہوں نے کہا جب بارش رک جاتی تھی تو لوگ ان کے تحت کو باہر لے آتے تھے۔ تو بارش ہو جاتی تھی۔ میں نے کہا تم اس رجل مبارک کے متعلق کیا گمان رکھتے تھے کہ وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ انہیں دانیال کہا جاتا تھا۔ الخ۔ اس کے بعد اگلے صفحہ پر ایک حدیث مرقوم ہے

قال رسول اللہ ان دانیال دعاربہ عزوجل ان یدفنه امة محمد ﷺ فلما افتتح ابو موسیٰ الاشعری تسنیر و جدہ فی تابوت تضرب عروقه ووریدہ (البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۴۱)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دانیال علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے یہ دعا کی تھی کہ انہیں حضرت محمد ﷺ کی امت دفن کرے۔ جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے قلعہ تسنیر فتح کیا تو انہیں ان کے تابوت میں اس حال میں پایا کہ ان کے تمام جسم اور گردن کی سب رگیں برابر چل رہی تھیں۔ اٹھلی ان دونوں روایتوں سے اتنی بات بلا تردد واضح ہے کہ دانیال علیہ السلام کا جسم مبارک سینکڑوں سال گزر جانے کے باوجود صحیح سالم تھا۔ اس کے بعد یہ بات بھی ان دونوں روایتوں سے پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا تو سل حق ہے اور ان حضرات کے تو سل سے بارش طلب کی جاتی تھی اور لوگ سیراب بھی ہوتے تھے۔ نیز یہ کہ دانیال علیہ السلام کا جسم مبارک صد ہا برس کے بعد نہ صرف صحیح سالم تھا بلکہ اس کی نبضیں اور وریدیں بھی چل رہی تھیں۔

ایک سوال کا جواب

اس مسئلہ میں بعض لوگ یہ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کریمہ ایک لمحہ کیلئے بوسیدہ نہیں ہوتے تو انہیں بعض اوقات عظام سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عظام کہنے کی یہ وجہ نہیں کہ معاذ اللہ سارا بدن گلنے کے بعد ہڈیاں رہ جاتی ہیں۔ بلکہ عظام استعارہ ہے جسم کے نہ گلنے سے کہ جس طرح بعض ہڈیاں نہیں گلنتیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا بدن گلنے سے پاک ہوتا ہے۔ اس مقام پر لفظ عظام سے بغیر گوشت کے ہڈیاں مراد نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی جسمانی حقیقی حیات پر ایک اور تصریح ملاحظہ فرمائیے مواہب اللدنیہ میں ہے

ونقل السبکی فی طبقاتہ عن ابن فورک انه علیہ السلام حی فی قبرہ رسول اللہ ابدًا لا ینفک علی

الحقیقۃ لا المجاز۔ انتہی (مواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۵۴)

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طبقات میں ابن نورک سے نقل کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اللہ کے رسول ہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ کا رسول ہونا حقیقت پر محمول ہے مجاز پر نہیں۔ اتنی

ابن عقیل حنبلی کا قول

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت، زرقانی علی المواہب، میں ارشاد فرماتے ہیں
لحياته في قبره يصلي فيه باذان و اقامة قال ابن عقيل الحنبلي و يضاجع ازواجه و يستمتع بهن اكمل من الدنيا و حلف على ذلك و هو ظاهر و لا مانع منه (زرقانی علی المواہب جلد سادس ص ۱۶۹)
حضور ﷺ کا حقیقتاً رسول ہونا اس لئے ہے کہ قبر انور میں حضور ﷺ کو حیات حقیقی حاصل ہے۔ حضور ﷺ اپنی قبر انور میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ابن عقیل حنبلی نے کہا حضور ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ استراحت فرماتے ہیں اور ان سے ایسا استمتاع فرماتے ہیں جو دنیا سے اکمل ہے۔ ابن عقیل نے یہ بات قسم کھا کر کہی۔ امام زرقانی فرماتے ہیں اور یہ کھلی ہوئی بات ہے اس میں کوئی امر مانع نہیں۔

اللہ تعالیٰ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو جزاء خیر دے کہ انہوں نے وہو ظاہر و لا مانع منه کہہ کر ابن عقیل حنبلی کے قول کو بے غبار کر دیا۔ میں ہزار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابن عقیل حنبلی کے اس قول کو مکروہ نہیں جانے گا۔ مگر وہی نفس کا بندہ جو خواہشات نفسانی میں مبتلا ہے اور اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مقدسہ اور حضور ﷺ کے حال مطہرہ کا قیاس اپنی مکروہ ذات اور نجس حال پر کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ تو عالم دنیا میں بھی ان تمام مکروہات سے پاک رہے جن کا تصور کسی کے حق میں کیا جاسکتا ہے۔ چہ جائیکہ عالم برزخ میں تشریف لے جانے کے بعد سرکار ﷺ کی ذات مقدسہ کے حق میں کوئی سیاہ باطن اس قسم کا ناپاک تصور پیدا کرے۔

قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء و شہداء کرام علیہم السلام جنت میں رزق دیئے جاتے ہیں اور وہ طرح طرح کی نعمتیں کھاتے اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے لذتیں اٹھاتے ہیں تو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ رزق اور نعمتیں اور ان سے لذت کا حصول دنیاوی رزق اور دنیاوی نعمتوں اور دنیا کی لذتوں کی قسم سے ہے۔ ہم اس سے پہلے بارہا تنبیہ کر چکے ہیں کہ برزخ کے حال کا قیاس دنیا کے حال پر صحیح نہیں اور وہاں کے لوازم حیات کی نوعیت دنیا کے لوازم حیات کی نوعیت سے قطعاً جدا گانہ اور مختلف ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے وہاں کی کسی چیز کا قیاس یہاں کی کسی چیز پر نہیں ہو سکتا۔

صالحین اور اہل جنت کے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرہ ۲۵)

جنتیوں کیلئے جنت میں ازواج مطہرہ (پاک بیویاں) ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ حدیث شریف میں وارد ہے

جب عام مومنین کی قبریں جنت کے باغیچے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی قبر انور تو بطریقہ اولیٰ جنت کے باغوں میں سے ایک عظیم و جلیل باغ قرار پائے گی اور جنت کے باغوں میں جنت کی ازواج سے استمتاع حقیقت ثابت ہے۔ اگر وہاں کوئی امر مانع نہیں تو یہاں کیونکر مانع ہو سکتا ہے۔

ابن عقیل حنبلی کے کلام میں لفظ ازواجہ میں تین احتمال نکل سکتے ہیں۔ (۱) ازواج دنیا (۲) ازواج آخرۃ (۳) ازواج مطہرہ کے حقائق لطیفہ موجود فی عالم المثال۔

لیکن کسی تقدیر پر بھی استراحت اور استمتاع کی دنیوی نوعیت کا احتمال نہیں نکل سکتا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ عالم برزخ میں جلوہ گر ہیں اور اس عالم کے تمام امور کی نوعیت اس عالم دنیا کی نوعیت سے مختلف اور جدا گانہ ہے۔

ایک غلط روایت

بعض جہل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ایک غلط روایت بیان کر دیا کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ حضور ﷺ کے بدن کی ہوائیے ہی بدل جائے گی جیسے عام لوگوں کے بدن کی ہوا بدل جاتی ہے حالانکہ یہ روایت کذب محض اور دروغ بے فروغ ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابن ماجہ اور مرسل ابوداؤد میں موجود ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا اور کسی ایسی چیز کو دیکھنے لگا جو مریض سے نکلتی ہے لیکن میں نے ایسی کوئی چیز نہ پائی۔ فَقُلْتُ طِبْتُ حَيًّا وَحَيًّا تَوَيْتُ لَمْ يَكُنْ فِيهِ شَيْءٌ عَرَضَ كَمَا كُنْتُ أَعْرِضُ كَمَا كُنْتُ أَعْرِضُ لَكُمْ أَيُّهَا النَّبِيُّ ﷺ آپ حیات ظاہری میں اور بعد الممات پاکیزہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

وَسِعَتْ مِنْهُ رِيحٌ طَيِّبَةٌ لَمْ يَجِدُوا مِثْلَهَا قَطُّ یعنی پھر حضور ﷺ سے ایسی پاکیزہ خوشبو مہکی جس کی مثل لوگوں نے کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی تھی۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد) از نسیم الریاض جلد اول صفحات ۴۴۲/۴۴۳

معلوم ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف جس روایت کو منسوب کیا گیا ہے وہ باطل محض اور کذب صریح ہے۔

جسم اقدس کے تغیرات

رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کے بارے میں جو لوگ تغیرات کا قول کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے۔ کہ یہ ایسا قول ہے کہ علماء نے اس کے کفر ہونے میں اختلاف کیا ہے (دیکھئے علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں)

اختلفوا فی کفر من قال ان النبی ﷺ لما انتقلت روحه للملاء الاعلیٰ تغیر بدنه وروی ان وکیع بن الجراح حدث عن اسماعیل بن ابی خالد ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما توفي لم یدفن حتیٰ ربا بطنه وانثنی خصره (۱) وخضرت اظفاره لانه ﷺ توفي يوم الاثنين وتركه الى الليلة الاربعاء لا شغالهم بامر الخلافة و اصلاح امر الامة و حکمته ان جماعة من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم قالوا لم یمت فاراد اللہ ان یربهم اية الموت فيه ولما حدث وکیع بهذا بمكة رفع الى الحاكم العثماني فاراد صلبه على خشبة نصيها له خارج الحرم فشفع فيه سفیان بن عیینہ

واطلقه ثم ندم على ذلك ثم ذهب وكعب المدينة فكتب الحاكم لا هلهما اذا اقدم اليكم فارجموه حتى يقتل فادبره بعض الناس بريدًا اخبره بذلك فرجع للكوفة خيفة من القتل وكان المفتى بقتله عبدالمجيد بن رواد قال سفیان لايجب عليه القتل و انكر هذا الناس وقالوا رأينا بعض الشهداء نقل من قبره بعد اربعين سنة فوجد رطبا لم يتغير منه شيء فكيف بسيد الشهداء والا نبياء عليه وعليهم الصلوة والسلام وهذه زلة قبيحة لا ينبغي التحدث بها۔ (نسیم الریاض جلد اول صفحات ۳۹۰/۳۹۱ غیر هامشی)

علماء نے اس کے کفر میں اختلاف کیا ہے۔ جس نے یہ کہا کہ

رسول اللہ ﷺ کے روح مبارک ملاء اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے بعد حضور ﷺ کا جسم شریف متغیر ہو گیا مروی ہے کہ وکیع بن جراح نے اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہو گئی تو حضور ﷺ دفن نہیں کئے گئے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کا شکم مبارک پھول گیا اور حضور ﷺ کی چھنگلیا (سب سے چھوٹی انگلی) ٹیزھی ہو گئی اور حضور ﷺ کے ناخن سبز ہو گئے کیونکہ پیر کے دن حضور کی وفات ہوئی تھی اور بدھ کی رات تک حضور ﷺ دفن نہیں کئے گئے۔ صحابہ کرام کے امر خلافت اور اصلاح امت کے کاموں میں مشغول رہنے کی وجہ سے اور اس تغیر میں حکمت یہ تھی کہ صحابہ کی ایک جماعت نے یہ کہہ دیا تھا کہ حضور ﷺ کو موت نہیں آئی اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بدن میں ان کی موت کی علامت دکھادی۔

جب وکیع نے مکہ میں یہ روایت بیان کی تو انہیں حاکم عثمانی کی طرف لے جایا گیا۔ اس نے خارج حرم میں ایک لکڑی نصب کر کے وکیع کو سولی پر چڑھانے کا ارادہ کر لیا۔ سفیان بن عیینہ نے وکیع کی سفارش کی اور حاکم نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر حاکم اپنے اس فعل پر سخت نادم ہوا اور وکیع مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حاکم نے مدینہ والوں کو لکھا کہ جس وقت وکیع تمہارے پاس پہنچے اسے فوراً سنگسار کر کے قتل کر دو۔ بعض لوگوں نے مکہ سے اس کے پیچھے قاصد روانہ کیا اور اس نے وکیع کو راستے ہی میں خبردار کر دیا تو وکیع قتل کے خوف سے کوفہ روانہ ہو گیا جس مفتی نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا اس کا نام عبدالمجید بن رواد ہے۔

سفیان کا قول یہ تھا کہ قتل واجب نہیں وکیع کی اس روایت کا تمام لوگوں نے سخت انکار کیا اور کہا کہ ہم نے بعض شہداء کو دیکھا کہ وہ چالیس سال کے بعد اپنی قبر سے منتقل کئے گئے تو وہ ایسے تروتازہ تھے کہ ان میں کچھ بھی تغیر نہ تھا تو کس طرح سید الشہداء اور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ روایت صحیح ہو سکتی ہے۔ یہ بدترین قسم کی اغزش ہے جس کا ذکر کسی حال میں مناسب نہیں۔ انہی (نسیم الریاض اول ص ۳۹۰/۳۹۱ طبع مصر)

الحمد للہ! علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے وکیع کی اس روایت کا حال بخوبی معلوم ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ اجساد انبیاء علیہم السلام کی محفوظیت اور ہر قسم کے تغیرات سے ان کا پاک ہونا ہی حق و ثواب ہے۔ اس کے خلاف کوئی قول امت مسلمہ کے نزدیک قابل التفات نہیں۔

حضور اکرم ﷺ قبر انور میں ہیں یا بہشت میں

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں ارشاد فرماتے ہیں

اما آنکہ قونوی تفصیل وترجیح دادہ بودن آنحضرت ﷺ در بہشت اعلیٰ "استرا آورد" در قبر شریف جواب دے آنست کہ قبرا حاد مومنین روضہ ایست از ریاض جنت پس قبر شریف سید المرسلین افضل ریاض جنت باشد و تو اند بود کہ وے ﷺ ہم در قبر از تصرف و نفوذ حالتی بود کہ از سموات و ارض جنان حجاب مرتفع باشد بے تجاوز و انتقال زیرا کہ امور آخرت و احوال برزخ را بر احوال دنیا کہ مقید و مضیق حدود و جہات است قیاس نتواں کرد۔ (جذب القلوب)

اور علامہ قونوی نے جو حضور ﷺ کے قبر انور میں ہونے پر حضور ﷺ کے بہشت بریں میں ہونے کو ترجیح دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب عام مومنین کی قبریں جنت کے باغیچے ہیں تو حضور ﷺ کی قبر انور ان سب میں افضل ترین باغیچہ جنت ہوگی۔

اور ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قبر انور میں ایسا تصرف دیا گیا ہو اور ایسی حالت عطاء کی گئی ہو کہ آسمانوں، زمینوں اور جنت سب سے حجاب اٹھ گیا ہو بغیر اس کے حضور ﷺ اپنے مقام سے آگے بڑھیں یا کہیں منتقل ہوں۔ اس لئے کہ امور آخرت اور احوال برزخ کا قیاس اس دنیا کے احوال پر نہیں کیا جاسکتا۔ جو مقید ہے اور جس کے حدود اور جہات نہایت تنگ ہیں۔ انتہی

اس عبارت سے بہت سے اشکال رفع ہو گئے اور احادیث کے درمیان تطبیق ہو گئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مقام میں جلوہ گر ہیں اور بغیر اس کے کہ اپنے مقام شریف سے تجاوز فرمائیں یا کہیں منتقل ہوں۔ زمینوں اور آسمانوں اور قبر انور جمیع ممکنہ کے ساتھ حضور ﷺ کو مساوی نسبت ہے اور ایک جگہ ہونے کے باوجود ہر جگہ موجود ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حجاب کو اٹھادیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ہر جگہ ہونے میں رکاوٹ کا موجب ہو۔

رہا یہ امر کہ دنیا میں یہ بات ناممکن ہے کہ ایک ہی وجود کئی جگہ یکساں موجود ہو تو اس کا جواب حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح دیا کہ دنیا کی حدود جہات بہت ہی تنگ واقع ہوئی ہیں اور عالم دنیا قیود کے ساتھ مقید ہے اس لئے عالم آخرت اور برزخ کا قیاس دنیا پر نہیں کیا جاسکتا۔

اور اس میں شک نہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بجا اور درست فرمایا۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقید پر غیر مقید کا قیاس کر لیا جائے کسی کوتاہ اور تنگ چیز کو فراخ اور وسیع شے کی طرح تسلیم کر لیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبر انور میں بھی ہیں اور جنت اعلیٰ میں بھی لہذا کوئی تعارض اور اشکال باقی نہ رہا۔ اس بیان سے دونوں مسلکوں کی تائید ہو جاتی ہے۔ یعنی حضور ﷺ کے جسد اقدس کی حیات روح مبارک کے اس میں پائے جانے کی وجہ سے بے یا کمال اتصال کی بناء پر۔ ہمارے نزدیک پہلا مسلک قوی اور رائج ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے

وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى (الصحنی آیت ۴)

اے محبوب ﷺ آپ کیلئے ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کیلئے کوئی ایسا وقت نہیں آئے گا۔ جس میں حضور ﷺ کی کوئی فضیلت پہلے سے کم ہو بلکہ ہر آنے والی گھڑی میں حضور کی فضیلتیں پہلے سے زیادہ ہوں گی۔

روح اقدس کا استقرار اگر جسم اقدس کے علاوہ کسی اور مقام میں ہو تو ”وَلَا خَيْرَ لَكَ مِنَ الْأُولَى“ کے خلاف لازم آئے گا۔ اس لئے کہ جسم اقدس سے روح مبارک کے قبض ہونے کے بعد اسے کوئی ایسی جگہ نہیں مل سکتی جو جسم مبارک سے زیادہ فضیلت والی ہو زیادہ طور پر کنار تمام کائنات میں کوئی جگہ حضور ﷺ کے جسم اقدس کے برابر بھی فضیلت رکھے والی نہیں کیونکہ علماء محققین نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ قبر انور اور زمین کا وہ حصہ جو حضور ﷺ کے اعضاء شریفہ سے متصل ہے تمام زمینوں اور آسمانوں اور کرسی اور یہاں تک کہ کعبہ مکرمہ اور عرش الہی سے افضل ہے۔ جسم اقدس سے اتصال (تعلق) رکھے والی زمین عرش اور کعبہ سے افضل ہوئی۔ تو خود جسم اقدس کا تو پھر کہنا ہی کیا ہے۔ چنانچہ الدر المتقی میں علامہ محمد علاء الدین الامام فرماتے ہیں

وما ضم اعضاء الشریفة افضل البقاع علی الاطلاق حتی من الکعبة ومن الكرسي وعرش الرحمن
جو زمین اعضاء شریفہ سے متصل ہے (یعنی قبر انور) مطلقاً تمام مقامات سے افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ سے اور کرسی اور عرش
رحمن سے بھی افضل ہے۔ (الدر المتقی بہامش مجمع الانہار جلد اول ص ۳۱۲) (یہ مضمون در مختار جلد دوم اور شامی جلد دوم ص
۳۵۱/۳۵۲ پر مرقوم ہے)

اگر روح مبارک جسم اقدس کے علاوہ کسی اور مقام پر ہو تو حضور ﷺ کی فضیلت پہلے سے کم ہو جائے گی۔ لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ روح اقدس جسم مبارک سے باہر نکلنے کے بعد پھر جسم اقدس میں واپس آگئی اور باہر نکلنا صرف قانون خداوندی کو پورا کرنے کے لئے تھا۔ روح مبارک کا جسم اقدس میں واپس آ جانا حضور ﷺ کی حسی، حقیقی اور جسمانی حیات طیبہ کو مستلزم ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُوْرٍ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ. آمِيْن

علم غیب النبی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ثبوت علم غیب میں شاندار علمی تحقیق

بعد الحمد و الصلوٰۃ

حضور سید عالم ﷺ کے لئے علوم غیبیہ جزئیہ (بعض علم غیب) ثابت ہونے میں آج تک کسی مسلمان نے اختلاف نہیں کیا حتیٰ کہ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب بھی تغیر الہو ان میں یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ

”یہاں اس میں کلام ہی نہیں کہ حضور کے علوم غیبیہ جزئیہ کمال ثبوت میں داخل ہیں اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کے لئے بعض علوم غیبیہ ماننا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ البتہ اہل سنت اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے اولیاء اللہ کو بھی علوم غیب میں سے کچھ حصہ ملتا ہے یا نہیں؟ معتزلہ اس کے منکر ہیں اور اہل سنت قائل ہیں۔ اہل سنت اس امر پر بھی متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں خصوصاً سیدہ الحجو بنین آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو غیب خمسہ میں سے بہت سے جزئیات کا علم عطا فرمایا جو شخص یہ کہے کہ کسی فرد کا علم کسی کو نہ دیا گیا وہ ہمارے نزدیک بد مذہب خائب و خاسر ہے۔

اب اس مسلک کو لیجئے کہ حضور سید عالم ﷺ کو بلا استثناء جمیع جزئیات خمسہ کا علم (جس میں تعیین وقت قیامت کا علم بھی شامل ہے) اور روز اول سے آخر تک ما کان وما یکون“ مندرجہ لوح محفوظ اور اس سے بہت زائد کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اہل سنت کے درمیان مختلف فیہ ہے لیکن جو لوگ محض بغض و عناد کی وجہ سے اس وسعت علم کا انکار کرتے ہیں اور حضور سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں نعوذ باللہ گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں یا گستاخوں کی گستاخیوں پر مطلع ہو کر ان میں اپاک تاویلیں کر کے ان توہینوں پر راضی ہوتے ہیں وہ اہل سنت کجا مسلمان بھی نہیں۔ اس لئے کہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ سے العیاذ باللہ بغض و عناد رکھنا یا ان کی شان مقدس میں توہین کرنا کفر خالص ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

حضور سید عالم ﷺ کے علم اقدس کے بارہ میں ہمارا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو روز اول سے روز آخر تک کا علم دیا اور تمام علوم مندرجہ لوح محفوظ نیز اپنی ذات و صفات کی معرفت سے متعلق بہت اور بے شمار علوم عطا فرمائے۔ جمیع جزئیات خمسہ کا علم دیا جس میں خاص وقت قیامت کا علم بھی شامل ہے۔ احوال جمیع مخلوقات تمام ماکان وما یکون کا علم عطا فرمایا لیکن باری ہمد حضور ﷺ کا علم عطائی ہونے کی وجہ سے حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی و قدیم۔ سرکارِ مدینہ ﷺ کا علم ہرگز اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی نہیں۔ علم رسول اللہ ﷺ متناہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ

☆ ”اور وہ (محمد رسول اللہ ﷺ) غیب پر بخیل نہیں۔“ نیز فرمایا

فَلَا يُظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنَ ارْزُقِيَ مِن رُّسُولٍ

☆ ”اللہ تعالیٰ اپنے غیب خاص پر سوائے اپنے رسولوں کے کسی کو مسلط نہیں فرماتا۔“

وَفَرَلْنَا عَلَيْكَ الْكَتُبَ ذِيانًا لَّكُلِّ شَيْءٍ

☆ ”اے حبیب ﷺ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ہر شے کو بیان کرنے والی ہے۔“

وَعَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا

☆ ”اور سکھایا تجھے اے محبوب ﷺ جو تو نہیں جانتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا فضل ہے۔“

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظِلَّكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ

☆ ”اور نہیں ہے اللہ کہ اے لوگو تمہیں غیب پر مطلع فرمائے اور لیکن اللہ تعالیٰ برگزیدہ کر لیتا ہے غیب کی اطلاع دینے کے لئے اپنے

رسولوں سے جس کو چاہتا ہے۔“

بخاری شریف میں حدیث ہے

عن طارق بن شهاب قال سمعت عمر رضی اللہ عنہ یقول قام فینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامًا فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذالك من حفظه ونسبه من نسبه

”طارق ابن شہاب نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا۔ فرمایا، حضور ﷺ میرا قدس پر ہمارے درمیان کھڑے

ہوئے اور ہمیں ابتدائے آفرینش عالم سے خبر دینی شروع فرمائی یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو گئے اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو

گئے۔ اس بیان مبارک کو جس نے (جتنا) یاد رکھا، یاد رکھا اور اسے جو بھول گیا وہ بھول گیا۔“ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۵۳)

اسی حدیث کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ یعنی شرح بخاری ج ۷ ص ۲۱۴ اور ص ۲۱۵ پر ارقام فرماتے ہیں

والغرض انه اخبر عن المبدء والمعاش والمعاد جميعا

”غرض یہ کہ حضور سرور عالم ﷺ نے مخلوقات کے مبداء اور معاش اور معاد سب کی خبر دی۔“ آگے چل کر فرماتے ہیں

وفيه دلالة على انه اخبر في المجلس الواحد بجميع احوال المخلوقات من ابتداءها الى انتهائها وفي ايراد

ذلك كله في مجلس واحد امر عظيم من خوارق العادة وكيف وقد اعطى جوامع الكلمة مع ذلك انتهى۔

”اور اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے تمام احوال کی خبر دی۔ ابتداء سے انتہا

تک اور ایک ہی مجلس میں اس کا وارد فرمانا خوارق عادت سے امر عظیم ہے اور کیوں نہ ہو؟ اس کے باوجود حضور ﷺ جوامع الکلم بھی

دیئے گئے ہیں۔“

ایسی ہی ایک حدیث مسلم شریف جلد ثانی ص ۳۳۳ پر حضرت عمرو بن الخطاب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کا

خلاصہ یہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے نماز فجر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک نماز گزشتہ اور آئندہ کے حالات بیان فرما

دیئے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۷۰۲ پر بروایت دارمی و ترمذی دو حدیثیں مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ

تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے مبارک سینہ میں پائی۔ پس میں نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو جان لیا اور دوسری حدیث میں ہے کہ ”میرے لئے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔“ حدیث مبارک ”فعلمت ما فی السموات والارض“ کے تحت حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ”اشعة اللمعات“ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں

پس دانستم ہر چہ در آسمان ہا و ہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمام علوم جزوی و کلی و احاطہ آں ”پس جان لیا میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا۔ یہ عبارت ہے تمام علوم جزوی و کلی کے حاصل ہونے اور اس کے احاطہ سے۔“

پھر یہی حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوة شریف میں ارقام فرماتے ہیں ہر چہ در دنیا است از زمان آدم تا ادا ان فقہ اولیٰ بروئے ﷺ منکشف ساختہ تا ہم احوال اور از اول تا آخر معلوم گردید یا ران خود را نیز بعضی از احوال خبر داد

”جو کچھ دنیا میں ہے آدم علیہ السلام کے زمانہ سے فقہ اولیٰ کے وقت تک حضور ﷺ پر سب منکشف فرما دیا۔ یہاں تک کہ تمام احوال اول سے آخر تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہو گئے اور اپنے صحابہ کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان میں سے بعض احوال کی خبر دی۔“

نیز فرماتے ہیں ”وہو با کل شیء علیم ط“ دوے ﷺ دانا است بر ہمہ چیز از شیونات ذات الہی و احکام صفات حق و اسماء و افعال و آثار و جمیع علوم ظاہر و باطل و اول و آخر احاطہ نمود و صدق فوق کل ذی علم علیم شدہ علیہ من الصلوٰۃ افضلہا و من التحیات اتمہا و اکملہا۔“ اور حضور ﷺ جاننے والے ہیں تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی شانوں سے اور احکام صفات حق و اسماء و افعال اور آثار سے اور تمام علوم ظاہر و باطن، اول و آخر سب کا حضور نے احاطہ کر لیا اور فوق کل ذی علم علیم کا مصداق ہو گئے۔ ان پر افضل ترین صلوٰۃ اور اتم و اکمل ترین تحیات ہوں۔

آیہ کریمہ ”وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا“ کے تحت تفسیر نیشاپوری میں مرقوم ہے لان روحہ صلی اللہ علیہ وسلم شاہد علی جمیع الارواح والقلوب والنفوس لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ روحی

یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب ہم ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی روح انور تمام عالم میں ہر ایک کی روح، ہر ایک کے دل ہر ایک کے نفس کا مشاہدہ فرماتی ہے۔ (کوئی روح، کوئی دل، کوئی نفس ان کی نظر اقدس

سے مخفی نہیں ہے اس لئے تو یہ سب پر گواہ بنا کر لائے جائیں گے کہ شاہد کے لئے مشاہدہ ضروری ہے (اس مشاہدہ کا سبب یہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میری روح اقدس کو پیدا فرمایا۔

جب حضور ﷺ سب سے پہلے پیدا ہوئے تو باقی جو کچھ ہوا وہ سب حضور ﷺ کے روبرو ہوا۔ لہذا ان سے کسی چیز کا پوشیدہ رہنا کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں

العارف ینجذب الی حین الحق فیصیر عبد اللہ فتجلی لہ کل شیء۔
 ”(حضور سید عالم ﷺ جو سید العارفین ہیں، کی شان اقدس کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جبکہ) عارف کا یہ حال ہے کہ جب وہ بارگاہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف کھینچ جاتا ہے اور مقرب بارگاہ ایزدی قرار پاتا ہے تو اس کے لئے ہر شے روشن ہو جاتی ہے۔“

مواہب اللدنیہ جلد اول ص ۵۰ پر امام قسطلانی فرماتے ہیں

وقال بعضهم ليس في الآية (يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي) دلالة على ان الله تعالى لم يطلع نبيه صلى الله عليه وسلم على حقيقة الروح بل يحتمل ان يكون اطلعه الله ولم يامر به ان يطلعهم وقد قالوا في علم الساعة نحو هذا والله اعلم. انتهى

”اور بعض علماء اعلام نے فرمایا کہ آیت کریمہ (يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي) میں اس بات پر دلالت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو مطلع فرمایا اور آپ کو اس بات کا امر نہ فرمایا ہو کہ آپ دوسروں کو مطلع فرمائیں اور علم قیامت کے متعلق بھی انہوں نے ایسا ہی کہا ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو وقت قیامت کا علم دے کر اس کے بتانے کا حکم نہ فرمایا ہو۔“

امام قرطبی شارح مسلم اور امام قسطلانی شارح بخاری اور ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ نے اپنی شروح میں ارقام فرمایا اور امام قرطبی کی عبارت امام بدرالدین عینی شارح صحیح بخاری نے عینی جلد اول ص ۳۳ پر نقل فرمائی

فمن ادعى علم شيء منها غير مستند الى رسول الله صلى الله عليه وسلم كان كاذبا في دعواه
 ”یعنی مغیبات خمس میں سے جو کوئی کسی شے کے علم کا دعویٰ کرے اور اس علم کو رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت نہ کرے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا۔“

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ حضور ﷺ پانچوں غیب جانتے ہیں اور اذن الہی سے اپنے جس غلام کو چاہیں بتا سکتے ہیں۔ جب ہی تو حضور ﷺ کی تعلیم سے ان کے علم کا دعویٰ کرنے والا کاذب ہونے سے بچے گا۔

حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزماں سید شریف عبدالعزیز مسعود حسنی رحمہ اللہ سے انکا ملفوظ شریف روایت کرتے ہیں
 هو صلى الله عليه وسلم لا يخفى عليه شيء من الخمس المذكورة في الآية الشريفة وكيف يخفى عليه ذلك والاقطاب السبعة من أمة الشريفة يعلمونها وهم دون الغوث فكيف بالغوث بسيد الاولين والآخرين الذي هو

سبب کل شیء ومنہ کل شیء

”یعنی آیہ کریمہ میں جو مغیبات خمس مذکور ہیں ان میں سے کوئی شے حضور ﷺ پر مخفی نہیں اور یہ چیزیں حضور ﷺ پر کیسے مخفی رہ سکتی ہیں حالانکہ حضور کی امت شریفہ کے سات قطب ان مغیبات خمس کو جانتے ہیں حالانکہ وہ غوث سے مرتبہ میں نیچے ہیں۔ پھر غوث کا کیا کہنا۔ پھر حضور سید عالم ﷺ کا کیا پوچھنا جو تمام اولین و آخرین سارے جہان کے سردار ہیں اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر چیز انہی سے ہے۔

علامہ شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر صاوی جلد ۴ ص ۳۴۵ پر آیہ کریمہ ”يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُوْسَاهَا“ کے تحت ارقام فرماتے ہیں

وهذا قبل اعلام بوقتها فلانها في انه صلى الله عليه وسلم لم يخرج من الدنيا حتى اعلمه الله بجميع مغيبات الدنيا والاخرة ولكن امر بكنم اشياء منها كما تقدم

”یہ آیت کریمہ حضور ﷺ کو وقت قیامت کا علم دینے سے پہلے ہے۔ لہذا آیت کریمہ کا مضمون اس مسلک کے خلاف ہرگز نہیں کہ حضور ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو دنیا و آخرت کے تمام مغیبات نہ بتا دیئے لیکن ان میں سے بعض چیزوں کے چھپانے کا حکم حضور کو دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ہماری اسی کتاب میں بار بار اس پر تنبیہ گزر چکی ہے۔“

علامہ عشاوی کتاب مستطاب عجب العجاہ شرح صلاۃ حضرت سیدی احمد بدوی کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں
قبل انه صلى الله تعالى عليه وسلم اوتى علمها (ای الخمس) في آخر الامر لكنه امر فيها بالكتمان ولهذا القول ۵ والصحيح

”کہا گیا نبی ﷺ کو آخر میں ان پانچوں غیبوں کا بھی علم عطا ہو گیا مگر ان کے چھپانے کا حکم تھا اور یہی قول صحیح ہے۔“
قرآن وحدیث وارشادات علمائے مفسرین ومحدثین وحضرات عارفین سے ہم نے اپنا مسلک ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کو تمام مخلوقات اور ساری کائنات کے جمیع احوال کا علم عطا فرمادیا اور تصریحات علمائے اسلام سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ قرآن وحدیث کے نصوص میں جو عموم ہے اس میں مغیبات خمس شامل ہیں اور صحیح مسلک یہی ہے۔

اب ان آیات کو سامنے رکھ لیجئے جس میں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ اپنے بیان میں ہم اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علوم غیبیہ غیر متناہی ہیں اور حضور سرور عالم ﷺ کے علوم متناہی۔ ظاہر ہے کہ متناہی غیر متناہی کا بعض ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے تمام علوم جمیع علوم غیر متناہیہ کا بعض ہیں۔

یاد رکھیے! جب آپ ہمارے کلام میں حضور ﷺ کے علم اقدس کے متعلق لفظ ”کُل“ دیکھیں تو اس سے کل غیر متناہی نہ سمجھیں بلکہ کل مخلوقات (جو متناہی ہے) اور اس کے علاوہ معرفت ذات وصفات کا علم کہ وہ بھی بالفعل متناہی ہے، ہماری مراد ہوگا۔ ورنہ علم الہی کی بہ نسبت ہم حضور ﷺ کے علم کو ”کُل“ نہیں کہتے کیونکہ علم الہی محیط الکل اور غیر متناہی ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور سید عالم ﷺ کے علوم کل غیر متناہی کا بعض ہیں تو بعض علم غیب کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ثابت کرنے میں ہمارا اور دیوبندیوں کا اختلاف نہ رہا کیونکہ وہ بھی بعض علوم غیبیہ حضور ﷺ کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا بعض بہت ہی کم ہے اور ہمارا بعض ان کے مقابلہ میں بہت زیادہ لیکن مطلق بعض علوم غیبیہ حضور ﷺ کے لئے ماننے میں ہم اور وہ دونوں شریک ہیں جیسا کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی عبارت تغیر العوان سے ہم عرض کر چکے ہیں۔

اس تفصیل کو سمجھ لینے کے بعد گزارش ہے کہ آیات نفی علم غیب جس طرح ہمارے مسلک کے خلاف ہیں بالکل اسی طرح دیوبندیوں کے بھی خلاف ہیں۔ اپنے مذہب کو صحیح کرنے کے لئے جو جواب دیوبندی دیں گے ہماری طرف سے بھی وہی جواب سمجھ لیں۔

اب اس جواب کی تفصیل سن لیجئے۔ آیات نفی علم غیب نفی علم بالاستقلال یا علم محیط غیر متناہی پر محمول ہیں ورنہ آیات قرآنیہ میں تعارض ہوگا کہ ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ وہ (محمد ﷺ) علم غیب پر بخیل نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو اپنے غیب خاص پر مطلع فرماتا ہے اور تمہیں غیب پر اطلاع نہیں دیتا لیکن اطلاع علی الغیب کے لئے اپنے رسولوں کو چن لیتا ہے اور دوسری جگہ یہ فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیب کا علم بھی کسی کو نہیں۔ یہ صاف تعارض و تناقض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ایسے اختلاف اور تعارض و تناقض سے پاک ہے۔ بلکہ قرآن مجید کے کلام الہی ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس میں اختلاف و تناقض نہیں پایا جاتا۔

قال الله تعالى ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا

☆ ”اگر قرآن مجید غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔“

اب ہم اپنے اس دعوے پر کہ آیات نفی میں علم استقلالی اور علم محیط الکل حقیقی کی نفی غیر اللہ سے کی گئی ہے، مفسرین و علماء راہنہ کی تصریحات پیش کرتے ہیں۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے

لا اعلم الغیب فیکون فیہ دلالة علی ان لغیب بالاستقلال لا یعلمہ الا اللہ۔

”آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو علم غیب بالاستقلال (بذات خود) ہو وہ اللہ کے ساتھ خاص ہے۔“ تفسیر انموذج جلیل میں ہے

معناه لا یعلم الغیب بلا دلیل الا اللہ او بلا تعلیم الا اللہ او جمیع الغیب الا اللہ۔

”آیت کے معنی یہ ہیں کہ غیب کو بلا دلیل و بلا تعلیم یا جمیع غیب غیر متناہی کو محیط ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔“ جامع الفصولین

میں ہے

یجاب بانہ یمن التوفیق بان المنفی هو العلم بالاستقلال لا العلم بالاعلام والمنفی ہی المجزوم بہ لا

المظنون۔ الخ

یعنی آیات نفی علم غیب عن غیر اللہ تعالیٰ و آیات ثبوت علم غیب بغير اللہ تعالیٰ میں اس طرح توفیق ممکن ہے کہ آیات نفی بالاستقلال یعنی

علم ذاتی پر محمول ہیں ان کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی کسی کو غیب کا علم نہیں ہو سکتا یا وہ علم جس کے ساتھ جزم کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور جو ظنی ہو وہ بغیر وحی والہام کے غیر اللہ کو بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ظن سے پاک ہے اور غیب کا یقینی علم اس کی طرف سے وحی والہام کے بغیر ناممکن ہے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں اور علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں

(هذه المعجزة) فی اطلاعہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الغیب (معلومة علی القطع) بحيث لا یمکن انکارها او التردد فیها لاحد من العقلاء لکثرة رواياتھا واتفاق معانیھا علی الاطلاع علی الغیب وهذا لا یتنا فی الایة الدالة علی انه لا یمکن العلم بالغیب الا اللہ وقوله لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر وفان المتفی علمہ من غیر واسطة واما اطلاعہ صلی اللہ علیہ وسلم باعلام اللہ تعالیٰ له فامر متحقق لقوله تعالیٰ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهِ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُولٍ ط

یعنی ”حضور ﷺ کا معجزہ علم غیب یقیناً ثابت ہے جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردد کی گنجائش نہیں کہ اس کے ثبوت میں احادیث کثیرہ وارد ہوئیں اور ان سب سے بالاتفاق حضور کا علم غیب ثابت ہے اور ان آیتوں کے کچھ منافی نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور یہ آیت کہ اے اللہ کے رسول کہہ دو اگر میں علم غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا۔ اس قسم کی تمام آیتیں حضور ﷺ کے معجزہ علم غیب کے اس لئے منافی نہیں کہ ان میں نفی اس علم کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بغیر بتائے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بتانے سے نبی ﷺ کو علم غیب ملتا تو قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔“

رواہ المختار میں صاحب ہدایہ کی مختارات النوازل سے منقول ہے۔

لواء علی الغیب بنفسہ ینکفر

☆ ”اگر کوئی شخص بذات خود علم حاصل کر لینے کا دعویٰ کرے تو کافر ہے۔“

بعض لوگ حضور ﷺ کے علم غیب کی نفی میں فتاویٰ قاضی خان کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے نکاح کا گواہ بنا کر نکاح کیا تو وہ کافر ہے اس لئے کہ اس نے حضور ﷺ کے لئے علم غیب مانا۔ اس کا جواب شامی میں اس طرح مذکور ہے (جل ۳۸ ج ۲)

قال فی التارخانیة وفی الحجة ذکر فی الملتقط انه لا ینکفر لان الاشياء تعرض علی روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان الرسل یعرفون بعض الغیب وقال اللہ تعالیٰ عالم الغیب فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهِ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُولٍ ا ۵ قلت بل ذکرُوا فی کتب العقائد ان من جملة کرامات الاولیاء الاطلاع علی بعض المغیبات وردوا علی المعتزلة المستدلین بهذه الایة علی نفيها۔

یعنی ”فتاویٰ تارخانہ اور حجت میں فرمایا کہ ملقط میں ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو نکاح میں گواہ بنانے والا کافر نہ ہوگا اس لئے کہ اشیاء حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس پیش کی جاتی ہیں اور بے شک رسولوں کو (علوم الہیہ غیر متناہیہ کا) بعض علم (متناہی) حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیب پر سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ ائمہ اہل سنت نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ بعض علم غیب کا ہونا اولیاء اللہ کی کرامت سے ہے (اور معتزلہ نے اس آیت سے اولیاء کے علم غیب کا انکار کیا) ائمہ اہل سنت نے ان کا رد فرمایا کہ آیت کریمہ میں غیب خاص کا ذکر ہے جو غیر رسول کو نہیں دیا جاتا۔ یا یوں کہئے کہ بواسطہ رسول کسی کو علم غیب حاصل ہونے کی نفی آیہ کریمہ میں نہیں ہے۔“

تفسیر جمل شرح جلالین اور تفسیر خازن میں ہے

المعنى لا اعلم الغيب الا ان يطلعني الله تعالى

یعنی ”آیہ کریمہ میں جوارشاد ہوا کہ فرمادو میں غیب نہیں جانتا اس کے معنی یہ ہیں کہ بے خدا کے بتائے نہیں جانتا۔“

یہاں تک ہم نے ائمہ تفاسیر اور علماء راہنہین معتمد علیہم کی تصریحات نقل کر کے ثابت کر دیا کہ نفی علم غیب کی آیاتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر بتائے کسی کو غیب کا علم نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ کہ کل علم غیر متناہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے وہ کسی کے لئے ثابت نہیں اور آیات ثبوت علم غیب کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے اللہ کے رسولوں کو علم غیب حاصل ہے۔ نیز یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا علم خواہ وہ کائنات ذرہ ذرہ اور مخلوقات کے جمیع احوال کو محیط ہو (جیسا کہ حضور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا علم ہے) لیکن اس کے باوجود بھی وہ متناہی بالفعل اور محدود ہے۔ علم الہی کے مساوی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضور ﷺ کا خطاب جب عوام کی طرف ہوتا ہے تو ان سے حضور ان کی عقل کے مطابق ہی کلام فرماتے ہیں۔ اس لئے اس کو ظاہر پر محمول کرنا اور دوسرے دلائل سے قطع نظر کر لینا مرد عاقل کے شایان شان نہیں۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ لَمْ يَقُلْ لَيْسَ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ لِيَعْلَمَ أَنْ خَزَائِنُ اللَّهِ وَهِيَ الْعِلْمُ بِحَقَائِقِ الْأَشْيَاءِ وَمَاهِيَاتِهَا عِنْدَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ لَكُمُ الْغَيْبُ وَلَكِنْ كَلَّمَ النَّاسَ عَلَى عَقُولِهِمْ (وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ) أَيْ لَا أَقُولُ لَكُمْ وَهَذَا مَعَ أَنَّهُ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمْتُ مَا كَانَ وَمَا سَيَكُونُ مُخْتَصَرًا۔

یعنی ”ارشاد ہوا کہ اے نبی فرمادہ کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس نہیں (بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں) تاکہ معلوم ہو جائے اللہ تعالیٰ کے خزانے حضور اقدس ﷺ کے پاس ہیں (مگر حضور لوگوں سے ان کی سمجھ کے قابل باتیں بیان فرماتے ہیں) اور وہ خزانے کیا ہیں؟ ”تمام اشیاء کی ماہیت و حقیقت کا علم“ حضور ﷺ نے اس کے ملنے کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ پھر فرمایا

☆ ”اور میں غیب نہیں جانتا“

یعنی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم ہے۔ ورنہ حضور تو خود فرماتے ہیں کہ مجھے ”ما کان وما یکون“ کا علم ملا۔ یعنی جو کچھ گزرا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ (انتہی)

علامہ نیشاپوری کے اس نورانی بیان سے منکرین کے وہی شکوک و اوہام کا اچھی طرح قلع قمع ہو گیا۔ والحمد للہ علی احسانہ۔ اس مضمون کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ منکرین کے بعض شبہات جو اس مسئلہ میں وہ پیش کرتے ہیں خوب تفصیل سے زائل کئے جاتے۔ لیکن قصداً اختصار کے باوجود مضمون طویل ہو گیا اس لئے بسط و تفصیل کی گنجائش نہیں مگر اجمالاً ان کے تمام شکوک کا ازالہ مختصر عبارت میں کرتا ہوں۔ اگر غور سے کام لیا گیا تو ان شاء اللہ العزیز یہ اجمال ہی تفصیل کا کام دے گا۔

پہلا شبہ یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کو تمام مخلوق کے جمیع احوال کا علم تھا۔ بعض حالات میں حضور ﷺ نے لاعلمی کا اظہار کیوں فرمایا؟ یا ایسے کام کیوں کئے جن سے لاعلمی ظاہر ہوتی ہے؟

مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کے معاملہ میں حضور ﷺ نے لاعلمی ظاہر فرمائی۔ یا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کے ہار کا واقعہ عدم علم کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح خیبر میں ایک یہودیہ کا بکری کے شانہ میں زہر ملا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دینا اور حضور کا اس میں سے کچھ کھالینا، اسی طرح ستر قاریوں کا کفار کے ساتھ بھیجنا اور ان کی شبہات کا واقعہ وغیرہ جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں نہیں۔

ان تمام اعتراضات کے جوابات یہ ہیں

۱۔ اول یہ کہ ہم حضور ﷺ کے لئے جو ”ما کان وما یکون“ کا علم ثابت کرتے ہیں وہ تدریجاً ہے اس لئے جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ فلاں بات کا علم حضور کو آخر عمر شریف تک نہ دیا گیا اس وقت تک ہمارا دعویٰ باطل ہو نہیں سکتا۔

۲۔ رہا قیامت کا واقعہ جس میں مذکور ہے کہ جماعت مرتدین کو حضور ﷺ اصباحی اصباحی فرما کر بلائیں گے اور اس وقت کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم، انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور کو قیامت کے دن بھی بعض باتوں کا علم نہ ہوگا۔ یہ عجیب قسم کا شبہ ہے جو دلیل مثبت علم ہوا اس کو نفی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ غور فرمائیے یہ واقعہ قیامت کے دن ہوگا لیکن حضور ﷺ اس کو پہلے بیان فرما رہے ہیں ”علم نہ تھا تو بیان کیسے فرمایا؟“

۳۔ رہی یہ بات کہ پھر حضور سے یہ کیوں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم شریف جلد ثانی مطبوعہ مطبعہ انصاری دہلی ص ۲۴۹ میں منکرین کی یہی پیش کردہ حدیث بایں الفاظ موجود ہے۔

فبقال اما شعرت ما عملوا بعدك

یعنی ”حضور ﷺ سے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا کئے۔“

”ما شعرت“ جملہ منفیہ پر ہمزہ استفہام انکاری داخل ہوا۔ نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے۔ لہذا حدیث مبارک سے مرتدین کے اعمال کا علم حضور سید عالم ﷺ کے لئے ثابت ہوا۔ چونکہ واقعہ ایک ہے، صرف اس کی روایتوں میں تعدد ہے اس لئے جب ایک روایت میں

ہمزہ استفہام مذکور ہو گیا تو ہر روایت میں اس کے معنی ملحوظ رہیں گے اور جس روایت میں وہ مذکور نہیں وہاں محذوف ماننا پڑے گا۔ مثلاً ”انک لا تدری“ والی آیت میں ہمزہ مذکور نہیں تو یہاں محذوف مانیں گے اور اصل عبارت یوں ہوگی کہ ”انک لا تدری“ کیا آپ نہیں جانتے؟..... ورنہ حدیثوں میں تعارض ہوگا کیونکہ ہمزہ استفہام کا محذوف ہونا تو صحیح ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں محذوف ہے۔ حضرت ابراہیم کا مقولہ ”ہذا ربی“ میں مفسرین نے ”اہذا ربی“ فرمایا ہے۔ یعنی کیا میرا رب ہے لیکن اس کا زائد ہونا صحیح نہیں۔

اگر ”انک لا تدری“ والی روایت میں ہمزہ استفہام محذوف نہ مانیں تو ”اما شعرت“ والی روایت میں ہمزہ کو محذوف ماننا پڑے گا جو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جبکہ حضور سید عالم ﷺ کے کمال علمی کی نفی ہوتی ہو۔ پھر یہ کہ احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی امت کے تمام اچھے اور برے اعمال کا علم ہے۔ ترمذی شریف میں حدیث وارد ہے

عرضت علی اعمال امتی حسنہا و قبیحہا

☆ ”میری امت کے تمام اچھے اور برے اعمال مجھ پر پیش کئے گئے“

اب غور فرمائیے کہ مرتدین بھی حضور ﷺ کی امت میں داخل تھے۔ ان کا مرتد ہونا عمل قبیح ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔ جب امت کے تمام اعمال حسنہ اور قبیحہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے تو ان کا ارتداد جو عمل قبیح ہے وہ بھی ضرور پیش ہوا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے عملوں کا علم نہ ہونا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ حدیث مذکور کے یہی معنی صحیح ہیں کہ اے حبیب ﷺ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا عمل کئے۔ آپ کو معلوم تو ہے پھر بھی آپ غلبہ رحمت کے حال میں ان کو اپنی طرف لے جا رہے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب کریم کو سخاوت کرنے کے لئے بٹھا دیا جائے تو اس وقت اس کے دریاے سخا میں ایسا جوش ہوتا ہے کہ دشمن کی دشمنی کی طرف اس کی توجہ نہیں رہتی اور وہ بے اختیار اپنے کرم کا دامن اس کی طرف پھیلا دیتا ہے۔ جب اسے توجہ دلائی جائے تو اس وقت متوجہ ہوتا ہے۔“

یہاں بالکل یہی معاملہ ہے۔

ساتی کوثر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حوض کوثر پر رونق افروز ہیں۔ اپنے غلاموں کو چھلکتے ہوئے جام پلا رہے ہیں۔ مرتدین کی جماعت ادھر سے گزرتی ہے۔ حضور کو ان کے عملوں کا پورا پورا علم ہے مگر اس وقت دریاے جود و سخا موجزن اور شان رحمت کا ظہور اتم ہے اسلئے ان کی بد اعمالیوں کی طرف خیال مبارک جاتا ہی نہیں اور اپنے لطف عمیم اور کرم جسیم کے غلبہ حال میں بے اختیار فرما دیتے ہیں، اصیحابی اصیحابی۔

لیکن جب توجہ دلائی جاتی ہے کہ ”اما شعرت ما احداثا بعدک“ پیارے! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا؟

پس فوراً توجہ مبارک ان کی بد اعمالیوں کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور ارشاد فرماتے ہیں ”سحقاً سحقاً“ انہیں دور لے جاؤ، دور لے جاؤ!

طالب حق کے لئے اس حدیث کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے یہ بیان کافی ہے۔
مکرمین کا ایک شبہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روز قیامت شفاعت کے موقع پر جب میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دوں گا اور طویل سجدہ کروں گا اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے چند محامد مجھے تعلیم فرمائے گا جو اس وقت مجھے معلوم نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور کو تمام ”ما کسان وما یکون“ کا علم نہ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو حدیث پاک میں حضور ﷺ نے حقیقت علم کی نفی نہیں فرمائی۔ ارشاد فرمایا ”لا تحضرنی الان“ وہ محامد اس وقت میرے ذہن اقدس میں حاضر نہیں۔ کسی بات کا ذہن میں حاضر نہ ہونا عدم علم کو مستلزم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کا علم ہو مگر کسی وقت اس کا استحضار نہ ہو اور اگر ”لا تحضرنی الان“ کے یہی معنی کئے جائیں کہ اس وقت مجھے معلوم نہیں تو اس سے یہ کب لازم آیا کہ وقت وصال تک ان کا علم نہ ہوگا۔ بہر نوع اس حدیث سے بھی ہمارے مسلک پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

رہا یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کے علم کا تو بخاری شریف میں اسی حدیث افک میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”واللہ ما علمت علی اہلی الا خیر“ خدا کی قسم! میں نے اپنے اہل مقدس پر بجز خیر کے کچھ نہیں جانا۔ اس واقعہ میں حضور ﷺ کا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے توجہ کو کم کر دینا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس تہمت کے بعد غیرت محمدیہ ﷺ کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک یہ معاملہ اللہ کی طرف سے صاف نہ ہو اس وقت تک سرکار توجہ میں کی فرمائیں تاکہ کسی دشمن کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حضور ﷺ کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں۔

حضور ﷺ کا غمگین ہونا بھی اس وجہ سے تھا کہ حضور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے گناہی کا یقین رکھتے تھے۔ صدمہ تو یہی تھا کہ بے گناہ پر تہمت لگی۔ اگر ان کی بے گناہی کا علم نہ ہوتا تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوتا۔ اگر آج ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کو بے گناہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا تو ہمیں ضرور صدمہ ہوگا اور اگر اس کی بے گناہی کا علم نہ ہو تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوگا۔

حضور ﷺ نے حضرت صدیقہ کے معاملہ کی تفتیش خود علم حاصل کرنے کے لئے نہیں فرمائی بلکہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی کو ان مسلمانوں کے ذہن میں قائم کرنے کے لئے فرمائی جو مسلمان ہونے کے باوجود تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے۔ جب ان کے دلوں میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے بدگمانی راسخ ہو چکی تھی تو بمقتضائے فطرت بشر یہ یہ بات قرین قیاس تھی کہ حضور ﷺ ان سے بذات خود صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی پر زور دیں تو شاید وہ سرکار کے حق میں بھی بدگمان ہو

جائیں اور یہ خیال کریں کہ ان کی عزت کا معاملہ ہے اس لئے اس طرح فرما رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان پر اس معاملہ میں زور نہیں دیا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ ہمارے حق میں بدگمان ہو کر کفر و ارتداد تک پہنچ جائیں۔ یہاں یہ شبہ کرنا کہ حضور ﷺ کا مقولہ ”واللہ ما علمت علی اہلی الا خیر“ ان اصحاب نے بھی سنا ہوگا پھر بھی یہ اپنی بدگمانی پر قائم رہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اول تو یہ ثابت نہیں کہ بدگمانی کرنے والے صحابہ نے یہی جملہ حضور ﷺ سے سنا ہوا اور اگر بالفرض سنا بھی ہو تو اپنے قیاس سے اس کو محض حسن ظن پر محمول کیا ہوگا۔ بہر حال اس تحقیق و تفتیش کی حکمت صرف یہ تھی کہ اسبابِ عادیہ مالموفہ طبائع بشریہ کے ذریعہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پوزیشن کو بدگمانی کرنے والے مسلمانوں کے ذہن میں بھی واضح و اصراف کر دیا جائے اور منافقین پر بھی حجت قائم کر دی جائے کہ یہ کھواتی تحقیق کے بعد بھی کوئی برائی ظاہر نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی برائی پائی ہی نہیں جاتی۔

ایک مہینہ یا اس سے زائد تک اس معاملہ کو طول دینے کی حکمت بھی یہی تھی کہ اگر جلدی سے معاملہ ختم کر دیا جاتا تو لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات رہ جاتے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حکمتِ عملی کے مطابق معاملہ کو طول دیا کہ جس طرح چاہو اس طویل عرصہ میں واقعات کی چھان بین کر لو۔ جب کوئی برائی موجود ہی نہیں تو ظاہر کہاں سے ہوگی۔ دیکھئے اگر کسی پر تہمت لگائی جائے کہ تم نے ہمارے سو روپے چرائے ہیں اور وہ شخص متہم کو اپنے کپڑوں میں تلاشی دینے لگے اور اپنے گھر اور سامان کی ایک ایک چیز لا کر دکھائے اور لوگوں سے دریافت کرائے کہ بھائی تم نے میرے پاس سو روپے دیکھے ہیں، تمہیں علم ہے بھائی بتاؤ میں نے بھی چوری کی ہے تو اس کا کیا مطلب ہے کیا اس تحقیق کرنے والے کو اپنا حال معلوم نہیں؟ کیا یہ خود اپنا علم حاصل کرنے کے لئے معاملہ کو طول دے کر اس کی تحقیق کر رہا ہے؟

نہیں نہیں! بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اچھی طرح اس معاملہ کی تحقیق نہ کرائی گئی تو بے گناہی واضح نہ ہوگی اور لوگوں کے دلوں میں میری طرف سے بدگمانی باقی رہے گی۔

بالکل یہی معاملہ یہاں تھا۔ سرورِ کائنات ﷺ کو صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی کا یقین تھا مگر ان حکمتوں کے پیش نظر بے تو جہی اور تحقیق و تفتیش کرائی گئی اور معاملہ کو طول دیا گیا تا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی ہر طریقہ سے ظاہر ہو جائے۔ اسی حکمت کے تحت ان کی برأت قرآن مجید میں تاخیر سے نازل ہوئی۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب سرکارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا کہ اے صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! اگر تم سے کوئی گناہ ہوا ہے تو تم توبہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ حضور خود علم حاصل کرنے کے لئے یہ بات نہیں فرما رہے بلکہ دوسروں کے اذہان کو میرے حق میں بدگمانی سے پاک فرمانے کے لئے یہ کلماتِ طیبات ارشاد ہو رہے ہیں لہذا جواب میں جمع کے صیغہ بولتی ہیں اور ایسے الفاظ استعمال فرماتی ہیں جن کے مخاطب حقیقتاً حضور ﷺ ہو ہی نہیں سکتے۔ فرماتی ہیں

انی واللہ لقد علمت لقد سمعتم هذا الحديث حتى استقرني انفسكم وصدقتم به فلئن قلت لكم اني برئة لا تصدقوني ولئن اعترفت لكم بامر واللہ يعلم اني منه بريئة تصدقني فواللہ لا اجدلي ولكم مثالا ابا يوسف حين قال فصبر جميل واللہ المستعان على ما تصفون. (بخاری شرف جلد ثانی صفحہ ۵۹۶)

”خدا کی قسم! مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں نے یہ بات سنی ہے اور تمہارے دلوں میں قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ اگر میں تم سے کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو تم ہرگز میری تصدیق نہ کرو گے اور اگر تمہارے سامنے کسی ایسے کام کا اقرار کر لوں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو مجھے چامان لو گے۔ تو خدا کی قسم! جب میرے اور تمہارے لئے سوائے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اور مثل نہیں ہیں جب انہوں نے یہ فرمایا کہ

”فصبر جميل واللہ المستعان على ما تصفون“

خدا کے لئے ان الفاظ پر غور فرمائیے کہ یہ بات تمہارے دلوں میں قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ کیا اس کلام کے مخاطب حضور ﷺ ہو سکتے ہیں؟ کیا سرورِ عالم ﷺ کے قلب اطہر میں نعوذ باللہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برائی بیٹھ چکی تھی؟ کیا حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمادی تھی؟ جو لوگ اس معاملہ میں حضور ﷺ کے علم کے منکر ہیں وہ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ حضور ﷺ نے تو قسم کھا کر ارشاد فرمایا تھا کہ ”واللہ ما علمت علی اہلی الا خیر“ اس کلام کو اگر حسن ظن پر بھی محمول کر دیا جائے تب بھی حضرت عائشہ کے متعلق حضور ﷺ کا حسن ظن ثابت ہوگا۔ حسن ظن کے ساتھ ان کی برائی کا دل میں بیٹھ جانا اور اس کی تصدیق کر دینا کیسے جمع ہو سکتا ہے؟

معلوم ہوا کہ حضرت صدیقہ نے اگرچہ بظاہر حضور کو مخاطب بنایا مگر اپنے اس خطاب کا رخ انہی لوگوں کی طرف رکھا جو منافقین کے بہکانے میں آ کر مسلمان ہونے کے باوجود تہمت لگانے میں مبتلا ہو گئے تھے اور ان کے دل میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے برائی بیٹھ گئی تھی اور انہوں نے تہمت لگا کر اس کی تصدیق بھی کر دی تھی۔ اگر اس کلام کے مخاطب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں تو نعوذ باللہ حضور بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہوں گے کیونکہ کسی پر برائی کی تصدیق کرنا ہی تہمت ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ اس سے پاک ہیں۔

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک حدیث نقل کی۔

ما دفت امرأة فی قط

☆ ”کسی نبی کی بیوی نے کبھی بے حیائی کا کام نہیں کیا۔“

حضرت ابن عباس ایسی بات جو عقل سے وراء الوراء ہے اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے۔ یقیناً حضور ﷺ سے سن کر فرما رہے ہیں۔ لہذا حدیث حکماً مرفوع ہوئی۔

اس حدیث میں حضور سرورِ عالم ﷺ نے ایک ایسے امر کا بیان فرمایا جو لوازماتِ نبوت سے ہے اور وہ یہ کہ کسی نبی کی بیوی بدکار نہیں

ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کی بیوی بدکار ہو وہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہوتا ہے اور اس کی بات بالکل حقیر ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں ایسے شخص کی بات کا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ اگر اس میں ذرا بھی حیا کا مادہ ہے تو وہ لوگوں کے سامنے منہ نہیں دکھا سکتا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام ہدایت خلق اور پیغامات ربانی پہنچانے کے لئے دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں۔ نعوذ باللہ وہ ذلیل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو ذلت کے اسباب سے محفوظ رکھتا ہے۔ ان کی بات حقیر نہیں ہو سکتی۔ اگر نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام کی بیویوں سے ایسی ناشائستہ حرکات سرزد ہوں تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ ایسی صورت میں احکام الہی کی تبلیغ کس طرح ہو سکتی ہے؟ لہذا انبیاء علیہم السلام کی بیویوں سے بے حیائی متصور نہیں۔ بعض انبیاء کی بیویاں کافرہ ہوئیں لیکن بے حیا نہیں ہوئیں۔ کفر تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے مگر اس میں فحش اور بے حیائی نہیں ہے۔

جب آپ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ خود حضور نبی کریم ﷺ نے ازواج انبیاء کی پاک دائمی اور عفت کا لازمہ نبوت ہونا بیان فرمایا ہے تو اب اس امر پر غور فرمائیے کہ حضور سرور عالم ﷺ حضرت صدیقہ کی پاکی میں کس طرح شک فرما سکتے ہیں۔ اگر صدیقہ کی پاکی حضور ﷺ کے نزدیک یقینی نہ ہو تو پھر اپنی نبوت بھی نعوذ باللہ سرکار کے نزدیک یقینی نہ رہے گی۔ جب حضور ﷺ کا اپنی نبوت پر ایمان ہے اور حضور یہ بھی جانتے ہیں کہ نبی کی بیوی پاک ہوتی ہے تو ان دونوں کے ملانے سے نتیجہ واضح ہو جاتا ہے کہ آقائے نامدار ﷺ کو صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی پر ذرہ برابر بھی شک نہ تھا کیونکہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی میں شک خود حضور ﷺ کی اپنی رسالت میں شک کو مستلزم ہے اور حضور اپنی رسالت میں شک کرنے سے بالکل پاک ہیں لہذا صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی میں شک کرنے سے بھی حضور قطعاً پاک اور مبرا ہیں۔

اس کے بعد دوسرے شبہات کو لیجئے کہ حضور ﷺ نے زہر آمیز گوشت کیوں کھایا؟ ستر قاریوں کو دھوکہ دے کر شہید کر دیا گیا تھا، کیوں؟ حضرت صدیقہ کے ہار کا حال کیوں نہ معلوم ہوا؟ وغیرہ وغیرہ

ان کے متعلق ایک جواب تو ہم پہلے دے چکے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے تمام وقائع کو لاعلمی محمول کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ جب ”کُل“ اور ”مَا“ وغیرہ الفاظ عموم قرآن وحدیث وارد ہو چکے اور ان میں کسی قسم کی تخصیص شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے نہیں ہوئی تو ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ ان واقعات کو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی لاعلمی پر محمول کریں۔ کیا یہ جائز نہیں کہ حضور ﷺ کے علم کے باوجود اللہ تعالیٰ کسی حکمت ومصلحت کی بنا پر کسی امر خاص کی طرف حضور کی توجہ ہٹا دے یا کوئی خاص بات حضور ﷺ سے بھلا دے۔

کسی حکمت کی بنا پر (خواہ اسے ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں) حضور ﷺ پر ذہول ونسیان کا طاری ہونا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ یہ شان اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کہ ذہول ونسیان وعدم توجہ وغیرہ سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں ایک یہ فرق بھی ہے کہ علم الہی میں کسی قسم کا تغیر جائز نہیں اور حضور کے علم میں زیادتی، ذہول ونسیان جائز ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہار کی طرف سے حضور کے ذہول میں یہ حکمت تھی کہ صحابہ جن کے پاس اس سفر میں پانی نہ تھا اور اس وقت تک تیمم کا حکم بھی نہ آیا تھا، ہار کی گمشدگی کے باعث بے وضو نماز پڑھنے کے مرحلہ تک پہنچ جائیں اور ان کے لئے مجبوری کی وہ حالت پیدا ہو جائے جو تیمم جائز ہونے کی شرط ہے اور پھر اللہ تعالیٰ تیمم کا حکم نازل فرمائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر یہ واقعہ ظہور پذیر نہ ہوتا تو اس کے ساتھ جن احکام شرعیہ کا تعلق تھا وہ کیسے مرتب ہوتے؟

ستر قاریوں کی شہادت جو ان کے حق میں عظیم الشان کمال تھا کیونکر ظاہر ہوتا، اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی توجہ ان کے واقعہ شہادت سے نہ ہٹا دیتا؟

حضور سید عالم ﷺ پر اگر ذہول طاری نہ ہوتا تو زہر کے اثر سے شہادت کا جو کمال حاصل ہوا وہ اسباب ظاہری سے کیسے حاصل ہوتا؟

ہمارے اس بیان سے آپ کے سوال پر بھی روشنی پڑ گئی کہ حضور ﷺ کو ہر چیز کا علم ہر وقت ہے یا نہیں؟ ہر چیز سے مراد تو وہی جمیع مخلوقات از ابتدا تا دخول جنت و نار ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر متناہی اشیاء ہرگز مراد نہیں اور ہر وقت علم ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کی طرف توجہ بھی ہر وقت رہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ حضور ﷺ پر ذہول و نسیان جائز ہے اور یہ امر بالکل محتاج بیان نہیں کہ ذہول و نسیان علم کے منافی نہیں بلکہ یہ امور مثبت علم ہیں کیونکہ جو چیز معلوم ہی ہو اس کی طرف سے توجہ کا ہٹنا یا اسے بھولنا متصور ہی نہیں۔

رہا یہ امر کہ عدم توجہ اور نسیان کے بعد لاعلمی ہوگی لہذا حضور ﷺ کے لئے عدم علم ثابت ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف توجہ نہ رہنا یا اس کا بھول جانا لاعلمی کو مستلزم نہیں۔ اگر ایسا ہو تو ایک دفعہ بھولی ہوئی چیز کبھی یاد ہی نہ آئے لیکن بے شمار بھولی ہوئی باتیں یاد آ جاتی ہیں۔ اگر بھول کی وجہ سے علم زائل ہو جاتا تو وہ بات کبھی یاد نہ آتی۔ اسی طرح ایک امر معلوم کی طرف سے توجہ ہٹنے کے بعد جب اس کی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے تو وہ امر معلوم اجنبی نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس کی حیثیت معلومیہ وہی ہوتی ہے جو پہلے تھی۔ یہ بھی بقائے علم کی دلیل ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ برے علم جیسے جادو وغیرہ حضور ﷺ کے لائق نہیں مگر انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نعم فی نفسہ مذموم نہیں۔ البتہ اس میں عمل کی طرف سے برائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر علوم فی نفسہ برے ہوں تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کا عالم ہے۔ نعوذ باللہ اس کی ذات پاک کی طرف برائی منسوب ہوگی۔

یہاں ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حضور کا علم غیب وحی کے ذریعہ تھا جو بات جبریل علیہ السلام نے بتادی وہ حضور کو معلوم ہو گئی۔ اس علم کو غیب کیونکر کہا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک حضور ﷺ کا علم وحی الہی اور تعلیم ایزدی کے ذریعہ حاصل ہوا لیکن وحی الہی کو صرف جبریل علیہ السلام کے پیغام میں منحصر سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں۔ وحی الہی حضور کو خواب میں بھی ہوتی تھی۔ حدیث پاک میں وارد ہے ”رویا الانبیاء

وحی“ (انبیاء علیہم السلام کی خواب وحی ہے)

وحی القاء کے ساتھ بھی ہوتی تھی۔ یعنی قلب اطہر میں کسی بات کا ڈال دینا اور حقیقت یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام قرآن کریم ضرور لائے لیکن علم قرآن حضرت جبریل کے واسطہ کا محتاج نہیں۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب اللدنیہ شریف جلد ثانی ص ۲۹ پر ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

وعلمنی القرآن فکان جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام یدکرنی بہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے (شب معراج) مجھے تمام قرآن مجید تعلیم فرمایا تو جبریل علیہ السلام مجھے وہ قرآن یاد دلاتے تھے۔

یہ بات قرآن وحدیث کی روشنی میں بالکل غلط ہے کہ جبریل علیہ السلام نے جو بات حضور کو بتادی معلوم ہوگئی، ورنہ نہیں۔

دیکھئے بخاری شریف، مسلم شریف، مسند امام احمد وغیرہ کتب احادیث میں باسانید متعدد یہ حدیث مروی ہے کہ

انی لاراکم من خلفی کما راکم من بین یدی

☆ ”میں تمہیں اپنے پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں جیسے اپنے آگے سے دیکھتا ہوں۔“

اور محدثین نے تخصیص کو رد فرما کر عموم کو ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو نور نبوت عطا فرمایا ہے اس کے ذریعے علم کا حاصل

ہونا یہ بھی تو تعلیم ایزدی میں شامل ہے جس کے ادراک کا ذکر حدیث سابق میں آپ نے پڑھا۔ نیز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ

اللہ علیہ تفسیر عزیزی جلد اول ص ۵۱۸ پر ”وَبَكُونُ الرَّسُولِ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

یعنی و باشد رسول شاہ گواہ۔ میرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کدر کلام درجہ از دین من رسیدہ۔ وحقیقت

ایمان او چست و جابے کہ بداں از ترقی محبوب ماندہ کلام است۔ پس اومی شناسد گناہان شمارا و در جات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و

اخلاص و نفاق شمارا و لہذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است۔ انتہی

اور زرقانی شریف جلد اول ص ۲۰ پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ

ور ابعھا ان لہ صفة بہا یدرک بہا ما سیکون فی الغیب

یعنی ”نبی میں چوتھی صفت یہ ہے کہ اس کی ذات میں ایک ایسا نور (یعنی نور نبوت) ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان باتوں کا ادراک

کرتا ہے جو غیب میں آئندہ آنے والی ہیں۔“ مواہب اللدنیہ اور شفاء قاضی عیاض میں ہے

النبوة ہی الاطلاع علی الغیب

☆ یعنی ”نبوت کے معنی یہ ہیں کہ غیب کا جاننا“

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف حضرت شیخ ابو عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں

نعتقد ان العبد ینقل فی الاحوال حتی یرى الی نعت الروحانیۃ فیعلم الغیب

”ہم اعتقاد کرتے ہیں کہ بندہ ترقی مقامات پا کر روحانی صفت تک پہنچتا ہے اس وقت وہ غیب جانتا ہے۔“

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح فقہ اکبر میں حضرت ابوسلیمان دارانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں

الفراسة مكاشفة النفس ومعانة الغيب

☆ ”فراست نفس کے مکاشفہ اور غیب کے معائنہ کو کہتے ہیں۔“

الیواقیت والجواہر میں امام شعرانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

للمجتهدین القدم الراسخ فی علوم الغیب

☆ ”مجتہدین کے لئے علوم غیبیہ مضبوط قدم ہے۔“

ان عبارات سے ایک تو یہ امر واضح ہو گیا کہ جو لوگ حضور ﷺ کو حصول علوم میں جبریل علیہ السلام کا محتاج بتاتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ حضور ﷺ کے جمیع علوم عطائے الہی ہیں اور عطائے الہی جبریل علیہ السلام کے واسطہ میں منحصر نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کا نور نبوت بھی عطیہ الہیہ ہے جس کے ذریعہ حضور تمام امور غیبیہ کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ نیز حضور ﷺ کے اس نور نبوت کا فیض ایسا عام ہے کہ اولیاء عامت بھی اس فیض سے بہرہ اندوز ہیں۔

دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ جو لوگ حضور ﷺ کے علوم پر لفظ غیب کا اطلاق ناجائز سمجھتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں۔

دیکھئے عبارت منقولہ بالا میں حضور سید عالم ﷺ بلکہ حضور کے غلاموں پر بھی علم غیب کا اطلاق موجود ہے اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جبکہ دیوبندیوں کی عبارات میں اس اطلاق کے ناجائز ہونے کا حکم دیکھتا ہوں۔ حالانکہ مولوی اشرف علی صاحب تفسیر العہوان کے ص ۱۸ پر لکھتے ہیں کہ حضور کے علوم غیبیہ جزئیہ کمالات نبوت میں داخل ہیں اس کا انکار کون کرتا ہے؟ اس عبارت میں حضور سید عالم ﷺ کے علم کو علوم غیبیہ کہہ کر مولوی اشرف علی تھانوی نے تصریح کر دی کہ حضور کے علم کو علم غیب کہنا جائز ہے۔

وما علینا الا البلاغ۔

WWW.KAZIMIS.COM

ظل النبی ﷺ

مسئلہ ظل النبی ﷺ پر تحقیقی نظر اور دلائل نفی و اثبات کا جائزہ

تقریباً ایک مہینہ ہو گیا کہ مختلف اور متعدد مقامات سے احباب کے پیغامات آرہے ہیں کہ ماہنامہ تجلی دیوبند اور تنظیم اہل حدیث لاہور وغیرہ رسائل میں حضور نبی کریم ﷺ کے جسم اقدس کا سایہ ثابت کرنے کے لئے زوردار مضامین شائع کئے گئے ہیں اور اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ایک رسالہ ”نفی الفتنی عن بنورہ انار کل شیء“ حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے پر تحریر فرمایا ہے، اس پر بری طرح پھبتیاں کسی گئی ہیں اور اس کا خوب مذاق اڑایا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ صحیح حدیثوں سے حضور ﷺ کا سایہ ثابت کیا گیا ہے جنہیں پڑھ کر علامۃ المسلمین نہایت مضطرب اور متعجب ہیں۔ اس لئے ان حدیثوں کے جوابات اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مبارک کی تاکیہ توضیح نہایت ضروری ہے تاکہ مسلک اہل سنت بے غبار ہو جائے اور کسی قسم کا خلجان باقی نہ رہے۔ اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے موصول شدہ خطوط سے منکرین نور مصطفیٰ ﷺ کے مضامین کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

۱۔ ماہنامہ تجلی دیوبند نے لکھا ہے ”بہت سے غلط باتوں کی طرح ایک یہ بات بھی شہرہ پا گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔ بعض سادہ فطرت اور جذباتی اسلاف نے تو اس بے اصل خیال کا جرجا کیا ہی تھا لیکن ہندوستان میں اسے پھیلانے کی ذمہ داری قبر پرستوں پر عموماً اور مولانا احمد رضا خاں صاحب پر خصوصاً ہے۔ انہوں نے ”انار الفتنی“ (۱) نام سے ایک کتابچہ لکھا تھا جس میں اپنے معروف علم کلام کے ذریعہ سے اس بے اساس عقیدے کو حقیقت ثابت منوانے کی کوشش کی تھی۔ نتیجہ ظاہر ہے ان کے معتقدین نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بات پھیل گئی۔ (ماہنامہ تجلی دیوبند ص ۱۱۱ بابت فروری ۱۹۵۹ء)

اس کے بعد ماہنامہ تجلی میں لکھتے ہیں ”دیوبندی مکتبہ فکر کو اگر ایک عمارت سمجھ لیا جائے تو کون نہیں جانتا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اس کے ایک ستون رہے ہیں۔ ان کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ فتویٰ رشیدیہ جلد اول (مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دہلی) میں عنوان ہے (حضور ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑنے کی حدیث کا موضوع ہونا) اس کے تحت ایک سائل کے جواب میں مولانا لکھتے ہیں، سائل نے اسی روایت کا ذکر کیا تھا جو انھما نص الکبریٰ کے واسطے سے مفتی کا مستدل ہے۔ یہ روایت کتب صحاح میں نہیں اور نوادر کی روایت کا بندہ کو حال معلوم نہیں کہ کیسی ہے۔ نوادر الاصول حکیم ترمذی کی ہے نہ ابو یسٰی ترمذی کی۔“ (ماہنامہ تجلی دیوبند ص ۱۲ کالم ۲ فروری/مارچ ۱۹۵۹ء)

نیز صفحہ ۱۳ پر ماہنامہ تجلی میں مرقوم ہے ”الحاصل اول تو ایک ایسے علامۃ الورد واقعہ میں تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سکوت اور صرف ایک حدیث مرسل کا اس میں مذکور ہونا ہی علامت قویہ روایت کے غیر ثابت وغیر معتبر ہونے کی ہے۔ ثانیاً روایت مرسل ہے۔ ثالثاً اس کا راوی بالکل کاذب واضح حدیث ہے جس سے اگر حدیث کو موضوع کہہ دیا جائے تو بعید نہیں۔ (ماہنامہ تجلی دیوبند بابت ماہ فروری/مارچ ۱۹۵۹ء ص ۱۳)

منکرین کے مضامین کا یہ خلاصہ مرزا ریاض احمد صاحب حافظ آبادی کے مکتوب سے لیا گیا ہے۔

۲۔ اب مولانا محمد صادق صاحب کے مکتوب سے ہم ان احادیث کو پیش کرتے ہیں جو مولانا مدوح نے منکرین کے رسائل و جرائد سے نقل فرمائی ہیں اور منکرین نے ان کو حضور ﷺ کے ساریہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

حدیث نمبر ۱: مسند امام احمد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے، اس میں ایک گھریلو شکر نجی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد ام المؤمنین فرماتی ہیں ”فبینما انا یوماً بنصف النهار اذا بطل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبل“ پس ایک دن دوپہر کے وقت دفعۃً رسول اللہ تشریف لائے اور میں نے پہلے ان کا ساریہ ہی دیکھا۔

حدیث نمبر ۲: ایک حدیث حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب ”حادی الارواح الی بلاد الافراح“ میں بیان کی ہے۔ اس میں حضور ہی کی زبان مبارک سے ”ظلی و ظلكم“ میرا اور تمہارا ساریہ کے الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ یہ روایات نہ مرسل ہیں نہ ان کا کوئی راوی ساقط الاعتبار ہے۔

(ماہنامہ تجلی دیوبند فروری مارچ ۱۹۵۹ء ص ۱۸ رسالہ ”ظلی نبی“ ص ۶، ۷)

حدیث نمبر ۳: آٹھویں صدی کے مشہور محدث حافظ نور الدین علی ابن ابی بکر الہیثمی نے اپنی کتاب مجمع الزوائد جلد چہارم طبع قاہرہ کے ص ۳۳ پر نقل کی اور اس کے تمام راویوں کی توثیق فرمائی ہے۔ امید ہے کہ آپ اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

عن (۱) عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر ونحن معه فاعتل بعیر لصفیة وکان مع زینب فضل فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بعیرا صفیة قد اعتل فلو اعطینہا بعیرا لک قالت انا اعطی هذه اليهودیة فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھجرھا بقیة ذی الحجة ومحرم و صفر وایاماً من شهر ربیع الاول حتی رفعت متاعھا و سریرھا فظننت انه لا حاجة لہ فیھا فبینما ہی ذات یوم قاعدة بنصف النهار اذا رأت ظلہ قد اقبل فاعادت سریرھا و متاعھا۔ (تنظیم اہل حدیث لاہور ۸ جنوری ص ۴)

احباب کے خطوط سے منکرین کے دلائل کا جو مواد ہمارے سامنے آیا وہ من غن ما ظہرین کرام کی خدمت میں ہم نے پیش کر دیا۔ منکرین کی تحریروں میں سے صرف ایک رسالہ ”ظلی نبی“ منظوم بزبان پنجابی ہماری نظر سے گزرا ہے۔ ماہنامہ تجلی دیوبند ہمیں نہیں ملانہ مجمع الزوائد دستیاب ہو سکی۔ البتہ مسند امام احمد میں منکرین کی پیش کردہ روایت ہم نے تلاش کر لی جس کے دیکھنے سے ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ مجمع الزوائد جلد چہارم صفحہ ۳۳ اور مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ سے منقولہ دونوں روایتوں کا مضمون واحد ہے اور دونوں پیش کردہ روایتوں میں حجۃ الوداع کے سفر میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہی ایک واقعہ مذکور ہے جس کا خلاصہ ترجمہ ناظرین ابھی پڑھ چکے ہیں۔

تنظیم اہل حدیث کا پرچہ بھی ہمیں نہ مل سکا اور ”حادی الارواح الی بلاد الافراح“ مصنفہ علامہ ابن قیم بھی دستیاب (۱) نہ ہو سکی لیکن

رسالہ ”طل نبی“ سے اس کا مضمون سامنے آ گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

”حضور نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دوزخ اور جنت کو حضور کے سامنے کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا

”پھر میں نے اپنے اور تمہارے درمیان نار کو دیکھا۔“ اور ساتھ ہی فرمایا

”حتی لقد رأیت ظلی وظلکم“

یہاں تک کہ میں نے اپنا اور تمہارا ظل دیکھا۔ (رسالہ طل نبی ص ۶)

علاوہ ازیں رسالہ ”طل نبی“ میں قرآن مجید کی تین آیتوں سے بھی حضور ﷺ کا سایہ ثابت کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے

آیت ۱: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلّٰلِهِمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاَصَالِ.

آیت ۲: وَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّوْا ظِلّٰلِهٖ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاٰلِ سَجْدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ.

آیت ۳: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَهُمْ لَا يُشْكِرُوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ

فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ. (رسالہ طل نبی ص ۳، ۴، ۵)

تین آیتیں اور تین حدیثیں معجین طل نبی ﷺ کا حرمہ سرمایہ ہے۔ معجین طل نبی ﷺ کا ”سرمایہ حرمہ“ یہی تین آیتیں اور تین

حدیثیں ہیں جنہیں ان کے دعویٰ سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جن کا ایک لفظ بھی یہ نہیں بتاتا کہ حضور نبی اکرم نور مجسم ﷺ کے جسم اقدس

کا سایہ تھا۔ جیسا کہ ان شاء اللہ العزیز عنقریب ہمارے ناظرین کو کرام پر واضح ہو جائے گا اور یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ جائے

گی کہ منکرین نورانیت نبی کریم ﷺ کے استدلال کی عمارت ”ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت“ سے بھی گئی گزری ہے۔

رہے وہ ریک شبہات اور نفی طل کی حدیث پر اعتراضات جو بحوالہ ماہنامہ ”جلی دیوبند“ جناب مرزا ریاض احمد صاحب حافظ آبادی

کے مکتوب سے ہم نقل کر چکے ہیں تو ان سب کا سہارا لے دراصل منکرین کی پیش کردہ آیات و احادیث کا وہی غلط مفہوم ہے جس کو طل نبی

ﷺ کے ثبوت میں پیش کیا گیا۔ جب ان آیات و احادیث کا مفہوم سامنے آ جائے گا تو وہ سہارا بھی باقی نہ رہے گا اور اہل انصاف

بے ساختہ کہہ اٹھیں گے کہ

وہ شاخ ہی نہیں ہے اب جس پہ آشیاں تھا

اب رہا منکرین و معرضین کا امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد ملت رحمۃ اللہ علیہ کی شان اقدس میں ناشائستہ کلمات کہنا اور حضرت

مدوح کے رسالہ مبارک ”نفی الفی“ پر پھبتیاں اڑانا تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ لوگ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف جلیلہ پر اپنی

لاعلمی کی وجہ سے ہمیشہ مذاق اڑاتے اور منہ کی کھاتے رہے ہیں۔ پچھلے دنوں ہمارے ناظرین کرام ”الصدیق ملتان“ کا مضمون اعلیٰ

حضرت کے خلاف اور اس کا دندان شکن جواب ”السعد“ کے صفحات میں پڑھ چکے ہوں گے اور اس سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی

جلالت علمی اور منکرین کی بے مائیگی اور لاعلمی کا انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس مضمون کے مطالعہ سے یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گی کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت علم کو پانا تو درکنار اس کا سمجھنا اور اندازہ لگانا بھی ان لوگوں کے لئے آسان نہیں۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

بیان مسئلہ اور منکرین کے استدلال پر کلام کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگ کم علمی اور ناواقفیت کی وجہ سے ہر مسئلہ شرعیہ پر نصوص قطعیہ اور قرآن وحدیث سے دلائل صریحہ طلب کرتے ہیں اور کہہ دیا کرتے ہیں کہ مطلقاً باب عقائد میں بجز نص قطعی قرآن وحدیث کی صریح عبارت کے کوئی چیز قابل قبول نہیں۔

حالانکہ ان کا یہ کہنا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ یاد رکھیے قطعی دلیل اور قرآن وحدیث کی صریح قطعی عبارتیں صرف ان عقائد کے لئے ضروری ہیں جو قطعی ہوں اور جن پر مدار ایمان ہو۔ باقی رہے عقائد ظنیہ تو ان کے لئے ظنی دلیلیں پیش کی جائیں گی۔ شرح عقائد نفی میں ”تفضیل رسل“ پر کلام کرتے ہوئے شارح علامہ فرماتے ہیں ”ولا خفاء فی ان هذه المسئلة ظنية يكتفى فيها بالادلة الظنية.“ (شرح عقائد نفی ص ۱۲۶)

اس امر میں کوئی خفا نہیں کہ یہ مسئلہ ظنی ہے جس میں ظنی دلائل پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح نبراس میں ص ۲۴ پر عقائد کی دو قسمیں قطعی اور ظنی بیان فرمائیں اور اسی مضمون کو واضح کر فرمایا۔ نیز اسی نبراس شرح عقائد کی شرح میں ص ۵۹۸ پر منقولہ بالا عبارات کے تحت بہت تفصیل کے ساتھ فرمایا ”حاصل الجواب ان المسائل الاعتقادية قسما ما يكون المطلوب فيه اليقين كوحدة الواجب وصدق النبي صلى الله عليه وآله وسلم وثانيهما ما يكتفى فيها بالظن كهذه المسئلة والاكتفاء بالدليل الظني انما لا يجوز في الاول بخلاف الثاني. الخ

”شارح کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ماحصل یہ ہے کہ مسائل اعتقادیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں یقین مطلوب ہو جیسے واجب تعالیٰ کی وحدت اور نبی کریم ﷺ کا صدق۔

دوسری وہ جس پر ظن پر اکتفا کر لیا جائے۔ جیسے (تفضیل رسل کا) یہی مسئلہ۔ دلیل ظنی پر جن مسائل میں اکتفا ناجائز ہے وہ صرف پہلی قسم کے مسائل ہیں جن میں یقین مطلوب ہوتا ہے۔ بخلاف دوسری قسم کے جن میں صرف ظن مطلوب ہو کہ ان میں دلیل ظنی پر بلا شبہ اکتفا جائز ہے۔ احکام کا بھی یہی حال ہے کہ سکم جتنا قوی ہو گا اس کی دلیل اتنی ہی قوی ہوگی۔

عقائد واحکام کے بعد فضائل و مناقب کی طرف آئیے تو اس سے بھی تنزل اختیار کرنا پڑے گا۔ یعنی ضعیف حدیثیں بھی اس باب میں معتبر ہوں گی۔ جیسا کہ خود محدثین کرام نے جا بجا اس کی تصریح فرمائی ہے اور ائمہ فقہانے فضائل اعمال میں ضعیف ترین احادیث کو معمول بہا قرار دیا ہے۔ دیکھئے مسح رقبہ (وضو میں گردن پر مسح کرنے) کی حدیث ایسی ضعیف شدید ہے کہ بعض محدثین نے اسے موضوع

تک کہہ دیا لیکن ائمہ فقہانے اسے بھی معمول یہ مانا اور آج تک اس پر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ فضائل و مناقب میں ضعاف کا معتبر ہونا متفق علیہ ہے۔ ابن حجر کی ملا علی قاری، شاہ عبدالحق دہلوی وغیرہم علماء کی تصریحات خصوصاً محدثین و فقہائے احناف نے صاف صاف ارقام فرمایا جس سے کوئی اہل علم بے خبر نہیں۔ دیکھئے افضل القرئی، مقدمہ مشکوٰۃ، موضوعات کبیر ص ۶۳، ۶۴، تفوہا اثر بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ حدیث ضعیف کا مضمون قوی حدیث کے مضمون سے مؤید ہو۔ لازماً اس حدیث کو فضائل و مناقب میں قابل احتجاج سمجھا جائے گا۔

عقائد و اعمال سے متعلق ہمارے بے شمار ایسے مسائل ہیں جنہیں ہم جزم و یقین کے مرتبہ میں شمار نہیں کرتے بلکہ محض فضیلت و منقبت کے درجہ میں مانتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی نیک دل طالب حق محض دلیل نہ ملنے کی وجہ سے ہمارے اس مسئلہ کو تسلیم نہ کرے تو ہم اسے بدعتیہ نہیں کہتے نہ اس کے حق میں برا بھلا کہنا جائز سمجھتے ہیں بشرطیکہ اس کا انکار رسول اللہ ﷺ کی عداوت اور بغض و کینہ کی وجہ سے نہ ہو۔

رہا یہ امر کہ اس نیک نیتی اور بغض و عداوت کا امتیاز کیسے ہوگا تو میں عرض کروں گا کہ یہ امتیاز اس طرح ہوگا کہ جس نے نہ خود کبھی حضور کی توہین کی اور نہ کبھی توہین رسول کرنے والے کو جان بوجھ کر اچھا مانا اس کے قول فعل یا حال سے اس کی بدعتیہ کی ثابت ہوئی تو ایسے شخص کے متعلق سمجھا جائے گا کہ یہ شخص نیک دل ہے اور اس کا انکار محض اس وجہ سے ہے کہ ہمارے مسئلہ کی کوئی دلیل اس نے نہیں پائی یا اس کی سمجھ میں نہیں آئی اور جن لوگوں نے شان رسالت میں گستاخیاں کیں یا گستاخوں کی گستاخی پر مطلع ہو کر انہیں اچھا جانا اور اپنا مقتدا مانا ان کے کسی قول فعل یا حال سے بارگاہ نبوت میں بدعتیہ ظاہر ہوئی تو ایسے لوگ جب کسی فضیلت و منقبت کا انکار کریں گے تو ان کی بدعتیہ و گستاخ نوازی اس امر کی روشن دلیل ہوگی کہ ان کا یہ انکار معاذ اللہ محض عداوت اور بغض رسول ﷺ کی وجہ سے ہے۔ پہلا انکار تو ایسی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا لیکن دوسرا یقیناً ایسا خوفناک ہے کہ جس کے تصور سے قلب مومن لرز اٹھتا ہے۔

الحاصل نبی کریم ﷺ کے جسم اقدس کا سایہ نہ ہونا بھی باب فضائل و مناقب سے ہے جس پر کفر و ایمان کا مدار ہے لیکن منکرین کے دل کا بغض و عناد اس بات سے خوب ظاہر ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی ایک فضیلت ثابت کی نفی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ حتیٰ کہ بزعیم خود تین حدیثیں معاذ اللہ جسم اقدس کا تاریک سایہ ثابت کرنے کے لئے تلاش بسیار کے بعد نکال لیں جن سے استدلال مذکور کا تصور آج تک کسی ذہن میں نہ آیا تھا۔ فضائل و کمالات نبوت کو منانے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کون سا شرمناک اقدام ہو سکتا ہے۔ منکرین نے تلاش بسیار کے بعد جو تین حدیثیں پیش کی ہیں ان کی صحت و حقانیت سے ہمیں بحث نہیں لیکن ان کے استدلال کی گنگو جب ہمارے کان سنتے ہیں تو ہمیں نبی اکرم نور مجسم ﷺ کی وہ مبارک حدیث یاد آ جاتی ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا

سَبَّكُون فِي آخِرِ أَمْتِي أَنَا سَمِعُوا أَنْتُمْ وَلَا أَبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ يَانُوكُمْ مِنَ الْإِحَادِيثِ بَمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا أَبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يَضِلُّوكُمْ وَلَا يَفْتِنُوكُمْ۔ رواہ مسلم (مسلم جلد اول ص ۹)

”حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا، اخیر زمانہ میں میرے امتی (کہلانے والے) تمہیں ایسی حدیثیں (باتیں) سنائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ خبردار! ان سے دور رہنا۔ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔“

الفاظِ حدیث پڑھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا وہ چودہ سو برس پہلے نگاہِ رسالت سے مخفی نہ تھا۔ پھر قابلِ غور یہ امر ہے کہ ابتداءِ اسلام میں ایک دور گزر رہا تھا کہ جاہلِ ابناء اور ان کے شرکِ آباء کا جاہلانہ وجدانِ شرک و جاہلیت کا معیار ہونے کی وجہ سے انتہائی نفرت و حقارت اور شدید ترین مذمت کے قابل تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ”مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اَبَانًا“ وغیرہ آیات میں ان کا مقولہ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے بیان فرمایا لیکن اسلام اور بانی اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی برکت ملاحظہ فرمائیے کہ اخیر زمانہ کے سچے مسلمانوں اور ان کے آباءِ مسلمین کے وجدان و سماعت کو حق و صداقت کا معیار بلکہ ہدایت کا وہ چمکتا ہوا مینار بنا دیا گیا کہ جو بات ان کے کانوں نے بھی نہیں سنی وہ کسی مسلمان کے لئے سننے کے قابل ہی نہیں۔ اب اس بات کا فیصلہ ناظرین خود کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس کا معاذ اللہ تاریک سایہ ثابت کرنے کی بات کبھی آپ نے یا آپ کے باپ دادا نے سنی تھی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ ایسی بات ہے جو آپ کے سننے کے قابل نہیں بلکہ اپنے آقا و مولیٰ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے بموجب آپ پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے آپ بچیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسی باتوں میں اگر آپ گمراہی کے گڑھے میں جا پڑیں یا خدا نخواستہ کسی اور فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

مخالفین کی پیش کردہ آیات و احادیث پر کلام کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں محلِ نزاع متعین کر دیا جائے تاکہ نفی و اثبات کے دونوں پہلو ناظرین کرام پر اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ فاقول وبالله التوفیق۔

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بشری جسم اقدس کو ایسا لطیف و نظیف اور پاکیزہ و مطہر کر دیا تھا کہ اس میں کسی قسم کی عنصری اور مادی کثافت باقی نہ رہی تھی۔ اس طرح چاند سورج جی اسٹار وغیرہ کی روشنی میں جب حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے تو جسم اقدس اس روشنی کے لئے حائل نہ ہوتا تھا اور دیگر اجسام کثیفہ کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم پاک کا کوئی تاریک سایہ نہ پڑتا تھا کیونکہ سایہ اس جگہ کی تاریکی کو کہتے ہیں جہاں جسم کثیف کے حائل و حاجب ہو جانے کی وجہ سے چاند سورج وغیرہ کی روشنی نہ پہنچ سکے۔ جسم مبارک میں جب کثافت ہی نہ تھی تو وہ نورانی جسم کسی روشن چیز کی روشنی کے لئے کیونکر حائل ہو سکتا تھا؟ اس لئے تاریک سایہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم مبارک پاک تھا۔

رہا یہ امر کہ بشری جسم کا مادی اور عنصری کثافتوں سے اس طرح پاک ہونا محال ہے کہ وہ روشنی کے لئے حاجب نہ ہو سکے تو یہ ایک دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا صریح انکار ہے۔ جب وہ قادرِ مطلق نور سے ظلمت اور ظلمت سے نور کو ظاہر کر سکتا ہے اور زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ عدم کو وجود اور وجود کو عدم سے بدل دینے پر قادر ہے تو اس کے لئے

بشری جسم کو مادی کثافتوں سے پاک کر دینا کون سی بڑی بات ہے؟

ہاں، اگر آپ یہ سوال کریں کہ یہ امر محال تو نہیں لیکن اس کے وقوع کی کیا دلیل ہے؟ تو میں عرض کروں گا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کو سرا جاً منیراً (روشن کرنے والا چراغ) قرار دینا اور ان کے حق میں ”قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ“ فرمانا اس وقوع کی چمکتی ہوئی دلیل ہے۔

کیونکہ جس ذاتِ مقدسہ کو ”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کہنے کا حکم دیا تھا۔ اگر اس کے وجود مبارک سے بشری کثافتوں کو پوری طرح دور نہ کر دیا ہوتا تو اس کے حق میں ”مِنَ اللَّهِ نُورٌ“ اور ”سِرَاجًا مُنِيرًا“ بھی نہ فرماتا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو باوجود ”بشر“ فرمانے کے ”نور و منیر“ محض اس لئے فرمایا گیا ہے کہ جسم اقدس سے ہر قسم کی بشری کثافتیں بالکل دور کر دی گئی ہیں اور جب کثافتیں دور ہو گئیں تو جسم اقدس کا تاریک سایہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا۔ وَلِلَّهِ الْحَمْد۔

بعض حضرات ”مِنَ اللَّهِ نور“، ”سِرَاجًا مُنِيرًا“ کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ یہاں ”نور“ اور ”منیر“ سے صرف نورِ ہدایت مراد ہے، حسی اور جسمانی نور ہرگز مراد نہیں۔ ان شاء اللہ العزیز ہم اس موضوع پر کسی وقت مستقلاً سیر حاصل بحث کریں گے۔ سر دست اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ جب حضور ﷺ کے جسم اقدس کے لئے جسمانی اور حسی نورانیت بھی احادیث کی روشنی میں ثابت ہے تو پھر آپ کو کیا حق ہے کہ اس کا انکار کریں اور یو بندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کی خدمت میں حرید اتنی گزارش ہے کہ ہماری پیش کردہ اس دلیل کو آپ اس لئے نہیں مانتے کہ یہ ہمارے قلم سے صادر ہوتی ہے۔ چلئے ہم سے آپ ناراض ہیں آپ کی مرضی۔ مگر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے تو کوئی مارا خشکی نہیں۔ لیجئے ان ہی کے منوانے سے مان لیجئے۔ ہمیں تو آپ کو منوانا مقصود ہے خواہ کسی طرح آپ مانیں۔ دیکھیئے آپ کے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ارقام فرماتے ہیں

”وازیں جا است کہ حق تعالیٰ در شان حبیب خود ﷺ فرمود کہ آمدہ نزد شا از طرف حق تعالیٰ نور و کتاب مبین و مراو از نور ذات پاک حبیب خدا ﷺ است و نیز او تعالیٰ فرماید کہ اے نبی ﷺ ترا شاہد و مبشر و نذیر و داعی الی اللہ و ہر اراج منیر فرستادہ ایم و منیر روشن کنندہ و نور دہندہ را گویند۔ پس اگر کسے را روشن کردن از انساناں محال بودے آں ذات پاک ﷺ را ہم ایں امر میسر نیامدے کہ آں ذات پاک ﷺ از جملہ اولاد آدم علیہ السلام اند مگر آنحضرت ﷺ ذات خود را چنان مطہر فرمود کہ نور خالص گشتند و حق تعالیٰ آنجناب سلامۂ علیہ را نور فرمود و ہوا تر ثابت شد کہ آنحضرت عالی سایہ داشتند و ظاہر است کہ بجز نور ہمد اجسام ظل مے دارند انہی“ (مدار السلوک مطبوعہ بلالی دہلی پریس ساڈھوڑہ ص ۸۵، ۸۶ مصنفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی)

ترجمہ: ”اور اسی جگہ سے یہ بات ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی شان میں فرمایا کہ ”تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آیا اور کتاب مبین آئی“ اور نور سے مراد حبیب خدا ﷺ کی ذات پاک ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو شاہد و مبشر اور نذیر و داعی الی اللہ تعالیٰ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔“ اور ”منیر“ روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں۔ پس

اگر انسانوں میں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی ذات پاک کے لئے یہ امر میسر نہ ہوتا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک بھی جملہ اولاد آدم علیہ السلام سے ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات پاک کو ایسا مطہر فرمایا کہ نورِ خالص ہو گئے اور حق تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور فرمایا اور تواتر سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔“

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

۱۔ آیت کریمہ ”قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ“ میں نور سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک مراد ہے۔

۲۔ حضور ﷺ سراج منیر ہیں اور منیر روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں۔

۳۔ بشری جسم سے عصری اور مادی کثافتوں کا دور ہو جانا محال نہیں بلکہ واقع ہے۔

۴۔ حضور ﷺ نے اپنی ذات پاک کو ایسا مطہر فرمایا کہ حضور ﷺ نور خالص ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو نور فرمایا۔

۵۔ بشریت اور نورانیت کا جمع ہونا ممکن ہے۔

۶۔ حضور ﷺ کے جسم پاک کا سایہ نہ تھا۔

۷۔ حضور ﷺ کے جسم اقدس کا سایہ نہ ہوتا تواتر سے ثابت ہے۔

۸۔ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔

۹۔ لفظ نور اور منیر سے حضور ﷺ کے لئے جو نورانیت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے ثابت کی ہے وہ محض ہدایت کی نورانیت نہیں بلکہ حسی اور جسمانی نورانیت ہے کیونکہ حضور ﷺ کی نورانیت کو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے حضور کے سایہ نہ ہونے کی علت قرار دیا ہے اور صاف صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا اور نور کے سوا ہر جسم کا سایہ ہوتا ہے تو جب تک حضور ﷺ کے لئے جسمانی نورانیت ثابت نہ ہو جسم اقدس سے سایہ کی نفی نہیں ہو سکتی۔ لہذا آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ قرآن کریم کی دونوں آیتیں ”قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ“ اور ”بِسْرَاجٍ مُنِيرٍ“ حضور ﷺ کے جسمانی اور حسی نور ہونے کی دلیل ہیں اور یہ دونوں آیتیں بباغ و بیل حضور ﷺ کے جسم اقدس سے تاریک سائے کی نفی کر رہی ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھ عقیدت رکھنے والے احناف اہل سنت ان دونوں آیتوں سے اپنے مسلک پر استدلال کرنے میں اگر معاذ اللہ گمراہ اور بے دین ہیں تو مولوی رشید احمد گنگوہی اس گمراہی اور بے دینی سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔

منکرین پر سخت حیرت ہے کہ جس مسلک کو وہ کفر و ضلالت قرار دیتے ہیں اور اس کے قائلین کو جہنم تک پہنچائے بغیر دم نہیں لیتے اگر وہی مسلک ان کے اکابر پیش کریں تو وہ ان سے کوئی تعرض نہیں کرتے۔ محض اس لئے کہ وہ ان کے مقتداء اور پیشوا ہیں۔ میں نہایت

اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ خدا کے خوف کو دل میں جگہ دے کر ذرا سوچئے کہ آپ کا یہ طرز عمل ”اتخذوا احبارہم و رہبانہم ارباباً من دون اللہ“ کی عملی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟

ماہنامہ تجلی دیوبند نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا ایک فتویٰ، فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا ہے جس میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی حدیث سے لاعلمی کا اظہار فرمایا ہے۔ اس کی بابت عرض ہے کہ اگر آپ اس فتویٰ کو ہماری پیش کردہ عبارت کے معارض سمجھتے ہیں تو اس حیثیت سے کہ وہ آپ کے مقتداء ہیں۔ ان کے کلام میں رفع تناقض آپ ہی کے ذمہ ہے۔ جس طرح چاہیں اس تعارض کو دفع فرمائیں۔ اظہارِ لاعلمی کو سوء حافظہ پر مبنی قرار دیں یا لکی لا یعلم بعد علم شینا پر محمول کریں۔

لیکن اس حقیقت سے آپ انکار نہیں کر سکتے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنی کتاب امداد السلوک میں حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کو تو اتر سے ثابت مانا ہے۔ اب آپ کے لئے دو ہی صورتیں ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ہم پایہ مجرم قرار دیں یا مولانا احمد رضا خان صاحب کو بھی کم از کم اس مسئلہ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرح بے گناہ مان لیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ آپ کی حق پسندی کا راز طشت از جام ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس تمام بحث و تمحیص کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس کو ایسا لطیف و نظیف اور نورانی مانتے ہیں کہ اس کا تاریک سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اس کے برخلاف منکرین کا مسلک یہ ہے کہ حضور ﷺ کا جسم مبارک عام انسانوں کی طرح معاذ اللہ ایسا کثیف تھا کہ اس کا تاریک سایہ پڑتا تھا۔

محل نزاع کی تعیین کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ اپنے مسلک کی تائید میں ایک جامع بیان پیش کر دیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ جس مسلک کو لوگ غلط اور فاسد کہہ رہے ہیں اس کے ساتھ امت مسلمہ کے کیسے کیسے جلیل القدر علماء محدثین و فقہائے کرام وابستہ ہیں۔

فاقول وبہ التوفیق علیہ تو کلت والیہ انیب۔

اہل سنت کا مذہب ہے کہ حضور نبی اکرم نور مجسم ﷺ کا جسم اقدس اتنا لطیف ہے کہ اس میں کسی قسم کی جسمانی، عنصری اور مادی کثافت نہیں۔ حضور ﷺ نور ہیں۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ”اللہم اجعلنی نوراً“ کے چمکتے ہوئے الفاظ وارد ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے مسلم جلد اول ص ۶۱ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

اس مقام پر یہ شبہ وارد نہیں ہو سکتا کہ اس دعا سے پہلے حضور کی ذات پاک نور نہ تھی ورنہ دعا کی حاجت نہ ہوتی کیونکہ دعا کرنے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ دعا سے پہلے وہ صفت نہ ہو جس کے لئے دعا کی گئی ہے۔ دیکھئے حضور ﷺ تمام عمر ہر نماز میں ”اٰھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ“ کی دعا کرتے رہے تو کیا کسی مسلمان کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ دعا سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صراطِ مستقیم پر نہ تھے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

بلکہ اس مقام پر یوں کہنا پڑے گا کہ کسی نعمت کے لئے دعا کرنا بسا اوقات اس کے ثابت و باقی رہنے کے لئے ہوتا ہے یا اس نعمت کی ترقی مقصود ہوتی ہے یا اعتراف عبودیت کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ اس کے ماسوئی دعا کی حکمت تعلیم امت بھی ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں جن الفاظ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بولے ہوئے الفاظ کی برکت کے طفیل اقرب الی الاجاہت ہوگی اور امت کے حق میں وہ دعا جس رنگ میں قبول ہو سکتی ہے ضرور قبول ہوگی کیونکہ اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے بولے ہوئے الفاظ ہیں۔ انہیں خالی واپس کرنا اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ ہوگا۔

حاصل کلام یہ کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے حضور کی ذات پاک کا نور ہونا ثابت ہو گیا تو جسم اقدس کا سایہ نہ ہونا بھی لازمی طور پر ثابت ہو گیا کیونکہ سایہ نہ ہونا لوازم نور سے ہے اور قاعدہ ہے

اذا ثبت الشيء ثبت بجمیع لوازمه

لہذا نورانیت محمدیہ ﷺ بھی اپنے لازم کے ساتھ ثابت ہوگی اور نورانیت کا لازم ”سایہ نہ ہونا“ ہے۔ لہذا حضور ﷺ کا نور ہونا حضور کے سایہ نہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

جب بھی حضور ﷺ کی نورانیت کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو منکرین صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہاں علم و ہدایت کا نور مراد ہے، جسمانی نور سے کیا تعلق ہے؟ پھر ان آیات کا معارضہ کرتے ہیں جن میں علم و ہدایت، قرآن و تورات اور اسلام و ایمان کو نور کہا گیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ علم و ہدایت کی نورانیت تو حسب مراتب و درجات ہر اہل علم اور ہدایت یافتہ شخص کو حاصل ہے۔ حضور ﷺ کی شان اقدس تمام عالم سے بلند و بالا اور افضل و اعلیٰ ہے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدسہ اور کمالات مبارکہ کو عوام کی ذات و صفات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو صفت ملی ہے وہ دوسروں کی بہ نسبت اکمل و اتم ہے۔ اسی طرح عین کا قیاس معنی پر اور وصف کا قیاس ذات پر قیاس مع الفارق ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نور از قبیل معانی بھی ہوتا ہے اور از قبیل اعیان بھی۔

اول جیسے قرآن، ایمان، علم، ہدایت وغیرہ امور جو از قبیل معانی ہیں۔

دوم جیسے چاند، سورج وغیرہ کہ یہ از قبیل اعیان ہیں جو چیزیں ذات اور عین نہیں بلکہ محض معنی اور صفت کے قبیل سے ہیں ان کے لئے جب لفظ نور بولا جائے گا تو اس کے معنی اس چیز کے حسب حال ہوں گے یعنی وصفی اور معنوی نورانیت اور جو چیزیں ”عین اور معنی“ ذات اور صفت سب کی جامع ہوں گی ان کے لئے جب لفظ نور کا اطلاق ہو گا تو اس سے وہی نورانیت مراد ہوگی جو ان چیزوں کے حسب حال اور شایان شان ہے یعنی عین اور معنی دونوں قسم کی جامع نورانیت۔ لہذا قرآن و تورات، اسلام و ایمان، علم و ہدایت ان سب چیزوں کے لئے جو لفظ نور قرآن و حدیث میں وارد ہوا ہے اس سے وصفی اور معنوی نورانیت کے معنی مراد ہوں گے کیونکہ یہ سب چیزیں از قبیل اوصاف و معانی ہیں اور ظاہر ہے کہ معنی کا عین اور وصف کا ذات ہونا محال ہے۔ ہاں، ایسی چیز جو ”ذات و وصف“ دونوں

کی حامل اور ”عین ومعنی“ دونوں کی جامع ہو اس کی نورانیت بھی ہر دو قسم کی نورانیت کی جامع ہوگی۔ (الا اذا قام الدلیل علی خلافہ)

چونکہ حضور نبی کریم ﷺ ذات اور وصف دونوں کے جامع ہیں۔ عین اور معنی دونوں چیزیں علی وجہ الکمال حضور ﷺ کی ذات پاک میں پائی جاتی ہیں اس لئے حضور ﷺ کے لئے جو لفظ ”نور“ قرآن وحدیث میں وارد ہوا ہے اس سے مراد وہی نور ہو سکتا ہے جو عینی و معنوی، ذاتی و وصفی ہر قسم کی نورانیت کا جامع ہو۔ جس کا ما حاصل ہے کہ حضور ﷺ اسلام و ایمان، ہدایت و قرآن، علم و عرفان تمام انوار معانی و اوصاف کے حامل ہیں اور اس کے علاوہ جملہ انوار اعیان یعنی ذات و عین کے قبیل سے جس قدر نور ہیں ان سب کے بھی حضور جامع ہیں۔ اس تفصیل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد ہر شخص سمجھ جائے گا کہ منکرین کا معارضہ قطعاً باطل ہے۔

یہ جامع نورانیت جو ہم نے حضور ﷺ کے لئے ثابت کی ہے اس کی تائید حریذ دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے اور اکابر علماء دین محدثین و محققین کرام کی واضح عبارات بھی حضور ﷺ کے لئے اسی قسم کی جامع نورانیت کی مثبت ہیں جن میں حضور ﷺ کی جسمانی نورانیت کا روشن بیان ہے اور یہ تصریح موجود ہے کہ حضور نور تھے اس لئے آپ کا سایہ نہ تھا۔ علاوہ ان منکرین کے پیشواؤں اور مقتداؤں کی تحریریں بھی اس کی مثبت و مؤید ہیں۔ اس سے ہمیں بحث نہیں کہ ان کا اعتقاد کیا ہے؟ وہ حضور ﷺ کو اپنے جیسا بشر مانتے ہیں یا اس میں کچھ تبدیلی کرنے لگے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کی واضح تحریریں ہمارے بیان کی زبردست تائید کرتی ہیں۔ جیسا امداد السلوک ص ۸۵، ۸۶ سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا بیان ہم نقل کر چکے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی نشر الطیب وغیرہ کے اقتباسات ہدیہ ناظرین کریں گے۔

پہلے ہم ان احادیث کو ذکر کرتے ہیں جن سے حضور ﷺ کی حسی یعنی اور جسمانی نورانیت ثابت ہوتی ہے۔

حدیث ۱: عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سألت خالی ہند بن ابی ہالہ (ربیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) وکان وصافاً عن حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا اشتہی ان یصف الی منها شیئاً اتعلق بہ فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحما منخما بتلا لؤ وجہہ تلا لؤ القمر لیلۃ البدر۔

ترجمہ: سیدنا امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ربیب ہند بن ابی ہالہ سے جو حضور ﷺ کے بہترین و صاف تھے، حضور ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ حلیہ مقدس سے کچھ بیان کریں اور میں اس سے پوری طرح متعارف ہو جاؤں تو انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ عظیم اور معظم تھے۔ آپ کا چہرہ انور ایسا چمکتا اور روشنی دیتا تھا جیسے چودھویں کا چاند چمکتا ہے۔

اسی حدیث میں آگے چل کر فرماتے ہیں ”لہ نور یعلوہ“ حضور کی بنی مبارک کا نور بنی مبارک پر یا آپ کی ذات مقدسہ کا نور ذات پاک پر غالب رہتا۔“ (شائل ترمذی ص ۲)

اسی حدیث کی شرح میں علامہ شیخ ابراہیم بن جوزی فرماتے ہیں

ومعنى يتلألؤ بضئى ويشرق كاللؤلؤ وقوله تلالؤ القمر ليلة البدر اى مثل تلالؤ القمر ليلة البدر (انتهى)
(شرح شمائل مطبوعه مصر ص ۲۳)

ترجمہ: يتلألؤ کے معنی روشن ہونے اور چمکنے کے ہیں جیسے موتی چمکتا ہے اور تلالؤ القمر ليلة البدر کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ کا چہرہ انور اس طرح چمکتا تھا جیسے چودہویں رات میں چاند چمکتا ہے۔

حدیث ۲: عن جابر بن سمرة قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ليلة اضحيان وعليه حلة حمراء فجعلت انظر اليه والى القمر فهو عندى احسن من القمر۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفع چاندنی رات میں حضور ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ پر سرخ رنگ کا (دھاری دار) حلہ تھا۔ میں حضور ﷺ کو بھی دیکھتا اور چاند پر بھی نظر کرتا تو حضور ﷺ میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۲)

علامہ شیخ ابراہیم بخوری اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں

وفى رواية فى عيني بدل عندى والتقييد بالعندية فى الرواية الاولى ليس للتخصيص فان ذالك عند كل احد راه كذا الك۔

ترجمہ: اور ایک روایت میں ”عندى“ کی بجائے ”فى عيني“ آیا ہے۔ روایت اولیٰ میں ”عندى“ کی قید تخصیص کے لئے نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ میرے ہی نزدیک حضور چاند سے زیادہ حسین تھے بلکہ فی الواقع ہر دیکھنے والے کے نزدیک حضور ﷺ چاند سے زیادہ حسین تھے۔

اس کے بعد علامہ بخوری اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وانما كان صلى الله عليه وسلم احسن لان ضوءه يغلب على ضوء القمر بل وعلى ضوء الشمس ففى رواية لابن المبارك وابن الجوزى لم يكن لئ ظل ولم يقم مع شمس قط الا غلب ضوءه على ضوء هالشمس ولم يقم مع سراج قط الا غلب ضوءه على ضوء السراج۔ انتهى۔

ترجمہ: اور حضور ﷺ چاند سے زیادہ حسین اس لئے تھے کہ حضور ﷺ کی روشنی چاند کی روشنی بلکہ سورج کی روشنی پر بھی غالب رہتی تھی۔ کیونکہ سیدنا ابن مبارک اور علامہ ابن جوزی محدث کی روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا اور حضور ﷺ سورج کے سامنے کبھی کھڑے نہیں ہوئے مگر حضور کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہو جاتی تھی۔ اسی طرح چراغ کے سامنے حضور کبھی کھڑے نہیں ہوئے مگر چراغ کی روشنی پر بھی حضور ﷺ کی روشنی غالب رہتی تھی۔ (المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ مطبوعہ مصر ص ۳۰)

حدیث ۳: عن ابى اسحاق قال سال رجل البراء بن عازب اكان وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل

السيف قال لابل مثل القمر. (بخاری جلد اول ص ۵۰۲۔ شامل ترمذی ص ۳)

ترجمہ: ابوالخث سے روایت ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح تھا؟ انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ چاند کی طرح تھا۔

اس حدیث کے تحت حضرت شیخ ابراہیم بخوری فرماتے ہیں

قوله اكان وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل السيف اي في الاستتارة والاستطالة فالسوال عنهما معا وقوله قال لابل مثل القمر اي ليس مثل السيف في الاستتارة والاستطالة بل مثل القمر المستدير الذي هو انور من السيف. (مواہب اللدنیہ شرح شامل محمدیہ مطبوعہ مصر ص ۳۰)

ترجمہ: یعنی ”کیا حضور ﷺ کا چہرہ انور روشنی اور لمبائی میں تلوار کی طرح تھا؟“ اس کلام میں روشنی اور لمبائی دونوں کے متعلق سوال ہے۔ حضرت براء عازب نے دونوں باتوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ چہرہ انور روشنی اور لمبائی میں تلوار کی طرح نہ تھا بلکہ گول چاند کی طرح نورانی تھا جو تلوار سے کہیں زیادہ انور اور روشن ہے۔ اچھی

حدیث ۴: عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اقلج الثيتين اذا تكلم رأى كالتور يخرج من بين ثيابه. (شامل ترمذی ص ۳)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے مبارک دانتوں کے درمیان جھریوں سے نور یا نور کی مانند کوئی چمک دار چیز نکلتی ہوئی دیکھی جاتی تھی۔

شیخ ابراہیم بخوری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں

ای رؤی شیء له صفاء يلمع كالتور يخرج من بين ثيابه ويحتمل ان يكون الكاف زائده للتفخيم ويكون الخارج حينئذ نورًا حسيا معجزة له صلى الله عليه وسلم. (انتہی) (مواہب اللدنیہ شرح شامل محمدیہ ص ۳۲)

ترجمہ: حدیث کے معنی یہ ہیں کہ نور کی طرح صاف شفاف چیز چمکتی ہوئی دیکھی جاتی تھی جو حضور ﷺ کے نورانی دانتوں کے درمیان سے نکلتی تھی اور یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ ”کالتور“ میں کاف زائدہ ہو تفخیم کے لئے بڑھا دیا گیا ہو۔ اس تقدیر پر نور حسی تھا جو حضور ﷺ کے دندان مبارک کے درمیان بطور ظہور مجزہ چمکتا تھا۔ اچھی

حدیث ۵: عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل عليها مسرورًا تبرق اساريو وجهه. (بخاری ج اول ص ۵۰۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ خوش اور مسرور ہو کر میرے پاس تشریف لائے۔ درآں حالیکہ حضور ﷺ کی پیشانی اقدس کے خطوط چمک رہے تھے۔

حدیث ۶: عن كعب بن مالك قال فلما سلمت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يبرق وجهه من السرور وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سر استار وجهه حتى كانه قطعة من القمر. (بخاری جلد اول ص ۵۰۲)

ترجمہ: کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضور ﷺ پر سلام عرض کیا تو چہرہ انور فرحت و سرور سے چمک رہا تھا اور حضور ﷺ جب خوش ہوتے تھے تو چہرہ انور ایسا چمکنے لگتا تھا گویا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔

فتح الباری وغیرہ شروح بخاری اٹھا کر دیکھئے تمام شراح کرام ان احادیث سے حضور نبی کریم ﷺ کے حقیقی حسی نور کو ثابت مان رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ایسی چمکتی ہوئی روشن حدیثوں کے ہوتے ہوئے کوئی ایسا شخص جس کے دل میں نور ایمان کی ادنیٰ جھلک بھی موجود ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسمانییت مقدسہ کے لئے نور حسی کا انکار نہیں کر سکتا اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس نورانیت کا مقتضی سایہ نہ ہونا ہے۔ اسی لئے محدثین کرام نے حضور ﷺ کے نور ہونے کو حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔

لیجئے حضور کی نورانیت مقدسہ پر چند اور حدیثیں یاد آ گئیں جن کو سن کر مومنین کے دل انور ایمان سے چمک اٹھیں گے۔

مواہب اللدنیہ میں امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وقال ابو هريرة واذا ضحك صلى الله عليه وسلم يتلأئ في الجدر رواه البزار والبيهقي اي يضي في الجدر بضم الجيم والداال جمع جدار وهو الحائط اي يشرق نوره عليها اشراقا كاشراق الشمس عليها۔ انتهي۔ (مواہب اللدنیہ جلد اول ص ۲۷۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، حضور ﷺ جب ہنستے تھے تو حضور کا نور دیواروں پر چمکتا تھا اس حدیث کو امام بزار اور بیہقی نے روایت کیا۔ امام قسطلانی حدیث کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا نور دیواروں پر ایسا چمکتا اور روشن ہوتا تھا جیسے سورج کی روشنی دیواروں پر پڑتی ہے اور چمکتی ہوئی نظر آتی ہے اُنہی خصائص کبریٰ میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، میں کپڑا سی رہی تھی، ہاتھ سے سوئی گر پڑی۔ چراغ گل ہونے کی وجہ سے اندھیرا تھا سوئی تلاش کرنے کے باوجود نہ ملی۔ اتنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے۔ حضور ﷺ کے چہرہ انور سے ایسا نور نکلا کہ سوئی ظاہر ہو گئی۔

مطالع المسرات میں علامہ ابن سبع سے منقول ہے

كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يضي البيت المظلم من نوره۔

☆ تاریک گھر حضور کے نور سے روشن ہو جاتا تھا۔

یہ حدیثیں کتب احادیث و سیر میں اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا احصاء ممکن نہیں۔ ان کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضور کو نور حقیقی نہیں مانتا تو سمجھ لیجئے کہ وہ نور ایمان سے بالکل خالی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ان روایات میں حضور ﷺ کے لئے جو برق خلائق، استنارہ اور نور وغیرہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں ان سے محض رنگ کی صفائی اور حسن و جمال بیان مقصود ہے۔ حسی روشنی اور چمک کے معنی مراد نہیں۔ شعراء عرب بلکہ ہر زبان کے ادباء اپنے محبوبوں کے حسن و جمال کا تذکرہ اسی قسم کے الفاظ میں کیا کرتے ہیں اور ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ وہ الفاظ از قبل استعارات ان روایات و احادیث میں بھی وارد ہیں۔

جواباً عرض کروں گا کہ بدعتیہ کی اور گمراہی کی اصل بنیاد یہی ہے کہ حضور ﷺ کو علامۃ الناس کے زمرہ میں شمار کر لیا جائے۔ معاذ اللہ حضور ﷺ کے کمال کی نفی کرنے کے لئے حضور کا قیاس اپنے اوپر کر لینا اہل سنت کے نزدیک بدترین جہالت ہے۔

معمولی سمجھ والا انسان بھی اتنی بات سمجھ سکتا ہے کہ اگر صرف روایت اسدا کہا جائے تو لفظ اسد رطل شجاع سے استعارہ ہو سکے گا لیکن جب کوئی روایت اسدا یفتوس کہے تو پھر اسد سے حیوان مفترس ہی مراد ہوگا اور اسے بہادر آدمی کیلئے استعارہ قرار دینا درست نہ ہوگا۔ ہماری پیش کردہ احادیث میں بھی ایسے الفاظ موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے معترض کا استعارہ صحیح نہیں ہوتا۔ دیکھئے

۱۔ دندانہائے مبارک کے درمیان سے ور نکلتا ہوا دیکھا جاتا

۲۔ بنی اقدس کے نور کا بنی مبارک پر غالب ہوتا ہوا معلوم ہوتا

۳۔ پیشانی اقدس کے خطوط کی چمک کا مشاہدہ

۴۔ نور اقدس سے دیواروں کا روشن ہو جانا

ایسے امور ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس چمک اور نور کے حسی اور جسمانی ہونے کو اس وضاحت کے ساتھ متعین کر رہے ہیں جس کے بعد معترض کے استعارہ کا شبہ تک باقی نہیں رہتا۔

پھر اجلہ شارحین حدیث مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی امام بدر الدین عینی، امام قسطلانی علامہ زرقانی، شیخ ابراہیم بن جوری علیہم الرحمۃ والرضوان کا ان احادیث کی شرح میں بضی، یشرق، یلمع جیسے جملے ہوئے الفاظ ارتقام فرمانا حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔ اس پر بھی آپ مطمئن نہ ہوں تو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی خصائص کبریٰ دیکھ لیجئے۔ انہوں نے اس میں حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کا ایک مستقل باب مقرر کیا اور فرمایا

اخرج الحاکم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری له ظل فی شمس ولا قمر قال ابن سبع من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ظلہ کان لا یقع علی الارض وانه کان نوراً فکان اذا مشی فی الشمس او القمر لا ینظر له ظل قال بعضهم وبشہد لہ حدیث قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دعائہ واجطنی نوراً۔ (خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۶۸)

ترجمہ: حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان سے اخراج کیا کہ سورج اور چاند کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ دیکھا جاتا تھا۔ ابن سبع

(محدث) نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے خصائص سے یہ بات ہے کہ حضور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور تھے۔ اس لئے جب حضور ﷺ سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو حضور کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ بعض علماء (محدثین) نے فرمایا کہ حضور کے سایہ نہ ہونے کی شہادت حضور کی یہ حدیث بھی دیتی ہے جس میں حضور ﷺ کی بیدار دعا وارد ہے کہ ”واجعلنی نوراً“ (یا اللہ مجھے نور کر دے)

دیکھئے محدثین نے حضور کی حدیث ”واجعلنی نوراً“ سے حضور کے نور ہونے پر استدلال کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ایسی نورانیت ثابت کی جو حضور کے سایہ نہ ہونے کی دلیل ہو اور وہ حدیث ذکوان کے لئے شاید قرار پائے۔

اسی طرح زرقانی شریف میں ہے
ولم یکن لہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل فی شمس ولا قمر لانه کان نوراً کما قال ابن سبع وقال رزین لعلہ انوارہ قبل وحکمۃ ذلک صیانۃ عن ان یطأ کافر علی ظلہ۔

ترجمہ: اور نہ تھا حضور ﷺ کے لئے سایہ سورج میں اور نہ چاند میں اس لئے کہ حضور نور تھے۔ جیسا کہ ابن سبع (محدث) نے کہا، امام رزین نے فرمایا کہ سایہ نہ ہونا حضور کے غلبہ انوار کی وجہ سے تھا۔ بعض علماء نے کہا کہ اس کی حکمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات سے بچانا ہے کہ کسی کا پاؤں حضور ﷺ کے سایہ پر نہ پڑے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں

(رواہ الترمذی الحکیم عن ذکوان) ابی صالح السمان الذیات المدنی او ابی عمر والمدنی مولی عائشہ رضی اللہ عنہما وکل منهما ثقة من التابعین فهو مرسل لکن روی ابن المبارک وابن الجوزی عن ابن عباس لم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ظل ولم یقم مع الشمس قط الا غلب ضوءہ ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوء السراج رو قال ابن سبع کان صلی اللہ علیہ وسلم نوراً فکان اذا مئی فی الشمس والقمر لا یتظهر لہ ظل لان النور لا ظل لہ قال غیر وبشہد لہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دعائہ لما سأل اللہ تعالیٰ ان یجعل فی جمیع اعضائہ وجہا نوراً ختم بقولہ (واجعلنی نوراً) ای والنور الا ظل لہ وبہ یتم الاستشہاد۔ انتہی (زرقانی مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۲۲۰)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایہ نہ ہونے کی اس حدیث کو ترمذی حکیم نے ذکوان سے روایت کیا۔ یہ ذکوان ابو صالح سمان روغن فروش مدنی ہیں یا ابو عمرو مدنی جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ (ان میں سے کوئی بھی ہو بہر حال) بیدونوں ثقہ ہیں تابعین سے لہذا حدیث مرسل ہوگی (کیونکہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں) لیکن حضرت ابن مبارک اور علامہ ابن جوزی نے حضرت ابن عباس (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا اور حضور ﷺ سورج کے سامنے کبھی کھڑے نہ ہوئے لیکن حضور کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہو جاتی تھی اور حضور ﷺ کبھی چراغ کے سامنے کھڑے نہ ہوتے تھے مگر حضور کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب ہو جاتی تھی اور ابن سبع (محدث) نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور تھے۔ اس لئے حضور جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو حضور کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا اور ان کے علاوہ دوسرے علماء محدثین نے فرمایا کہ گواہی دیتا ہے حضور کے سایہ نہ ہونے پر حضور کا وہ قول مبارک جو حضور کی دعا میں ہے، جب حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اعضاء میں اور جمیع جہات میں نور کر دے تو حضور ﷺ نے اپنی دعا کو اس قول پر ختم

فرمایا ”واجعلنی نوراً“ یعنی مجھے بالکل نور کر دے۔ یہ جملہ حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے پر اس لئے شہادت دیتا ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا اور اسی کے ساتھ یہ استشہاد تمام اور پورا ہو جاتا ہے۔

بالکل یہی عبارت زر قانی جلد ۵ ص ۲۴۹ پر ہے اور اس میں اس مضمون کے بعد ابن سبع کی کتاب شفاء الصدور سے حرید اتنا کلام نقل کیا ہے ”فم یکن فیہ قمل لانہ نوراً“ یعنی حضور ﷺ کے لباس مبارک میں جوں بھی اس لئے نہ پڑتی تھی کہ حضور نور تھے۔ حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کا یہی مضمون امام قسطلانی شارح صحیح بخاری نے مواہب اللدنیہ میں بھی نہایت اہتمام کے ساتھ ارقام فرمایا، ملاحظہ کیجئے

مواہب اللدنیہ جلد ۸ ص ۲۸۰ اور مفردات امام راغب میں ہے
وروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا مشی لم یکن لہ ظل (مفردات امام راغب اصفہانی مطبوعہ مصر ص ۳۱۷)

ترجمہ: مروی ہے کہ جب حضور ﷺ چلتے تو حضور کا سایہ نہ ہوتا۔
حکیم ترمذی اور ان کی کتاب نوادر الاصول کے متعلق کشف الظنون میں مرقوم ہے ”نوادیر الاصول فی معرفت اخبار الرسول لابی عبد اللہ محمد بن علی ابن شیر المؤذن الحکیم الترمذی المتوفی شہید ۲۵۵ ھ خمس خمسين ومائتين وهو المقلب بسلوۃ العارفين وبستان الموحدين كشف الظنون جلد ۲ ص ۲۱۵ مطبوعہ مصر۔

ترجمہ: نوادر الاصول فی معرفۃ الرسول ابو عبد اللہ محمد بن علی ابن شیر مؤذن حکیم ترمذی کی کتاب ہے جو ۲۵۵ ھ میں پیدا ہوئے جن کا لقب سلوۃ العارفين اور بستان الموحدين ہے۔ انہی۔

امام الحدیث قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں ارقام فرماتے ہیں
وما ذکر من انه لا ظل لشخصه فی شمس ولا قمر لانه کان نوراً۔
شفاء قاضی عیاض جلد ۱ ص ۲۴۲، ۲۴۳ اس کی شرح میں علامہ شہاب الدین خاکی شیم الریاض میں فرماتے ہیں ”ومن دلائل نبوتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ما ذکر) بالناء للمجهول والذي ذکرہ ابن سبع (من انه) بیان ما لموصولة (لا ظل لشخصه) ای جسدہ الشریف اللطیف اذا کان (فی شمس ولا قمر) مما ترى فیہ الظلال لحجب الاجسام ضوء النیرین ونحوهما وعلل ذلك ابن سبع بقوله (لانه) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کان نوراً) والانوار شفاقة لطيفة لا تحجب غيرها والانوار لا ظل لها كما هو مشاهد فی الانوار الحقيقية وهذا رواه صاحب الوفاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل ولم یقم مع شمس الا غلب ضوءها ولا مع سراج الا غلب ضوءه وقد تقدم هذا والكلام علیہ وربا عیتا

فیہ وہی۔

ماجر لظل احمد اذبال فی الارض کرامة کما قد قالوا
هذا عجب وکم به من عجب والناس بظلمه جمیعاً قالوا
وقالوا هذا من القیلولة وقد نطق القرآن بانه النور المبین و کونه بشراً لا ینافیہ کما توهم فان فهمت فهو نور
علی نور فان النور هو الظاهر لنفسه المظهر لغيره تفصیلة فی مشکوة الانوار للغزالی۔ (تیم الریاض جلد ۳ ص ۳۱۹ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: اور حضور ﷺ کے دلائل نبوت سے جو کچھ ذکر کیا گیا یعنی محدث ابن سبع نے ذکر کیا، یہ ہے کہ جب حضور ﷺ سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تھے تو حضور کے شخص کریم یعنی لطیف جسم مبارک کا سایہ نہ پڑتا تھا۔ ان سایوں میں سے جو روشنی میں اس وجہ سے دیکھے جاتے ہیں کہ اجسام (کثیفہ) چاند سورج وغیرہ کی روشنی کے لئے حاجب ہو جاتے ہیں اور بن سچ محدث نے حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی دلیل یہ بیان کی کہ حضور ﷺ نور تھے اور شفاف لطیف انوار اپنے غیر کے لئے حاجب نہیں ہوتے اور انوار کا سایہ نہیں ہوتا جیسا کہ حسی حقیقی انوار میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور اس کو صاحب وفائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا اور حضور سورج کی روشنی میں کھڑے نہ ہوتے تھے مگر اس کی روشنی پر بھی حضور ﷺ کی روشنی غالب ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا اور اس پر کلام بھی ہو چکا اور ہماری یہ رباعی بھی مذکور ہو چکی کہ احمد مجتبیٰ ﷺ کے سایہ کے دامن حضور کی کرامت و فضیلت کی وجہ سے زمین پر کھینچے گئے (یعنی حضور کا سایہ زمین پر واقع نہ ہوا) جیسا کہ محدثین نے فرمایا ہے۔ یہ بات تعجب کی ہے اور کس قدر تعجب کی ہے کہ زمین پر ان کا سایہ نہ ہونے کے باوجود سب لوگ ان کے سایہ میں پناہ لیتے اور آرام کرتے ہیں۔ رباعی کے آخری مصرعہ کا آخری لفظ ”قالوا“، ”قیلو له“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دوپہر کو آرام کرنا۔

اور بے شک قرآن پاک ناطق ہے کہ حضور ﷺ ”نور مبین“ ہیں اور حضور ﷺ کا بشر ہونا آپ کے نور ہونے کے ہرگز منافی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا۔ پس اگر تو سمجھے وہ تو ایسے نور ہیں جو سب نوروں پر غالب ہے کیونکہ نور اسے کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والا ہو۔ اس کی پوری تفصیل امام غزالی کی کتاب مشکوة الانوار میں ہے۔ انتہی۔ (تیم الریاض جلد ۳ ص ۳۱۹ مطبوعہ مصر) اور سیرہ حلبیہ میں ہے

وانه صلی اللہ علیہ وسلم اذا مشی فی الشمس او فی القمر لا یكون له ظل لانه کان نوراً۔ انتہی (سیرہ حلبیہ مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۴۲۲)

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تھے تو حضور ﷺ کا سایہ نہ ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ انتہی

تفسیر مدارک میں ہے

وقال عثمان رضي الله تعالى عنه ان الله ما اوقع ظلك على الارض لتلايق انسان قدمه على ذالك.
انتہی (تفسیر مدارک مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۱۰۳)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، حضور! اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہ گرنے دیا تاکہ کوئی شخص اس پر اپنا پاؤں نہ رکھ دے۔ انتہی

تفسیر عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، وسایہ ایشاں بر زمین یفتاد۔ انتہی (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۲۱۹)

ترجمہ: حضور ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوة میں فرماتے ہیں

وعثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه گفت کہ سایہ شریف تو بر زمین نمی افتد کہ مبادا بر زمین نجس افتد۔ انتہی (مدارج النبوة جلد دوم ص ۱۶۱)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے براء صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ حضور ﷺ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناپاک زمین پر واقع ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سایہ کی اس قدر حفاظت کی تو آپ کے حرم محترم کو ناشائستگی میں کیونکر ملوث ہونے دے گا؟ انتہی

یہی شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی مدارج النبوة میں دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں

وہو دمرا آنحضرت را ﷺ سایہ زور آفتاب و نہ در قمر رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان فی نوادر الاصول و عجب است انہیں بزرگان کہ ذکر نہ کردند چراغ را و نور یکے از اسمائے آنحضرت است ﷺ و نور را سایہ نمی باشد۔ انتہی (مدارج النبوة جلد اول)

ترجمہ: اور نہ تھا حضور کا سایہ نہ سورج میں نہ چاند میں۔ اس کو حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت ذکوان سے روایت کیا اور ان بزرگوں سے تعجب ہے کہ (اس موقع پر) انہوں نے چراغ کا ذکر نہیں کیا اور نور حضور ﷺ کے اسمائے مبارکہ سے ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ افضل القریٰ میں فرماتے ہیں

ومما يؤسفنا ان الله صلى الله عليه وسلم صار نورا انه كان اذا مشى في الشمس والقمر لا يظهر له ظل لانه لا يظهر الا للكتيف وهو صلى الله عليه وسلم قد خلصه الله من سائر الكثافات الجسمانية وصيرة نورا صرفا لا يظهر له ظل اضلا۔ انتہی (افضل القریٰ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: اور جو چیز اس بات کی تائید کرتی ہے کہ حضور ﷺ نور خالص ہوں گے۔ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تھے تو حضور ﷺ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا کیونکہ سایہ صرف جسم کثیف کا ظاہر ہوتا ہے اور جب حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے

تمام جسمانی کثافتوں سے خالص کر کے ایسا نور محض بنالیا تھا جس کا سایہ اصلاً ظاہر نہ ہوتا تھا۔ انتہی مجمع بحار الانوار میں ہے

من اسمائه صلى الله عليه وسلم النور قيل من خصائصه صلى الله عليه وسلم انه اذا مشى في الارض في الشمس والقمر لا يظهر له ظل. انتہی (مجمع البحار الانوار مطبوعہ نول کشور لکھنؤ جلد سوم ص ۴۰۲)

ترجمہ: حضور کے اسمائے مبارکہ سے ایک اسم پاک ”النور“ ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ کے خصائص سے یہ بات تھی کہ حضور ﷺ جب سورج یا چاند کی روشنی میں زمین پر چلتے تھے تو حضور ﷺ کا سایہ نہ ہوتا تھا۔ انتہی

علامہ سلیمان جمل فتوحات احمدیہ شرح ہمزئیہ میں فرماتے ہیں

لم يكن له صلى الله عليه وسلم ظل في شمس ولا قمر. انتہی

ترجمہ: حضور ﷺ کا سایہ نہ ہوتا تھا نہ سورج کی روشنی میں نہ چاند کی روشنی میں۔ انتہی

علامہ حسین بن دیار بکری کتاب النجیس میں فرماتے ہیں

لم يقع ظله على الارض ولا رؤى له في شمس ولا قمر. انتہی (کتاب النجیس النوع الرابع)

ترجمہ: حضور کا سایہ زمین پر نہ دھوپ میں پڑتا تھا، نہ چاندنی میں۔

یہی عبارت ”نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی الاطہار“ میں ہے۔

عارف کامل حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز مثنوی شریف دفتر پنجم میں فرماتے ہیں

چول فتاش از فخر پیرایہ شود

او محمد ﷺ وار ہے سایہ شود

مولانا بحر العلوم نے اس کی شرح میں ارقام فرمایا

در مصرع ثانی اشارہ بمعجزہ آں سرور ﷺ است کہ سرور اسایہ نمی افتاد۔ انتہی (شرح بحر العلوم)

ترجمہ: مصرع ثانی میں سرور عالم ﷺ کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ پڑتا تھا۔ انتہی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وبكشف صريح معلوم كنهه است که خلقت آں سرور ﷺ ناشی از این امکان است کہ بصفات اضافیہ تعلق وارد نہ امكانیکہ در سائر

ممکنات عالم کائن است ہر چند بدقت نظر صحیفہ ممکنات عالم را مطالعہ نموده می آید وجود آں سرور آنجا مشہور نمی گردد و بلکہ منشاء خلقت و

امکان او علیہ والہ الصلوٰۃ والسلام در عالم ممکنات نباشد بلکہ فوق ایں عالم باشد ناچار اور اسایہ نبود، ونیز در عالم شہادت سایہ ہر شخص لطیف

ترست و چوں لطیف تر از وی در عالم نباشد اور اسایہ چہ صورت دارد علیہ والہ الصلوٰۃ والتسلیمات۔ انتہی (مکتوب امام ربانی جلد سوم)

ترجمہ: اور کشف صریح سے معلوم ہوا کہ آں سرور عالم ﷺ کی خلقت اس امکان سے ناشی ہے جو صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے نہ اس امکان سے جو تمام عالم ممکنات میں ہے۔ جس قدر بھی وقت نظر سے صحیفہ ممکنات عالم کا مطالعہ کیا جائے آں سرور عالم ﷺ کا وجود مبارک وہاں (امکان ممکنات سے متصف ہو کر) ظاہر نہیں ہوتا۔ (حتیٰ کہ) حضور ﷺ کی خلقت و امکان کا منشاء عالم ممکنات میں بالکل نہیں پایا جاتا بلکہ منشاء خلقت محمدی اس عالم امکان سے بالاتر ہے۔ لہذا ناچار حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔

نیز عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے لطیف تر ہوتا ہے جب حضور ﷺ سے لطیف تر عالم میں کوئی چیز نہیں ہو سکتی تو حضور ﷺ کا سایہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ انتہی

اس کے بعد اسی مکتوبات جلد سوم کے مکتوب صد و بست و دوم کے آخر میں فرماتے ہیں ممکن چہ بود کہ ظل واجب باشد واجب را تعالیٰ چرا ظل بود کہ ظل موہم تولید مثل است و منی بر شائبہ عدم کمال لطافت اصل ہر گاہ محمد رسول اللہ ﷺ را از لطافت ظل بنود خدائے محمد را چگونہ ظل باشد۔ انتہی (مکتوبات امام ربانی جلد سوم ص ۳۴)

ترجمہ: کیسے ممکن ہے کہ واجب کا سایہ ہو واجب تعالیٰ کے لئے تو سایہ کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ شاید تولید مثل کا وہم پیدا کرتا ہے اور عدم لطافت اصل کا مظہر ہے۔ جب کمال لطافت کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تھا تو خدائے محمد کا سایہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ انتہی حضور سید عالم ﷺ کے لئے حسی حقیقی نورانیت کے ثبوت میں ناظرین کرام ہمارے دلائل پڑھ چکے ہیں۔ اب ایک چھوٹی سی عبارت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔ ان کے عقیدے سے ہمیں بحث نہیں۔ سر دست الزام اعلیٰ الخصم نشر الطیب کی ایک عبارت ہدیہ ناظرین ہے

☆ ”جب آپ ہنستے تھے تو دیواروں پر چمک پڑتی تھی۔“ نشر الطیب ص ۱۶۰

ناظرین غور فرمائیں کہ یہ عبارت حضور ﷺ کے لئے حسی حقیقی نورانیت کی مثبت ہے یا نہیں؟ اگر گنجائش ہوتی تو دیوبند کا فتویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایہ نہ ہونے کے بارہ میں فتاویٰ دیوبند سے نقل کیا جاتا لیکن اہل انصاف کو اب حریہ کسی حوالہ کی ضرورت نہیں رہی۔ الحمد للہ! حق آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا۔

ہم نے اس کتاب میں جن علماء امت اور مصنفین کے اقوال و روایات پیش کئے ہیں اور جن کتابوں سے عبارات نقل کی ہیں ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں

علماء مصنفین

- ۱۔ حکیم ترمذی ۲۔ حافظ رزیں ۳۔ ابن مبارک ۴۔ محدث ابن سبع ۵۔ ابراہیم بنجوری ۶۔ قاضی عیاض ۷۔ مولانا روم ۸۔ علامہ حسین بن محمد دیار بکری ۹۔ محمد ابن جوزی ۱۰۔ صاحب سیرۃ شامی ۱۱۔ صاحب سیرۃ حلبیہ ۱۲۔ امام جلال الدین سیوطی ۱۳۔ امام راغب اصفہانی ۱۴۔

علامہ شیخ محمد طاہر ۱۵۔ علامہ شہاب الدین خفاجی ۱۶۔ امام قسطلانی ۱۷۔ امام زرقانی ۱۸۔ الشیخ عبدالحق دہلوی ۱۹۔ حضرت مجدد الف ثانی ۲۰۔ علامہ بحر العلوم لکھنوی ۲۱۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۲۲۔ امام نسفی ۲۳۔ علامہ سلیمان جمل ۲۴۔ علامہ ابن حجر مکی

ان کے علاوہ مولوی مختار حسین کے جن میں ایک مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور دوسرے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہیں۔ اور جن کتابوں سے ہم نے اپنے بیان کے دلائل کو اخذ کیا ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں

۱۔ نوادر الاصول فی بیان اخبار الرسول ۲۔ سیرۃ حلبیہ ۳۔ خصائص کبریٰ ۴۔ مفردات امام راغب ۵۔ مجمع بحار الانوار ۶۔ نسیم الریاض ۷۔ شفاء قاضی عیاض ۸۔ زرقانی ۹۔ مدارج النبوة ۱۰۔ مکتوبات امام ربانی ۱۱۔ تفسیر عزیزی ۱۲۔ مدارک ۱۳۔ مثنوی شریف ۱۴۔ شرح بحر العلوم ۱۵۔ افضل القرئی ۱۶۔ مواہب اللدنیہ ۱۷۔ شامل ترمذی الموزج الملیب

اور ان کے علاوہ دیگر کتب معتبر سے روشن دلائل اخذ کر کے ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ لیجئے ایک نظر دیوبند کا فتویٰ بھی دیکھتے چلیے

عزیز الفتاویٰ میں ہے

آنحضرت ﷺ کا سایہ نہ تھا

سوال: ۱۴۴۶ھ حدیث کون سی ہے جس میں یہ ہے کہ رسول مقبول ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوتا تھا؟

الجواب: امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے

اخرج الحکیم لترمذی عن ذکوان ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرى له ظل في شمس ولا قمر۔ الخ

اور تواتر حلیب الہ میں مفتی عنایت احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ کا بدن نور تھا۔ اسی وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا۔ مولوی جامی

رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا سایہ نہ ہونے کا خوب نکتہ لکھا ہے۔ اس قطعہ میں

قطعه

بغیر	ما	نداشت	سایہ	ناشک	بدل	یقین	نہند
یعنی	ہر	کس	کہ	پروا	دست	پیدا	کے
						پا	زمین

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ (عزیز الفتاویٰ جلد ہشتم ص ۲۰۲)

ایک شبہ اور اس کا جواب

فتاویٰ دیوبند سے فتویٰ منقولہ بالا نقل کرتے وقت ایک دوست نے شبہ وارد کیا کہ میں نے دیوبند ہی کے کسی مجموعہ فتاویٰ میں اس فتویٰ کے خلاف فتویٰ دیکھا ہے۔

فقیر نے جواباً عرض کیا کہ ان حضرات کے فتوؤں کا اختلاف کوئی نئی بات نہیں۔ نہ ہمیں اس سے کوئی بحث ہے۔ ہم تو صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں نے محض اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس مسئلہ کو منسوب کیا، وہ اعلیٰ حضرت پر افتراء کرتے ہیں۔

دراصل ان کے مقتداء بھی ایسے فتوے دیتے چلے آئے اور انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ واقعی حضور ﷺ کا بدن مبارک نور تھا جس کی وجہ حضور ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا اور عارف جامی جیسے حضرات کا بھی یہ مسلک ان کے نزدیک مسلم ہے۔ اب اگر وہ اس کے خلاف لکھیں تو مورد الزام وہ خود بنتے ہیں۔ جس کا جواب ان کے اپنے ذمہ ہے کہ جس بات کو وہ اہل حق کا مسلک سمجھ کر مان چکے ہیں اس کا انکار کیوں کرتے ہیں؟

ایک اور اعتراض اور اس کا جواب

اس مقام پر ایک یہ اعتراض بھی ہو سکتا ہے کہ اگر واقعی حضور ﷺ کا جسم مبارک نور تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے کہ نبی کریم ﷺ میرے حجرہ مبارکہ میں رات کے کی نماز پڑھتے تھے۔ چراغ نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرا ہوتا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سجدہ میں جاتے تو میرے پاؤں کو اپنے مبارک ہاتھ سے دبا دیتے اور میں اپنے پاؤں سکڑ لیتی تب حضور ﷺ سجدہ فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یا اس قسم کی بعض دیگر روایات سے نور اقدس کے وجود کی نفی ہرگز ثابت نہیں بلکہ غایت ما فی الباب نور مبارک کے ظہور کی نفی ہوگی اور نفی ظہور نفی وجود کو مستلزم نہیں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نور دو قسم کا ہے حسی اور معنوی۔ دیکھئے علم ادراک نور معنوی ہے لیکن جب عدم الثقات کا حال طاری ہوتا ہے تو اس وقت نور علم کا ظہور نہیں ہوتا مگر اس کے وجود کی نفی آپ نہیں کر سکتے کیونکہ تصدیق اور ایمان بھی علم ہے۔ جب مومن مصدق پر نیند بے ہوشی یا اس کے علاوہ کسی قسم کے الثقات از قبیل ذہول وغیرہ کا غلبہ ہوتا ہے تو ظہور علم کی نفی ہوگی وجود کی نفی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ علم کی نفی سے تصدیق کی نفی ہو جائے گی کیونکہ وہ تصدیق کا منقسم ہے اور تصدیق ہی عین ایمان ہے تو معاذ اللہ ان سب حالتوں میں مومن کے ایمان کی نفی ہوگی۔ حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ پس جس طرح نور معنوی بعض احوال میں ظاہر نہیں ہوتا مگر موجود ہوتا ہے اسی طرح بمقتضائے حکمت ایزدی کسی وقت نور حسی بھی ظاہر نہ ہو تو اس کا وجود مشکئی ہوگا۔ دیکھئے اسی حدیث میں نور اقدس کے عدم ظہور سے دین کے کئی مسئلے پیدا ہو گئے۔ مثلاً اگر نمازی پوری طرح مطمئن ہے تو اندھیرے میں نماز کا جواز ثابت ہوا۔ پھر یہ کہ نمازی کے سامنے عورت کا جانب قبلہ میں معترض ہونا مفسد صلوٰۃ نہ رہا۔ تیسرے یہ کہ نمازی اگر بحالت نماز عورت کے جسم کو ہاتھ لگا دے تو وضو اور نماز دونوں صحیح ہیں۔ اگر اس وقت حضور ﷺ کا نور بالقوۃ نہ ہو جاتا تو یہ مسائل کیسے مدون ہوتے؟ یاد رکھیے حضور کی ادائیں دین ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

الغرض بر بنائے حکمت جیسے نور معنوی کا عدم ظہور جائز ہے اسی طرح حکمت کے پیش نظر نور حسی کا عدم ظہور بھی یقیناً جائز اور ممکن ہے۔ مگر اس کا عدم وجود نور پر استدلال کرنا بے نوری کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

حرف آخر

الحمد للہ! ہم نے نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا کہ حضور ﷺ کا جسم پاک ایسا نورانی اور لطیف تھا کہ اس کا سایہ زمین

پر نہ پڑتا تھا۔ نفی سہیہ کے بیان سے ہم فارغ ہو گئے۔ البتہ حدیث ذکوان کے متعلق ابھی کچھ عرض کرنا باقی ہے۔ فاقول وبہ التوفیق۔ اس میں شک نہیں کہ حدیث ذکوان ضعیف ہے لیکن ایسی نہیں کہ بالکل ساقط الاعتبار ہو چہ جائیکہ اسے موضوع کہا جائے۔ اس لئے اگر یہ حدیث بالکل ساقط الاعتبار یا موضوع ہوتی ہے تو وہ جلیل القدر ائمہ حدیث جن کی عبارات ہم اپنے بیان میں نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ نقل کر آئے ہیں۔ ہرگز اس کو حضور ﷺ کے سہیہ نہ ہونے کی تائید میں پیش نہ کرتے۔

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ جن احادیث ضعیفہ کو محدثین نے مجروح کر کے چھوڑ دیا اور کسی معتبر محدث نے ان سے کوئی استدلال نہیں کیا نہ کسی مسئلہ کی تائید میں انہیں پیش کیا ان سے استدلال کرنا ضرور محل نظر ہے لیکن جن احادیث ضعیفہ سے اہل علم نے استدلال کیا یا انہیں کسی مسئلہ کی تائید میں پیش کیا انہیں علی الاطلاق ساقط الاعتبار قرار دینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسی صورت میں وہ تمام محدثین اور علمائے اعلام موروثین قرار پائیں گے جنہوں نے ان احادیث کو کسی مسئلہ شرعیہ کی دلیل یا اس کا مؤید قرار دیا ہے اور اگر اس بارے میں کوئی شخص ان تمام اجلہ محدثین کے خلاف اپنے خیال کو صحیح سمجھتا ہے تو یہ اس کی جرأت عظیمہ ہے جو اہل انصاف کے نزدیک کسی طرح مقبول اور پسندیدہ نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں ابواب فضائل و مناقب میں ضعاف کا معتبر ہونا ایک حقیقت ثابت ہے جس کا انکار محض تعصب و اعتصاف ہے۔ اس کے بعد یہ بھی عرض کر دوں کہ رسول اللہ ﷺ کے سہیہ نہ ہونے کی اصل دلیل ہمارے نزدیک وہ آیات قرآنیہ مرقومہ بالا ہیں جن میں حضور ﷺ کو نور فرمایا گیا ہے۔ نیز احادیث مذکورۃ الصدر میں جن سے حضور ﷺ کے لئے ہم کامل نورانیت ثابت کر چکے ہیں اور یہ سہیہ نہ ہونے کی روایات، ان آیات و احادیث کے مضمون کی مویت ہیں۔ ایسی صورت میں ان کا ضعف کسی حال میں بھی ہمارے لئے مضرت نہیں۔

اگر آپ اعتراض کریں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سہیہ ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو اس کا منکر تمہارے نزدیک خارج از اسلام ہونا چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری پیش کردہ نصوص چونکہ دوسرے معنی کی بھی محتمل ہیں اس لئے ان کا یہ حکم قطعی نہیں لہذا منکر کو ہم خارج از اسلام نہیں کہہ سکتے۔

ہاں، اس میں شک نہیں کہ دوسرا ختام چونکہ ضعیف ہے اس لئے وہ ہمارے استدلال سے مانع نہیں ہو سکتا۔ لہذا اباب مناقب میں ان سے ہمارا دعویٰ بھی ثابت ہو جائے گا اور عدم قطعیت کی وجہ سے اس کا منکر کافر بھی نہ ہوگا۔

پھر یہ کہ فقہاء اور اہل علم جس حدیث ضعیف سے کسی مسئلہ پر استدلال کریں یا اسے کسی مسئلہ شرعیہ کا مؤید قرار دیں تو اس میں فی الجملہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ کما لا ینخفی علی الذکی۔

چونکہ اس حدیث کو بھی علماء محدثین نے حضور ﷺ کے سہیہ نہ ہونے کی دلیل یا اس کا مؤید قرار دیا ہے اس لئے اس میں ایسی قوت پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے اسے بالکل ساقط الاعتبار کہنا درست نہیں۔

علاوہ ازیں یہ حدیث صرف ذکوان سے نہیں بلکہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے۔ جیسا کہ زر قانی علی المواہب میں ہے

فہو مرسل لکن روی ابن مبارک وابن جوزی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ظل۔ الحدیث (زر قانی جلد رابع مطبوعہ مصر ص ۲۲۰)

اور زر قانی علی المواہب کے متعلق آپ کے علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں ارقام فرماتے ہیں
زر قانی علی المواہب، یہ مواہب اللہ نیہ کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شبلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی۔ آٹھ جلدوں میں ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔ (سیرۃ النبی مؤلفہ شبلی نعمانی جلد اول طبع پنجم ص ۳۷)
لہذا اس حدیث کو مرسل کہہ کر یہ چھڑانا ممکن نہیں۔

ہاں، بعض رواۃ کی جہت سے اس کا ضعف مسلم ہے لیکن یاد رہے کہ اس حدیث کی صرف ایک روایت نہیں بلکہ ایک سے زیادہ روایتوں سے یہ حدیث مروی ہے۔ جیسا کہ زر قانی کی منقولہ عبارت سے ثابت ہے لیکن تا یہ حرید کے لئے آپ کے علامہ شبلی نعمانی کی ایک عبارت اور بھی پیش کئے دیتا ہوں۔ دیکھیے وہ لکھتے ہیں

ضعیف روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ نہ تھا یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور ناقابل اعتبار ہیں۔ (سیرۃ النبی مؤلفہ شبلی نعمانی جلد دوم ص ۱۹۸)

شبلی صاحب نے اس عبارت میں دو جگہ ”ضعیف روایتوں“ اور یہ ”روایتیں“ لکھ کر اس بات کو تسلیم کر لیا کہ حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کا مضمون ایک سے زیادہ کئی روایتوں میں آیا ہے۔ مانا کہ وہ سب ضعیف ہیں لیکن بہر حال وہ ایک روایت نہیں بلکہ کئی روایتیں ہیں۔ اس کے باوجود بھی انہیں ناقابل اعتبار کہنا ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے۔ فن حدیث سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ ضعیف روایت طرق متعددہ سے مروی ہو تو اسے علی الاطلاق ناقابل اعتبار نہیں کہہ سکتے اور علماء محدثین کی عبارات تو ہم پہلے ہی نقل کر چکے ہیں جن کو پڑھ کر ہمارے ناظرین کرام کو محدثین کا مسلک معلوم ہو گیا ہوگا۔

ایک معممہ

عبارت منقولہ بالا میں شبلی صاحب نے حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی روایتوں کی سند کا وجود تو مان لیا۔ یہ اور بات ہے کہ صحت کی نفی اور ضعف کا اثبات کیا لیکن بہر نوع سند کو ضرور تسلیم کیا کیونکہ صحیح یا ضعیف ہونا دراصل اصل سند ہی کی صفت ہے۔ اگر سند کا وجود نہ ہو تو صحت و ضعف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لیکن یہی شبلی صاحب اس سے پہلے ص ۱۹۷ میں ارقام فرما چکے ہیں

☆ ”عام طور سے مشہور ہے کہ آپ کے سایہ نہ تھا لیکن اس کی کوئی سند نہیں۔“ (سیرۃ النبی مؤلفہ شبلی نعمانی جلد دوم ص ۱۹۷)

اب یہ معمر شیلی صاحب یا ان کے مقلدین ہی حل فرمائیں گے کہ حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی جب کوئی سند ہی نہیں تو آپ کس چیز کو صحت سے خالی اور ضعیف قرار دے رہے ہیں؟

جن مودودیّت زدہ لوگوں نے ازراہ تعصب حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی حدیث کو مرسل اور ضعیف کہہ کر بالکل ساقط الاعتبار قرار دے دیا نہ تعدد روایات کا اعتبار رکھنا نہ اجلہ فضلاء امت کے مسلک کو دیکھا گیا جلیل القدر محدثین کے مسلک کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھا ان کی خدمت میں نہایت اخلاص کے ساتھ گزارش ہے کہ اس مقام پر ذرا مودودی صاحب کے ارشادات ہی ملاحظہ فرما لئے ہوتے۔ آپ کے مودودی صاحب نے ایک مرسل اور ضعیف حدیث سے پردہ کے بارہ (باب احکام) میں استدلال کیا مگر استاذ ناصر الدین نے جب ان کی گرفت کی تو مودودی صاحب نے ان کو وہی جوابات دیئے جو ایک زمانہ سے ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے آتے ہیں۔ خدا را عباد کو چھوڑ کر ذرا انصاف کیجئے۔ شرعی مسائل میں یہ جنبہ داری اچھی نہیں، وہاں تو احکام کا معاملہ ہے اور یہاں محض مناقب کا مسئلہ ہے۔ اگر اب بھی آپ اپنی ضد پر اڑے رہے تو یہ حق پسندی نہ ہوگی۔ مودودی صاحب کے بیان سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ انہیں غور سے پڑھ لیجئے۔ ماننا نہ ماننا آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ ترجمان القرآن میں فرماتے ہیں

اولاً یہ بات اصحاب علم سے پوشیدہ نہیں ہے اور فاضل استاذ سے بھی پوشیدہ نہ ہوگی کہ ایک ضعیف حدیث اگر کسی مضمون کے بیان کرنے میں منفرد ہو تو اس کے ضعف سند کی وجہ سے اس کا حکم بھی ضعیف ہو جاتا ہے لیکن اگر متعدد ضعیف احادیث ایک مضمون کے بیان کرنے میں متفق ہوں تو چاہے ان میں سے ہر ایک فرداً فرداً بلحاظ اسناد کتنی ہی ضعیف ہو ان کا مشترک مضمون قوی ہو جاتا ہے۔ استاذ محترم نے میری نقل کردہ ایک حدیث کے ضعف پر کلام کیا ہے مگر اس بات کو نظر انداز کر دیا ہے کہ ان ضعیف احادیث کی مجموعی شہادت سے ان کے مشترک مضمون کو قوت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟

ثانیاً حدیث ضعیف کے معنی لازماً یہی نہیں ہیں کہ وہ جھوٹی اور موضوع ہے۔ اس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ کذب کا احتمال یہ تقاضا ضرور کرتا ہے کہ اس حکم کے معاملہ میں احتیاط برتی جائے جو اس میں بیان کیا گیا ہو۔ پھر جب کہ اسی حکم کا ذکر متعدد دوسری ضعیف احادیث میں بھی ہو تو اس کا احتمال صدق کا پہلو زیادہ رائج ہو جاتا ہے۔ ہم چاہے یہ نہ کہہ سکیں کہ ان احادیث سے فلاں فعل کا واجب یا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تو ضرور کہہ سکتے ہیں کہ فلاں فعل شرع پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ اور فلاں فعل کرنا چاہئے یا نہ کرنا چاہئے۔ کم از کم اس سے شریعت کے رجحان کا پتہ ضرور چلتا ہے۔

ثالثاً یہ بات بھی فاضل استاذ سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ فقہاء کی تلقی بالقبول احادیث کے ضعف میں نہیں بلکہ اس قوت میں اضافہ کرتی ہے۔ (ترجمان القرآن لاہور جنوری ۱۹۶۰ء ص ۲۴)

اس کے بعد ص ۲۵ پر فرماتے ہیں

”فاضل استاذ درست کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے اس لئے ضعیف ہے لیکن صرف مرسل اور ضعیف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا

کثیر بالکل جھوٹی اور ساقط الاعتبار ہی ہو۔“ اس کے بعد ص ۲۶ پر فرماتے ہیں

جہاں تک قرآن اور سنت صحیحہ کے خلاف دعویٰ ہے اس کے متعلق تو میں بعد میں عرض کروں گا لیکن یہاں اتنی بات عرض کئے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ ابن جریر اور قتادہ نہ تو قرآن سے اس قدر ناواقف ہیں کہ ایک چیز اس کے خلاف ہو مگر انہیں اس کا احساس نہ ہو اور نہ وہ ایسے جری ہیں کہ جان بوجھ کر ایک مخالف قرآنی بات نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دیں۔ اپنا دعویٰ کرنے سے پہلے استاذ ناصر الدین کو اپنی جگہ اچھی طرح غور کر لینا چاہئے تھا کہ وہ کیا فرما رہے ہیں۔

آگے چل کر ص ۳۳ پر فرماتے ہیں کہ

اس کے متعلق استاذ موصوف کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے یعنی نبی ﷺ کا قول و فعل نہیں بلکہ ایک صحابیہ کا فعل ہے۔ مگر کیا استاذ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آثار صحابہ نا قابل احتجاج ہیں اور ان سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں ہوتی یا ان کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے معاملہ میں شریعت کا منشاء معلوم کرنے کے لئے امہات المؤمنین کا عمل کوئی معتبر ذریعہ نہیں۔

مودودی صاحب کے اس بیان کی روشنی میں حسب ذیل امور واضح ہو گئے

۱۔ حدیث ذکوان جس میں حضور ﷺ کے جسمانی سایہ کی نفی ہے۔ باوجود مرسل اور ضعیف ہونے کے فی الجملہ قوت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ دیگر روایات اس مضمون کی مؤید ہیں۔ جیسا کہ ہم بالمشفیل عرض کر چکے ہیں۔

۲۔ محض ضعف کی وجہ سے اس حدیث کو چھوٹا اور موضوع کہنا جائز نہیں۔ اس کی روشنی میں کم از کم شریعت کا یہ رجحان تو ظاہر ہو گیا کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔

۳۔ محدثین کا اس حدیث کو حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کے ثبوت یا اس کی تائید میں پیش کرنا اس کے ساقط الاعتبار ہونے کی تردید کرتا ہے۔

مخلصانہ گزارش

اپنے مخالفین کی خدمت میں ایک دفعہ پھر گزارش کروں گا اور مخلصانہ عرض کروں گا کہ حضور سید عالم ﷺ کو نورمان کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم اقدس سے سایہ کی نفی کرنے میں حسب ذیل اعلام امت ہمارے مقتدا ہیں جن کی چمکتی ہوئی عبارات کتب معتبرہ سے ہم نقل کر چکے ہیں اور بنظر سہولت اکثر کتابوں کے صفحات بھی تحریر کر دیئے ہیں

- ۱۔ حکیم ترمذی ۲۔ حافظ رذی ۳۔ ابن مبارک ۴۔ محدث ابن سبع ۵۔ ابراہیم بنجوری ۶۔ قاضی عیاض ۷۔ مولانا روم ۸۔ علامہ حسین بن محمد دیار بکری ۹۔ محمد ابن جوزی ۱۰۔ صاحب سیرۃ شامی ۱۱۔ صاحب سیرۃ حلبیہ ۱۲۔ امام جلال الدین سیوطی ۱۳۔ امام راغب اصفہانی ۱۴۔ علامہ شیخ محمد طاہر ۱۵۔ علامہ شہاب الدین خفاجی ۱۶۔ امام قسطلانی ۱۷۔ امام زرقانی ۱۸۔ الشیخ عبدالحق دہلوی ۱۹۔ حضرت مجدد الف ثانی ۲۰۔ علامہ بحر العلوم لکھنوی ۲۱۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۲۲۔ امام نسفی ۲۳۔ علامہ سلیمان جمل ۲۴۔ علامہ ابن حجر مکی

اگر ہمارے خلاف حضور ﷺ کی نورانیت کی نفی اور جسمانی سایہ کے ثبوت میں ایسے ہی محققین اعلام امت کے صریح اور واضح اقوال آپ کے پاس ہیں تو ازراہ کرم قائلین کے اسماء گرامی کے ساتھ اسی طرح دکھائیے جیسے ہم نے مسلم بزرگان دین کے ارشادات اور ان کے اسماء مبارکہ کی فہرست آپ کے سامنے پیش کی ہے۔

اولئک ابنائی فجئنا فحماہم
اذا جمعنا یا جریبر المجمع

ورنہ برائے کرم غور فرمائیے کہ کیا ان اعلام امت نے معاذ اللہ قرآن و حدیث کے خلاف اپنی طرف سے ایک جھوٹی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دی۔ آپ کے خیال میں یہ حضرات قرآن و حدیث سے ایسے ہی ناواقف تھے کہ ایک خلاف واقعہ امر کو انہوں نے حضور ﷺ کی طرف نہایت شد و مد کے ساتھ منسوب کر دیا اور انہیں اس کا احساس تک نہ ہوا۔

مجدد الف ثانی

پھر سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضور ﷺ کو نورانی مضمون کواد فرمایا۔

حضرت مجدد الف ثانی کو تمام دیوبندی اور خصوصاً مودودی قسم کے لوگ بھی مجدد مانتے ہیں اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مجدد کا کام یہ ہے کہ دین میں لوگوں کی پیدا کی ہوئی خرابیوں کا ازالہ کرے۔ مسلمانوں کے غلط اور فاسد خیالات کی تردید اور عقائد حقہ کی ترویج و تائید مجدد کے فرائض تجدید کا جزو لا ینفک ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم نور مجسم ﷺ کی نورانیت کا عقیدہ ظاہر فرمایا اور جسم اقدس کے سایہ کی نفی فرمائی جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حضور ﷺ کے نور ہونے کا اعتقاد اور جسم اقدس کے سایہ کی نفی کا مسلک ہی حق ہے اور اس کا انکار کرنا شرعی نقطہ نظر سے قطعاً غلط اور فاسد ہے۔

الحمد للہ! حدیث ذکوان پر کلام ختم ہوا اور مسئلہ ظنِ نبی ﷺ کی نفی کے پہلو کا مکمل جائزہ ناظرین کرام کے سامنے آ گیا۔ اب دلائل اثبات پر کلام شروع کرتا ہوں۔ علیہ تو کلت وبہ استعین

حضور اکرم ﷺ کا سایہ ہونے کی دلیلیں

دلیل اول: ایک علامۃ الورد واقعہ میں تمام صحابہ کا سکوت دلیل ہے کہ حضور کا سایہ تھا (مخلص از مکتوب میرزا ریاض احمد صاحب لاہور بحوالہ ماہنامہ تجلی دیوبند)

جائزہ: ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی دلیل قرآن و حدیث کی وہ نصوص ہیں جن سے حضور ﷺ کی کمال نورانیت اور لطافت ثابت ہوتی ہے۔ ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جسمانی نور سے دیواریں روشن ہو جاتی تھیں تو جب ان آیتوں کی تلاوت شب و روز صحابہ کرام کرتے تھے اور ان حدیثوں کو روایت کرنے والے بھی صحابہ کرام حضور ﷺ کے لئے

نورانیت کے قائل ہیں اور حسی حقیقی نورانیت کے لئے سایہ نہ ہونا لازم ہے تو جس نے حضور ﷺ کو نور حسی حقیقی کہا اس نے حضور ﷺ کے جسم اقدس سے سایہ کی نفی کی۔ یاد رکھیے، لوازم بینہ محتاج بیان نہیں ہوا کرتے۔ ملزوم کا ذکر ہی لازم کا ذکر ہوتا ہے۔ اگر میں کہوں کہ سورج نکل آیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے وجود نہار سے سکوت اختیار کیا یا میں نے کسی کو بنی آدم کہا تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا ہرگز درست نہیں کہ میں اس کے انسان ہونے سے سکت ہوں۔ کسی کو صالح کہنا اس کے مومن ہونے سے سکوت اختیار کرنا نہیں بلکہ اس کے ایمان کا اقرار ہے۔ دیکھئے قرآن وحدیث میں کہیں نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ نہ کسی صحابی نے اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود کہا۔ پھر اگر کوئی سادہ لوح یہ کہہ دے کہ قرآن وحدیث اور تمام صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے سے سکت ہیں تو یہ اس کی نادانی ہوگی کیونکہ جب قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کو سبحان کہا گیا اور تمام صحابہ اللہ تعالیٰ کی سبحانیت کے قائل ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ کیونکہ سبحان کے لئے واجب الوجود ہونا لازم ہے۔ پس اسی طرح حضور ﷺ کے نور حقیقی ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کے لئے سایہ نہ ہونا لازم ہے اور ملزوم کا اقرار لازم کا اقرار ہوتا ہے اس لئے صحابہ کرام کو اس مسئلہ میں سکت کہنا صحیح نہیں۔

رہا یہ امر کہ حضور ﷺ کو بے سایہ دیکھ کر کافر ایمان کیوں نہ لائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائیوا لے نہ تھے وہ اس سے بھی بڑے عظیم وجلیل معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لائے۔ کسی کے ایمان نہ لانے سے حضور ﷺ کے کسی کمال یا معجزہ کی نفی نہیں ہو سکتی۔ لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایہ نہ ہونے پر تعجب ہے اور میں عرض کروں گا کہ حضور ﷺ کی نورانیت ثابت ہو جانے کے بعد حضور کا سایہ تعجب کی بات ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کثیف چیز کا سایہ ہرگز تعجب کا باعث نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کسی لطیف نورانی چیز کا سایہ پڑنے لگے تو ہر شخص کو تعجب ہوگا جبکہ حضور نبی کریم ﷺ کی نورانیت و لطاف اظہر من الشمس تھی تو اب سایہ نہ ہونے پر کیا تعجب رہا۔ اس کے بعد اتنی بات اور عرض کردوں کہ ہمارے پیش کردہ ہیں سے زیادہ ائمہ اعلام نے جب حضور ﷺ کے جسم اقدس سے سایہ کی نفی کر دی تو اس کے بعد تمام علمائے امت کا سکوت اس امر کی روشن دلیل ہے کہ یہ مسلک حق ہے اور جو استشہاد اس بارے میں کیا گیا ہے صحیح ہے ورنہ ایک غلط استدلال اور باطل عقیدہ کے سامنے آ جانے کے بعد کسی اہل حق کے لئے سکوت جائز نہیں ہو سکتا۔

احادیث ثبوت ظل

اب ان احادیث پر کلام کرتا ہوں جنہیں مخالفین نے حضور ﷺ کے جسمانی سایہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ وہ تین حدیثیں ہیں جو ناظرین کرام اس مضمون کے شروع میں پڑھ چکے ہیں۔ ان میں ایک حدیث مسند امام احمد کی ہے اور دوسری مجمع الزوائد کی۔ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ کے بیان میں وارد ہیں۔ وہ واقعہ ناظرین کرام کے سامنے آچکا ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت اثناء سفر میں حضرت صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب کے پاس ضرورت سے زائد اونٹ تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت زینب سے فرمایا کہ تم ایک اونٹ صفیہ کو دے دو۔ انہوں نے کہا، حضور! اس یہودیہ

کو میں اپنا اونٹ دے دوں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات پر حضرت زینب سے راضی ہو گئے اور ان سے بات چیت چھوڑ دی۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر سفر میں ذی الحجہ کے آخری دنوں میں پیش آیا تھا اور باقی ایام سب اسی حالت میں گزرے۔ حتیٰ کہ ماہ محرم اور ماہ صفر اور اس کے بعد ربیع الاول شریف کے چند دن بھی اسی ناراضگی کے حال میں بسر ہوئے۔ حضرت زینب فرماتی ہیں، میں نے سمجھا حضور ﷺ کو اب میری کوئی حاجت نہیں اس لئے میں نے اپنا بستر اور چار پائی وغیرہ سامان اٹھا دیا۔ اسی اثناء میں میں ایک دن بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک ٹھیک نصف النہار کے وقت میں نے حضور ﷺ کے ظل مبارک کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

مخالفین کے مبلغ علم پر حیرت ہوتی ہے کہ انہیں جہاں لفظ ظل نظر آیا فوراً اس کے معنی جسم کے تاریک سایہ کے سمجھ لیے۔ ایسی ذہنیت والوں سے تعجب نہیں کہ وہ حدیث مبارک ”سبعة يظلهم الله بظله“ (سات آدمی ایسے ہوں گے جن پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا سایہ ڈالے گا) اور اسی طرح دوسری حدیث ”يوم لا ظل الا ظله“ (قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا) پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے لئے بھی جسمانی تاریک سایہ ثابت کر دیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

سلفاً عرض کر چکا ہوں کہ مسند امام احمد اور مجمع الزوائد کی دونوں کتابوں میں یہی ایک واقعہ مروی ہے، حادی الارواح کی حدیث کا جواب ان شاء اللہ آخر میں پیش کروں گا۔ پہلے اسی واقعہ کی دو حدیثوں کا جواب عرض کرتا ہوں جس کے چار مقدمے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ترتیب وار ہر مقدمہ کے دلائل لکھوں گا جنہیں پڑھ کر ناظرین کرام پر واضح ہو جائے گا کہ مخالفین کا استدلال ان اوہن البیوت لیت العنکبوت سے بھی گیا گزرا ہے۔

امر اول

ظل کے معنی کا بیان اور اس بات کا ثبوت کہ لفظ ”ظل“ لغت عرب میں ”شخص“ اور ”جسم“ کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

امر دوم

ظل اور فی کے معنی میں فرق ہے۔

امر سوم

جس دن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ٹھیک نصف النہار (دوپہر) کے وقت حضور ﷺ کے ظل کریم کو دیکھا تھا وہ دن گرمی کے موسم میں تھا۔

امر چہارم

موسم گرما میں نصف النہار کے وقت ظل اور فی کی وجود نہیں ہوتا۔

امر اول ظل کے معنی کا بیان اور ظل بمعنی شخص اور جسم کا ثبوت

اور صاحب شہی الارب لفظ ظل کے تحت فرماتے ہیں

راحت (۱)، نعمت (۲) و خیال کہ ازداد پری و جز آں پیدا شود۔ واسط (۳) مسلمہ بن عبد الملک و ابن جندی (۴) و استواری (۵) و

ریشہ (۶) و پرزہ جامہ (۷) دشب (۸) یا بہرہ (۹) از شب و کالبد (۱۰)، شخص (۱۱) ہر چیز یا پوشش آں (۱۲) و اول جوانی (۱۳) (شبی الارب جلد ۳ ص ۷۸)

۲۔ اسی طرح تاج اللغت میں لفظ ظل کے معنی بیان کرتے ہوئے ارقام فرمایا

و نیز خیائے کدیہ (۱) میشود از جن و جز آں۔ و نام اسپ (۲)۔ مسلمہ بن عبد الملک و عزت (۳) و غلبہ (۴) و ریشہ (۵) و تاج جامہ (۶) کہ از دو تختن دو طرف جامہ ظاہر شود ز تشری گوید ہذا ثوب مائلہ ظل آگے چل کر فرماتے ہیں ظل کل شیء شخص آں چیز یا پردہ (۸) آں۔ اٹہلی (تاج اللغت فصل لظاء)

۳۔ القاموس المحیط میں ہے

الظل بالكسر نقیض الضح او هو الفی (۲) او هو بالغداة (۳) و الفی بالعشی جمع ظلال و ظلول و اظلال و الجنة (۴) و منه ولا الظل و الحرور و الخيال (۵) من الجن و غیرہ یرى و فرس (۶) مسلمة بن عبد الملک و العز (۷) و المنعة (۸) و الزئیر (۹) و اللیل (۱۰) او جنحة (۱۱) و من کل شیء شخصه (۱۲) او کنه (۱۳) و من الشباب (۱۴) اوله من القیظ شدته و من السحاب ما وراى الشمس منه او سواده (۱۷) و من النهار (۱۸) لونه اذا غلبته الشمس و هو فی ظلہ فی کفہ (انتہی) (القاموس المحیط جلد رابع ص ۱۰ فصل لظاء مطبوع فتح الکریم بمبئی)

ترجمہ: ظل بالکسر روشنی کی نقیض ہے یا ظل بمعنی فنی (سایہ) ہے یا ظل صبح کو ہوتا ہے اور فنی شام کو ہوتا ہے۔ جمع ظلال، ظلول اور اظلال ہے اور ظل جنت کو بھی ظل کہتے ہیں جو ظاہر ہوتا ہے اور مسلمہ بن عبد الملک کے گھوڑے کو بھی کہتے ہیں۔ ظل کے معنی عزت بھی ہیں اور ظل کے معنی قوت اور غلبہ کے بھی ہے اور ظل کپڑے کے تاگے کو بھی کہتے ہیں جو سینے کی وجہ سے دونوں طرف نظر آتا ہے۔ ظل کے معنی رات بھی ہیں اور ظل رات کی تاریکی کو بھی کہتے ہیں اور بادل کے اس حصہ کو بھی ظل کہتے ہیں جو سورج کو ڈھانک لے اور بادل کی سیاہی کو بھی ظل کہا جاتا ہے اور دن کے رنگ کو بھی ظل کہتے ہیں۔ جب سورج اس پر غالب ہو جائے۔ غرب کا محاذ ہے و هو ظلہ اس کے معنی ہیں فی کفہ یعنی وہ فلاں شخص کے ظل میں ہے۔ اس کی پناہ اور حفاظت میں ہے۔ اٹہلی (القاموس المحیط)

۴۔ اسی طرح اقرب الموارید میں بھی تمام معانی مرقومہ بالا لکھے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے ”و من کل شیء شخصه“ ہر چیز کے شخص اور بدن کو بھی ظل کہتے ہیں۔ (اقرب الموارید جلد دوم ص ۷۳۱)

۵۔ مجمع بحار الانوار میں علامہ شیخ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۳۳ پر ظل کے معنی جسم کے لکھ کر اسکے آگے ص ۳۳۴ پر فرماتے ہیں ”و ظللہم شخوصہم“ یعنی ان کے ظلال انکے اشخاص یعنی اجسام مراد ہیں۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۳۳، ۳۳۴ مطبوع نول کشور)

ناظرین کرام کو معلوم ہو گیا کہ کتب لغت میں ظل بمعنی سایہ ہی نہیں بلکہ اس کے اور بھی بہت سے معنی ہیں اور ان معانی میں ظل بمعنی

شخص بھی وارد ہے یعنی شخص اور جسم کو بھی لغت عرب میں ظل کہا جاتا ہے اور ان معنی کی تائید میں بعض مفسرین کی عبارات بھی ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔ دیکھئے تفسیر مظہری میں ہے

۱۔ ويمكن ان يقال المراد بمن في السموات والارض حقائق من فيها واراواح الملكة والمؤمنين وبظلالهم اشخاصهم وقوالهم كما عبر رسول الله صلى الله عليه وسلم في دعائه الظاهر بالسواد والباطن بالخيال حيث قال في سجوده سجدتك سوادى و خيالى وهذا التاويل اولى مما سبق لان الظلال التى ترى في ضح الشمس عبارة عن سواد موضع لم يصل اليه ضوء الشمس لحجاب حنة الشى وذلك امر عدى لا وجود لها وكيف يسد اليها السجود۔ (تفسير مظہری جلد ۵ پارہ ۱۲ سورۃ رعد ص ۱۸۵)

ترجمہ: اور ممکن ہے کہ کہا جائے کہ من فی السموات والارض سے وہ حقائق مراد ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں پائے جاتے ہیں اور فرشتوں اور مؤمنین کی رو میں اور ان کے ظلال سے ان کے اشخاص اور قوال مراد ہیں جیسا کہ حضور ﷺ نے اپنی دعا میں ظاہر کو سواد اور باطن کو خیال سے تعبیر فرمایا چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سجدے میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے ”سجدتك سوادى و خيالى“ اے اللہ تعالیٰ تیرے لئے میرے سواد اور خیال (ظاہر و باطن) نے سجدہ کیا۔

اور یہ تاویل یعنی ظلال سے اشخاص اور قوال مراد لینا پہلی تاویل سے اولیٰ ہے اس لئے وہ سائے جو سورج کی روشنی میں نظر آتے ہیں وہ عبارت ہیں اس جگہ کی سیائی سے جہاں کسی جسم کثیف کے حاجب ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اور ظاہر ہے کہ یہ سیائی جسے ہم ظل کہہ رہے ہیں محض ایک امر عدى ہے جس کے لئے کوئی وجود نہیں تو ایسی صورت میں اس کی طرف سجدے کی اسناد کیونکر صحیح ہوگی۔ انتہی (تفسیر مظہری)

دیکھئے صاحب تفسیر مظہری نے صاف اور واضح لفظوں میں ظل کے معنی شخص اور قالب کے بیان کئے ہیں۔ اسی طرح تفسیر معالم التنزیل میں ہے

۲۔ وقيل ظلالهم اى اشخاصهم یعنی آیت قرآنیہ یتفیوء ظلالہم میں اسکے اجسام مراد ہیں اور یہاں ظل بمعنی سایہ نہیں بلکہ بمعنی شخص اور بدن ہے۔ انتہی (تفسیر معالم التنزیل پ ۱۳ ص ۱۱)

یہی مضمون تفسیر روح المعانی میں ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں

۳۔ ومن الناس من فسر الظلال في قراءة العامة بالاشخاص لتكون على نحو قراءة عيسى وانشد والاستعمال الظلال في ذلك قول عبدة

اذا نزلنا نصبنا ظل اخية

ونار لقوم بالبحم المراجيل

فان انما تنصب الاخية لا الظل الذى هو الفى وقول الاخر يتبع افاء الظلال عشية فانه اراد افاء الاشخاص۔

ترجمہ: اور عامہ قرآن کی قرأت میں جو لفظ ظلال آیا ہے بعض لوگوں نے اس کی تفسیر اشخاص کے ساتھ کی ہے تاکہ یہ قرأت عیسیٰ کی قرأت کے موافق ہو جائے اور انہوں نے ظلال بمعنی اشخاص کی تائید میں عہدہ کا یہ قول پیش کیا ہے۔

جب ہم اترے تو ہم نے خیموں کے ظل یعنی خیموں کے اشخاص و اجسام کو نصب کیا اور قوم کے لئے گوشت کی ہاڈیاں پکے لگیں۔ وجہ استہدایہ یہ ہے کہ جو چیز نصب کی جاتی ہے وہ خیمے ہوتے ہیں۔ ان کا ظل جسے سایہ کہتے ہیں نصب نہیں کیا جاتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہاں ظل بمعنی شخص ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے شاعر کے قول سے ظل بمعنی شخص پر انہوں نے استدلال کیا اور وہ قول یہ ہے وہ پیچھے آتا ہے اقیاء ظلال کے شام کے وقت اقیاء کی جمع ہے جس کے معنی ہیں سایہ۔ اب اگر ظلال کے معنی بھی سایہ ہوں تو سایہ سائے کی طرف مضاف ہو جائے گا۔ بیدرست نہیں لہذا یہ کہنا پڑے گا کہ یہاں ظلال بمعنی اشخاص ہے اور مصرعہ کے معنی یہ ہیں کہ شام کے وہ اشخاص و اجسام کے سایوں کے پیچھے آتا ہے۔ اس تقریر پر واضح ہو گیا کہ آیت کریمہ میں ظلال بمعنی اشخاص ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

صاحب روح المعانی نے اس مقام پر امام راغب اصفہانی کا تعاقب نقل کیا ہے۔ لہذا یہ استدلال مجروح ہے۔ جواباً عرض کروں گا کہ نظر صحیح سے کام لیا جائے تو امام راغب اصفہانی کا تعاقب صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے دفعنا ظل اخیہ کے معنی کئے ہیں دفعنا الاخیہ فرغنا بہ ظلہا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں لفظ ظل حشو محض اور بالکل بے فائدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ جو تاویل فساد کلام کا موجب ہو وہ خود فاسد ہے۔ اس لئے یہ تعاقب درست نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے قول میں وہ خاص کی اضافت عام کی طرف بتا رہے ہیں۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ اضافت کا فائدہ تخصیص و تعریف مضاف ہے یا تخفیف لفظ اس اضافت میں تخفیف لفظی تو متصور ہی نہیں۔ رہی تخصیص تو وہ تحصیل حاصل ہوگی۔ اس لئے کہ مضاف اضافت سے پہلے ہی خاص ہے۔ لہذا اضافت بے فائدہ رہی اور یہ بھی فساد کلام ہے۔ معلوم ہوا کہ امام راغب اصفہانی کا تعاقب صحیح نہیں اور دونوں قولوں میں ظل بمعنی شخص ہی مستعمل ہے۔ جس کی تائید تفسیر مظہری، تفسیر معالم التنزیل، مجمع بحار الانوار اور لغت کی معبر کتابوں سے ہوتی ہے۔ جن کی روشنی اور واضح عبارات ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

امر دوم ظل اور فی کے معنی میں فرق

مصباح المیر میں ہے (الظل) قال ابن قتیبة یذهب الناس الی ان الظل والفی بمعنی واحد ولیس کذا الک بل الظل یکون غدوة وعشیة والفی لایکون الا بعد الزوال فلا یقال لما قبل الزوال فی وانما سمی بعد الزوال فیما لانہ ظل فاء من جانب المغرب الی جانب المشرق والفی الرجوع وقال ابن السکیت الظل من الطلوع الی الزوال والفی من الزوال الی الغروب وقال ثعلب الظل للشجرة وغيرها بالغداة والفی بالعشی وقال رؤبة

بن العجاج كل ما كانت عليه الشمس فزالت عنه فهو ظل وفي ما لم يكن عليه الشمس فهو ظل ومن هنا قيل الشمس تنسخ الظل والظل ينسخ الشمس وجمع الظل ظلال واطلة وظلل. (مصباح المنير مطبوع مصر ج دوم ص ۳۶۳)

ترجمہ: ابن قتیبہ نے کہا کہ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ظل اور فنی ایک معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ظل صبح اور شام دونوں وقت ہوتا ہے اور فنی صرف بعد الزوال ہوتا ہے۔ لہذا قبل الزوال سایہ کو فنی نہیں کہا جاتا اور سایہ بعد الزوال کو اس لئے فنی کہا جاتا ہے کہ فنی کے معنی رجوع کے ہیں اور وہ سایہ جسے فنی کہا جاتا ہے وہ مغرب سے مشرق کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ ابن سکیت کا قول ہے کہ طلوع سے زوال تک جو سایہ ہوتا ہے اسے ظل کہا جاتا ہے اور زوال کے بعد سے غروب تک فنی ہوتا ہے اور ثعلب نے کہا ظل درخت وغیرہ کے اس سایہ کو کہتے ہیں جو دوپہر سے پہلے ہوتا ہے اور فنی اسے کہتے ہیں جو دوپہر کے بعد ہوتا ہے اور روبہ بن عجاج نے کہا کہ ہر وہ سایہ جو سورج ڈھلنے کے بعد ہو وہ ظل اور فنی ہے اور جو سورج ڈھلنے سے پہلے ہو وہ ظل ہے اور یہی منتهی ہے اس قول کا کہ سورج ظل کو منسوب کر دیتا ہے اور فنی سورج کو یعنی اسے خط استوا سے زائل کر دیتا ہے اور ظل کی جمع ظلال اور اطلہ اور ظلل ہے۔ انتہی (مصباح المنیر)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک سایہ قبل الزوال ”ظل“ ہے اور بعد الزوال ”فنی“ ہے اور بعض کا قول ہے کہ قبل الزوال ”ظل“ اور ”فنی“ ہے اور بعد الزوال ”ظل“ اور ”فنی“ ہے۔ پہلے قول پر ”ظل“ اور ”فنی“ متبائن ہیں اور دوسرے قول پر ”ظل“ عام اور ”فنی“ خاص متبائن کا قول اکثر علماء نے کہا ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن و معالم جلد ۴ ص ۷۷ اور کتاب التعریقات للسید الشریف الجرجانی مطبوعہ مصر ص ۳۷ اور تہذیب اللغة مطبوعہ دار المعارف جلد اول حیدرآباد دکن کی عبارات سے واضح ہے۔

امر سوم موسم گرما

ناظرین کرام کو یاد ہو گا کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور کی شکر رنجی کا واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر اثناء سفر میں پیش آیا تھا چنانچہ مسند امام احمد میں عفان راوی کا قول جزم کے ساتھ موجود ہے کہ دالا اظہم الا قال فی حجة الوداع مسند امام احمد جلد ۶ ص ۱۳۲ اور یہ شکر رنجی ذی الحجہ کے آخری ایام سے لے کر ربیع الاول شریف کے چند دنوں تک رہی۔ جیسا کہ مسند امام احمد اور مجمع الزوائد کی حدیثوں میں اس کی تصریح موجود ہے اور مجمع الزوائد میں بغیر کسی شک کے ایسا من شہر ربیع الاول کے الفاظ وارد ہیں۔ دیکھئے مجمع الزوائد جلد چہارم طبع قاہرہ ص ۳۲۳، تنظیم اہل حدیث لاہور ۸ جنوری ۴۷، از مکتوب مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب گوجرانوالہ۔

بالا خرا یک دن حضرت زینب نے نصف النہار کے وقت حضور ﷺ کے ظل کریم کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو یہ دن یقیناً ربیع الاول ہی کے دنوں میں ہے اور کسی پڑھے لکھے مسلمان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ہوا اور ۱۱ھ میں ۱۲ ربیع الاول شریف مطابق ۱۱ جون کو حضور ﷺ کی وفات ہوئی۔ دیکھئے رحمۃ اللعلمین مؤلفہ قاضی سلیمان منصور پوری جلد ۲ ص ۲۷۷ اور تاریخ اسلام

حضور ﷺ کی وفات حسرت آیات ۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز دوشنبہ مطابق ۱۱ جون ۶۳۲ء بوقت چاشت واقع ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس اور پانچ یوم کی تھی۔ (تاریخ اسلام ص ۳۲۱ جمعۃ العلمین ج ۲ ص ۷۷۲)

اسی حساب سے ثابت ہو گیا کہ جس دن حضرت زینب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظل کریم کو دیکھنے کا واقعہ بیان فرما رہی ہیں وہ جون کے مہینہ کا دن تھا جو خاص گرمی کا موسم ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر اس مقام پر شبہ وارد کیا جائے کہ علامہ شبلی نعمانی کے بیان سے حضور ﷺ کی تاریخ وصال یکم ربیع الاول مطابق ۳۱ مئی ظاہر ہوتی ہے تو میں جواباً عرض کروں گا کہ اول تو ۳۱ مئی بھی گرمی کا زمانہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس قول پر مخالفین کی پیش کردہ دونوں حدیثیں بالکل ساقط الاعتبار ہو جائیں گی کیونکہ جب یکم ربیع الاول کو حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو اسی ماہ ربیع الاول کے چند دنوں تک شکر رنجی باقی رہنا اور اس کے بعد ایک دن حضرت زینب کا ظل رسول کو دیکھنا سب کچھ غلط ہو جائے گا۔ لہذا علامہ شبلی کا قول کسی طرح پیش کردہ حدیثوں کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ اگر شبلی کے قول کو مانا جائے تو حدیثوں کو چھوڑنا پڑے گا اور حدیثوں کو تسلیم کیا جائے تو شبلی صاحب کے قول سے کنارہ کشی کرنا ہوگی۔

امر چھارم موسم گرما میں دوپہر کو سایہ نہیں ہوتا

گرمی کے زمانہ میں دوپہر کے وقت کسی جانب انسان کا جھکا ہوا سایہ نہ ہونا ایسا روشن اور ظاہر امر ہے جس پر کسی دلیل کی حاجت نہیں لیکن اس کے باوجود آخری اتمام حجت کے لئے ہم اپنے اس بین دعوے پر بھی دلیل قائم کئے دیتے ہیں تاکہ منکرین کے لئے کوئی عذر بارد باقی نہ رہے۔ دیکھئے منجد میں ہے

۱۔ ومشیت علی ظلی او انتعلت ظلی ای مشیت وقد انتصف النهار فلم یکن لی ظل (المنجد طبع قاہرہ ص ۴۹۶)

ترجمہ: ”مشیت علی ظلی“ اور ”انتعلت ظلی“ کے معنی یہ ہیں کہ میں چلا اس حال میں کہ نصف النهار کا وقت ہو گیا اسلئے میرا سایہ نہیں تھا۔

۲۔ مصباح اللغات میں ہے ”ومشیت علی ظلی او انتعلت ظلی“

ترجمہ: میں چلا اس حال میں کہ دوپہر ہو چکی تھی اس لئے میرا سایہ نہ تھا۔ (مصباح اللغات ص ۵۰۱)

۳۔ اذا مشیت وقد انتصف النهار فی القیظ فلم یکن لی ظل۔ (اقرّب الموارء جلد ۲ ص ۳۱ طبع قاہرہ)

ترجمہ: ”مشیت علی ظلی“ اور ”انتعلت فی ظلی“ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص موسم گرما میں دوپہر کے وقت چلے تو کہتا ہے کہ چونکہ میں دوپہر کے وقت چلا اس لئے میرا سایہ نہیں تھا۔ اچھی

۴۔ کرمانی شرح بخاری میں ہے ”قائم الظہیرۃ ای نصف النهار وهو استواء حالة الشمس وسمی قائم لان الظل لا يظهر حينئذ فکان قائم واقف۔ (کرمانی حاشیہ ۱۲ بخاری جلد اول ص ۳۱۰ مطبوعہ اصح المطابع)

ترجمہ: ”قائم الظہیرہ“ نصف النہار کو کہتے ہیں اور وہ سورج کے خط استواء پر ہونے کی حالت میں ہے۔ دوپہر کو قائم اس لئے کہتے ہیں کہ اس وقت سایہ ظاہر نہیں ہوتا۔ تو گویا وہ ایک جگہ کھڑا اور ٹھہرا ہوا ہے۔ انتہی

ناظرین کرام بیان سابق میں پڑھ چکے ہیں کہ سایہ دو قسم کا ہے۔ ایک ظل اور دوسرا فئی۔ ظل وہ سایہ ہے جو اول نہار میں قبل الزوال ہوتا ہے اور فئی وہ سایہ ہے جو بعد از زوال غروب تک رہتا ہے۔

نصف النہار کا وقت چونکہ درمیان میں ہوتا ہے اس لئے اس وقت نہ ظل ہوتا ہے نہ فئی بلکہ چلنے والے کا سایہ اس وقت اس کے پاؤں میں ہوتا ہے جسے وہ پا مال کرتا ہوا چلتا ہے اور گرمی کے دنوں میں کسی جانب جھکے ہوئے سائے کا وجود نہیں ہوتا۔ لہذا یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی آنے والے کے جسم سے پہلے اس کا سایہ نظر آ جائے۔

ایسی صورت میں ماہنامہ تجلی (۱) دیوبند کا یہ لکھنا کرام المؤمنین فرماتی ہیں

”پس ایک دن دوپہر کے وقت دفعۃً رسول اللہ تشریف لے آئے اور میں نے پہلے ان کا سایہ ہی دیکھا۔“

قطعاً غلط اور باطل محض ہے بلکہ اس واقعہ کی دونوں روایتوں میں لفظ ظل بمعنی شخص ہے۔ جیسا کہ ہم کتب لغت و تفاسیر سے ابھی وہ عبارات نقل کر چکے ہیں اور ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول کے معنی یہ ہیں کہ ”میں ایک دن دوپہر کے وقت بیٹھی ہوئی تھی کہ ناگہاں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔“

الحمد للہ! مسند امام احمد اور مجمع الزوائد کی دونوں حدیثوں پر کلام ختم ہوا اور دلائل کی روشنی میں حق واضح ہو گیا۔ اہل علم منصف حجاج حضرات سے امید ہے کہ وہ ہماری اس تحقیق اور محنت کی قدر کریں گے اور جن کے دلوں میں زلغ ہے ان سے الصاف کی کوئی امید نہیں۔ حق واضح کر دینا ہمارا فرض تھا جس سے ہم سبکدوش ہو گئے۔ وللہ الحجة السامیۃ۔

تیسری حدیث ”ظلی و ظلکم“

اس کے بعد تیسری حدیث پر کلام کرتا ہوں جو علامہ ابن قیم کی حادی الارواح سے مخالفین نے حضور ﷺ کا تاریک جسمانی سایہ ثابت ہونے کے لئے پیش کی ہے۔ حدیث اور اس کا ترجمہ بتائے بیان میں ہم واضح طور پر لکھ چکے ہیں۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔

علامہ ابن قیم نے یہ حدیث حضور ﷺ کا سایہ ثابت کرنے کے لئے نہیں لکھی بلکہ دوزخ و جنت کا وجود ثابت کرنے کے لئے ارقام فرمائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ دوزخ و جنت پیدا ہو چکی ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی اس دیوار پر جو قبلہ کی جانب واقع ہوئی ہے فجر کی نماز میں جنت اور دوزخ دونوں کو دیکھا، صرف یہی نہیں بلکہ ان کی اشیاء اور جنتیوں اور دوزخیوں کو بھی ملاحظہ فرمایا۔

طبرانی میں حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

ما رايتكم من شئ في الدنيا له لون ولا نبتم به في الجنة ولا في النار الا لقد صور لي من قبل هذا الجدار منذ صليت لكم صلوتي هذه فنظرت اليه مصور في جدار المسجد. انتهي (کنز العمال جلد ۴ ص ۱۷۸)

تم نے دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کا کوئی رنگ نہ ہو اور نہ تمہیں جنت و دوزخ میں کسی چیز کے ہونے کی خبر دی گئی لیکن وہ سب چیزیں اور تمام دوزخی اور جنتی سب اس قبلہ کی سمت میں ظاہر کر دیئے گئے جس وقت سے میں نے تمہیں یہ اپنی نماز پڑھائی ہے تو میں نے ہر چیز کی صورت دیوار مسجد میں دیکھ لی۔

جب حضور ﷺ نے دوزخ و جنت کی ہر چیز کو دیکھ لیا تو اپنے آپ کو صحابہ کرام کو بھی یقیناً دیکھا کیونکہ حضور اور آپ کے صحابہ کرام بھی تو جنتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں بھی ظل کے معنی جسم کے تاریک سایہ کے نہیں بلکہ وہی ”شخص“ اور ”جسم“ کے معنی ہیں جو ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں اور ”رایت ظلی و ظلمکم“ کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اور تم سب کو دیکھا اور یہ بات کوئی تعجب انگیز نہیں کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ دنیا میں ہوتے ہوئے جنت میں کیسے موجود تھے؟ دیکھئے شب معراج جب حضور ﷺ پہلے آسمان پر پہنچے اور آدم علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان کے دائیں بائیں ان کی نیک اور بد اولاد کو دیکھا تو نیکوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آپ کو بھی دیکھا۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ورای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صورته هناك في اشخاص السعداء فشكر الله تعالى وعلم عند ذالك كيف يكون الانسان في مكانين. (اليواقیت والجواہر جلد ۲ ص ۳۴ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: حضور ﷺ نے نیکوں کی ذاتوں میں اپنی صورت مبارک بھی دیکھی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس وقت حضور ﷺ نے عین یقین کے ساتھ جان لیا کہ ایک انسان کس طرح دو جگہوں میں ہوتا ہے۔ انتہی (اليواقیت)

لہذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان اول پر اشخاص سعداء سے باہر بھی تھے اور ان کے اندر بھی اپنے آپ کو ملاحظہ فرما رہے تھے اسی طرح اس موقع پر بھی حضور اور آپ کے صحابہ جنت سے باہر بھی تھے اور جنت میں بھی حضور اپنے ساتھ اپنے صحابہ کرام کو دیکھ رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ ”ظلی و ظلمکم“ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کا جسمانی سایہ مراد نہیں بلکہ ذوات قدسیہ مراد ہیں اور حدیث کے معنی وہی ہیں جو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ میں نے جنت میں اپنے آپ کو بھی دیکھا اور تمہیں بھی دیکھا۔

مخالفین کی بے بصری پر حیرت

کمالات رسالت کے منکرین کی بے بصری موجب حیرت ہے۔ ان لوگوں نے ظلی و ظلمکم کی حدیث سے حضور ﷺ کا جسمانی سایہ ثابت کرتے وقت اتنی بات بھی نہ سوچی کہ اگر اس حدیث سے حضور کا سایہ ثابت ہوا تو یا مسجد نبوی میں ہو گا یا دوزخ میں یا جنت میں۔

کیونکہ یہ واقعہ عین نماز فجر کا ہے جس وقت حضور اور صحابہ کرام مسجد نبوی میں تھے۔ ذرا غور کرنے سے یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ غنوں جگہوں میں سے ایک جگہ پر بھی اس وقت سایہ کا وجود ممکن نہ تھا کیونکہ نماز فجر کا وقت آخر شب کی ہلکی سیابی کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت کسی سایہ دار چیز کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا اور جنت میں بھی کسی جنتی کا سایہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جنت میں ہر وقت ایسا سایہ رہتا ہے جیسے طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان میں سایہ ہوتا ہے اور سایہ میں کسی کا سایہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے جنت میں بھی سایہ دیکھنا متصور نہیں۔ اب تیسری جگہ دوزخ ہے تو مجھے امید نہیں کہ مخالفین دوزخ میں حضور کا سایہ مانتے ہوں اور اگر خلاف میدان کا مسلک فی الواقع یہی ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ سایہ ہمیشہ روشنی میں ہوتا ہے اور دوزخ کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشن نہیں بلکہ وہ سیاہ اور تاریک ہے۔ دیکھئے ترمذی جلد ۲ ص ۸۳، مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۰۳

اور ظاہر ہے کہ سیابی اور تاریکی میں سایہ نہیں ہوتا۔ اب مخالفین بتائیں کہ حتیٰ زلی و ظلم کے معنی جو آپ کرتے ہیں کہ میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا یہ معنی کیسے درست ہو سکتے ہیں؟

اگر چہ میرا یہ بیان محتاج دلیل نہیں لیکن ہر قسم کا تردد زائل کرنے کے لئے دلائل پیش کرتا ہوں اور ساتھ ہی بعض شکوک و شبہات کے جوابات بھی عرض کروں گا تا کہ اتمام حجت کا حق ادا ہو جائے۔

دنیا والوں کے عرف عام میں سایہ اسے کہتے ہیں جو سورج کی گرمی اور تکلیف سے بچائے لیکن جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا

☆ نہ اس میں سورج کی گرمی معلوم ہوگی نہ زمہریر کی سردی

جب وہاں سورج کی گرمی اور اس کی تکلیف و اذیت نہیں تو اس سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس کے لئے سایہ کی ضرورت ہو۔

ہاں! البتہ اس میں ایسا سایہ ضرور ہے جو ہر طرف پھیلا ہوا ہے جس میں کسی سایہ دار چیز کا سایہ نظر نہیں آتا۔ دیکھیئے سورۃ واقعہ میں ہے ”و ظل ممدود“ یعنی جنتی جنت میں ایسے سایہ میں ہوں گے جو ہر طرف پھیلا ہوا، دائم اور غیر منقطع ہوگا۔ تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت فرمایا

(و ظل ممدود) ممتد منبسط کظل ما بین طلوع الفجر و طلوع الشمس (انتہی) (تفسیر مدارک جلد ۲ ص ۱۶۳ مطبوعہ مصر)

یعنی جنتی جنت کے ایسے سایہ میں ہوں گے جو لمبا اور ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا جیسے صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقت میں طویل، ہلکا اور چاروں طرف پھیلا ہوا خوشگوار سایہ ہوتا ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے

(او ظل ممدود) ای ممدود منبسط كظل الطلوع والغروب لا يتخلص ويحتمل ان يراد انه دائم باق لا يزول ولا تسخه الشمس والعرب تقول لكل شيء طویل لا ينقطع انه ممدود۔ انتھی۔ (تفسیر نیشاپوری پ ۲۷ ص ۸۹ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: اور ظل ممدود سے مراد یہ ہے کہ جنت کا سایہ دراز اور ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا جیسے طلوع اور غروب کے وقت ہر طرف پھیلا ہوا ہوا کا دراز اور خوشگوار سایہ ہوتا ہے وہ سایہ ایسا ہوگا کہ نہ سمٹے گا اور نہ سکڑے گا اور اس امر کا بھی احتمال ہے کہ ”ظل ممدود“ سے یہ مراد لیا جائے کہ جنت کا سایہ ایسا دائم و باقی ہے جو کبھی زائل نہ ہو اور سورج بھی اسے منسوخ نہ کرے گا کیونکہ وہاں سورج کا وجود ہی نہ ہوگا اور اہل عرب ہر ایسی طویل چیز کو ممدود کہتے ہیں جو کبھی منقطع نہ ہو۔ آگئی

قرآن کریم کی ان دونوں آیتوں اور مفسرین کی تصریحات کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ جنت میں ہر طرف طویل و دائم اور غیر منقطع سایہ پھیلا ہوا ہے اور سایہ کی جگہ کسی کا سایہ نظر نہیں آتا۔ لہذا اچھی طرح واضح ہو گیا کہ ”رایت ظلی و ظلكم“ کے یہ معنی ہرگز درست نہیں ہو سکتے کہ میں نے (جنت میں) اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔

ایک اشکال اور اس کا حل

اس مقام پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ قرآن و حدیث میں کئی جگہ جنت کے درختوں کا سایہ مذکور ہے۔ اگر درختوں کی جگہ کسی چیز کا سایہ نہیں ہو سکتا تو جنت میں وہاں درختوں کا سایہ کیسے ہوگا؟

اس کا جواب امام فخر الدین رازی، علامہ ابوسعود اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیا ہے جو ان ہی کی عبارات سے ہم نقل کر کے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں

۱۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں آیہ مبارکہ ”ودانية عليهم ظلالها“ کے تحت ارقام فرماتے ہیں

(السؤال الثاني) الظل انما يوجد حيث توجد الشمس فان كان لا شمس في الجنة فكيف يحصل الظل هناك۔

(والجواب) المردان اشجار الجنة تكون بحيث لو كان هناك شمس لكانت تلك الاشجار مظلة منها۔ انتھی (تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۳۹۶ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: آیت میں دوسرا سوال یہ ہے کہ سایہ وہیں پایا جاتا ہے جہاں سورج ہو۔ جنت میں جب سورج نہیں تو درختوں کا سایہ کیسے ہوگا؟

(الجواب) مراد یہ ہے کہ جنت کے درخت اس حیثیت سے ہوں گے کہ اگر وہاں سورج ہو تو وہ اس کی وجہ سے سایہ دار ہو جائیں۔ (آگئی) (تفسیر کبیر)

۲۔ علامہ ابوسعود اسی آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں

علیٰ معنیٰ انہ لو کان ہناک شمس موزیۃ لکانت اشجارہا مظلة علیہم مع انہ لا شمس ثمة ولا قمر۔
 انتہی (تفسیر ابوسعود بہامش کبیر جلد ۸ ص ۳۹۶ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: (جنت کے درختوں کے سائے جنتیوں پر جھکے ہوں گے) یہ کلام اس معنی پر محمول ہے کہ اگر وہاں دھوپ کی تکلیف ہو تو وہ درختیوں پر اپنے سائے ڈالنے لگیں۔ باوجود اس کے کہ وہاں نہ سورج ہے نہ چاند (جس کی وجہ سے سایہ ہو) انتہی۔ (تفسیر ابوسعود)
 ۳۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں

(فی ظلھا) ای فی نعیمھا وراحتھا ومنہ قولہم ”عیش ظلیل“ وقیل معنی ظلھا نا حیتھا و اشار بذالك الى امتدادھا ومنہ قولہم انا فی ظلک ای فی نا حیتک قال القرطبی والمحوج الى هذا التاویل ان الظل فی عرف اهل الدنيا ما یقی من حر الشمس واذا ہا ولیس فی الجنة شمس ولا اذی۔ انتہی (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۱ مطبوعہ مصر)
 ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے ظل میں کوئی شخص سوار ہو کر سو برس تک چلتا رہے تو اسے قطع نہ کر سکے۔ اس حدیث میں ”فی ظل“ کے معنی ہیں ”فی نعیمھا وراحتھا“ (یعنی اس کی نعمتوں اور راحتوں میں) اور اسی معنی سے اہل عرب کا یہ قول ماخوذ ہے ”عیش ظلیل“ (نعمت و راحت والی زندگی) اور بعض نے کہا کہ یہاں ”ظل“ بمعنی ”ناحیہ“ ہے (یعنی گرد و نواح) فرمایا یعنی وہ درخت اتنا بڑا اور لمبا ہوگا کہ اس کے گرد و نواح کی مسافت سو برس تک بھی کسی سوار سے طے نہ ہو سکے گی اور اسی معنی سے اہل عرب کا یہ قول ماخوذ ہے ”انا فی ظلک“ یعنی میں میرے گرد و نواح (قرب و جواب) حفظ و امان میں ہوں۔ قرطبی نے کہا اس تاویل کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ اہل دنیا کے عرف میں ظل وہ ہے جس کے ذریعہ سورج کی گرمی اور اس کی تکلیف سے بچاؤ حاصل کیا جائے۔ جنت میں نہ سورج ہوگا نہ اس کی تکلیف (اس لئے وہاں اس سے بچاؤ کے لئے کسی چیز کے سایہ کی ضرورت ہی نہیں۔ انتہی (فتح الباری)

الحمد للہ! جنت میں کسی سایہ دار چیز کا سایہ نہ ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا۔ اب ہمارے اس بیان کو بیان سابق سے ملا کر نتیجہ ذہن نشین کر لیجئے کہ حضور ﷺ نے جو ”حتی رایت ظلی و ظلکم“ فرمایا یہ اس واقعہ کا بیان ہے جو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں عین نماز فجر کے درمیان پیش آیا تھا جس میں حضور ﷺ کے سامنے حقیقی جنت و دوزخ کا پیش کیا جانا مذکور ہے۔ اس وقت حضور اور صحابہ مسجد نبوی میں تھے اور دوزخ و جنت حضور کے پیش نظر تھے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حضور ﷺ نے جو چیز دیکھی وہ مسجد نبوی میں ہوگی یا دوزخ میں یا جنت میں اس کے علاوہ اور کسی جگہ کچھ دیکھنا مذکور نہیں۔ اگر حضور نے اپنا اور صحابہ کا سایہ مسجد نبوی میں دیکھا تو یہ ممکن نہیں۔ اس لئے کہ وہ فجر کا وقت تھا۔ اس وقت کسی سایہ دار چیز کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا۔

اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ اس وقت سایہ ظاہر تھا تو اسے تمام ظاہرین دیکھ رہے ہوں گے۔ حالانکہ یہ دیکھنا حضور ﷺ کے لئے خاص تھا۔ جیسا کہ الفاظ حدیث ”حتی رایت ظلی و ظلکم“ (یہاں تک کہ میں نے اپنا اور تمہارا ظل دیکھا) میں لفظ ”حتی“ (یہاں تک) سے ظاہر ہے کیونکہ حتیٰ بیان غایت کے لئے آتا ہے اور یہ غایت جنت و دوزخ دیکھنے کی ہے۔ جس طرح ”مغیا“

(جنت و دوزخ کا دیکھنا) حضور کے ساتھ خاص ہے اسی طرح اس کی غایت (ظلی و ظلم) کا دیکھنا بھی حضور ﷺ کے ساتھ مختص ہو گا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ نماز فجر کے وقت کسی کا سایہ نہ تھا اور حضور ﷺ نے اپنا اور صحابہ کا ظل مسجد نبوی میں ہرگز نہیں دیکھا۔

اس کے بعد دو چیزیں رہیں، دوزخ اور جنت۔ بیان سابقہ میں ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ سایہ روشنی میں ظاہر ہوتا ہے اور جہنم سیاہ اور تاریک ہے اس لئے اس میں بھی سایہ ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اب رہی جنت تو اس کے متعلق بھی ہم نے آیات قرآنیہ و عبارات مفسرین سے ثابت کر دیا ہے کہ جنت میں کسی سایہ دار چیز کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اب بتائیے کہ اگر ”ظلی و ظلم“ میں ظل کے معنی سایہ ہیں تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہاں دیکھا؟ لہذا تسلیم کر لیجئے کہ یہاں سایہ کے معنی مراد نہیں بلکہ وہی ”شخص“ کے معنی مراد ہیں جو اس سے قبل دلائل و براہین کی روشنی میں ہم ثابت کر چکے ہیں اور حدیث کے واضح معنی یہ ہیں کہ میں نے دوزخ و جنت کو دیکھا یہاں تک کہ (جنت میں) اپنے اور تمہارے اشخاص کریمہ کو بھی دیکھا۔ غایت مافی الباب یہ کہ جنت و دوزخ کو ان کے وجود مثالی پر محمول کر دیا جائے تب بھی ”ظلی و ظلم“ سے اشخاص مثالیہ مراد ہوں گے۔ جسمانی تاریک سایہ اس تقدیر پر بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ واللہ الحجة البالغة۔

انصاف کیجئے

یہ تینوں حدیثیں جو مخالفین نے حضور سید عالم نور مجسم ﷺ کا جسمانی سایہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی ہیں اگر واقعی ان کے دعویٰ کی مثبت ہوتیں تو وہ جلیل القدر علماء محدثین و مفسرین جن کے اسماء گرامی ہم عرض کر چکے ہیں، کس طرح حضور کے سایہ کی نفی کرتے۔ شاید آپ کہہ دیں کہ یہ حدیثیں ان سے مخفی رہیں تو میں عرض کروں گا کہ یہ امر ہرگز قابل تسلیم نہیں کہ ایسے ماہرین حدیث ائمہ دین سے آپ کی پیش کردہ حدیثیں مخفی رہی ہوں۔ دیکھئے آپ کی پیش کردہ حدیث ”حتی رایت ظلی و ظلم“ کو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں لکھا مگر اس کے باوجود اسی خصائص کبریٰ میں حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کا باب منعقد کیا اور روایات و عبارات علماء سے اپنے دعویٰ کو ثابت و مؤید کیا اور حضور ﷺ کے جسمانی سایہ کے پاک ہونے کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دکھایا ہے۔

معلوم ہوا کہ مخالفین کی پیش کردہ احادیث سے ائمہ حدیث بے خبر نہ تھے۔

پھر یہ کہ آج سے پہلے کسی نے ان حدیثوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ ثابت نہیں کیا۔ حتیٰ کہ علامہ ابن قیم کو بھی جرأت نہ ہوئی حالانکہ ان سے پہلے کا بر محدثین متقدمین کے وہ تمام ارشادات ان کے سامنے موجود تھے جن میں حضور ﷺ کے نور خاص ہونے کی وجہ سے حضور کے سایہ نہ ہونے پر استشہاد کیا گیا ہے۔ جیسے حکیم ترمذی متوفی ۲۵۵ھ عبد اللہ بن مبارک متوفی ۱۶۴ھ، امام راغب اصفہانی متوفی ۴۵۰ھ، حافظ رزیں محدث متوفی ۵۲۰ھ، علامہ ابن سبع محدث متوفی ۵۴۲ھ، قاضی عیاض متوفی ۵۴۲ھ، علامہ ابن جوزی محدث متوفی ۵۸۷ھ، مولانا جلال الدین رومی متوفی ۶۷۰ھ، علامہ احمد نفی صاحب تفسیر مدارک متوفی ۷۰۱ھ، یہ سب علماء اعلام علامہ

ابن قیم متوفی ۷۵۲ھ سے متقدم ہیں اور ان سب نے حضور ﷺ کے جسمانی سایہ کی نفی فرمائی ہے لیکن علامہ ابن قیم نے حدیث ”ظلی و ظلكم“ سے حضور ﷺ کا جسمانی سایہ ثابت کر کے ان حضرات کا رد نہیں کیا۔

علی ہذا القیاس علامہ ابن قیم کے بعد ہونے والے اجلہ محدثین امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، امام قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ، علامہ حسین بن محمد دیار بکری متوفی ۹۶۶ھ، امام ابن حجر مکی متوفی ۹۷۳ھ، علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ، علامہ زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ، علامہ سلیمان جمل، علامہ ابراہیم، علامہ برہان الدین حلبي وغیرہم نے ابن قیم کی کتاب حادی الارواح میں حدیث ”ظلی و ظلكم“ دیکھنے کے باوجود حضور ﷺ کے جسمانی سایہ کا قول نہیں کیا اور بدستور حضور ﷺ کو نور اور بے سایہ مانتے رہے اور اسی مسلک کا بیان اپنی تصانیف جلیلہ میں کرتے رہے۔ جیسا کہ ہم ان کے بیانات سابقاً نقل کر چکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ تینوں حدیثیں متقدمین و متاخرین میں سے کسی کے نزدیک بھی حضور سید عالم ﷺ کے تاریک جسمانی سایہ کی دلیل نہیں۔ والحمد للہ علی احسانہ۔ اس کے بعد قرآن مجید کی ان آیات پر بھی نظر ڈالتے چلے جنہیں معترضین نے حضور سید عالم ﷺ کے تاریک جسمانی سایہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

ان میں سے تیسری آیت میں تو کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ ”سایہ“ ہو۔ اس آیت کے معنی صرف یہ ہیں کہ ”زمین و آسمان کی ہر چیز اور زمین پر چلنے والی تمام مخلوق اور کل ملائکہ اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔“ غور فرمائیے۔ دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس کا تاریک سایہ تھا اور دلیل یہ ہے کہ ”تمام آسمان والے اور زمین پر چلنے والی سب چیزیں اور کل فرشتے اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔“ جس کلام کا ایک لفظ بھی دعویٰ پر منطبق نہ ہوا سے دلیل سمجھنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

رہیں پہلی دو آیتیں، تو ان کا مفہوم یہ ہے کہ زمین و آسمان کی سب چیزیں اور ان میں سایہ دار اجسام کے سوا (۱) اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔

دیکھئے تفسیر خازن میں ہے

(يَتَّبِعُو ظِلَالَهُ) یعنی من جسم قائم له ظل۔ (جلد رابع ص ۷۷)

اسی طرح تفسیر معالم التنزیل میں ہے

(الی ما خلق اللہ من شیء) من جسم قائم له ظل۔ (جلد رابع ص ۷۷)

اگر حضور ﷺ کا سایہ ہوتا تو یقیناً اس کا سجدہ کرنا بھی ثابت ہو جاتا لیکن جسم اقدس کے سایہ کے ثبوت سے آیہ کریمہ کو دور کا تعلق بھی نہیں۔

اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ ان آیتوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم اقدس کا سایہ ثابت ہے تو پھر تمام بے سایہ چیزوں کا سایہ ثابت ہوگا۔ ملائکہ، حورانِ بہشت، چاند، سورج اور تمام حسی حقیقی انوار کا سایہ ماننا پڑے گا۔ جب یہ بدہمت باطل ہے تو

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایہ کثوت بھی اسی طرح باطل محض ہے۔

ہاں، اگر یہاں غل سے ایک عام معنی مراد لے لئے جائیں یعنی اجسام کثیفہ کا تاریک سایہ اور اجسام لطیفہ نورانیہ کی چمک اور شعاعیں تو یہ ہمارے مسلک کے منافی نہیں۔ کیونکہ ہم اس سے قبل احادیث صحیحہ سے حضور سید عالم ﷺ کے جسم اقدس کی چمک سے دیواروں کا روشن ہو جانا ثابت کر چکے ہیں۔ لہذا ان آیات سے ہمارے مسلک کی تائید ہوگی اور یہ آیات حضور ﷺ کے لئے تاریک سایہ کی بجائے روشنی اور نورانیت کی مویت قرار پائیں گی۔ فالحمد لله علی ذلک۔

بفضلہ تعالیٰ معترضین کے تمام شکوک و شبہات کا تاریک بھوت سے زیادہ کمزور ہونا اظہر من الشمس ہو گیا۔ اور.....

امام اہل سنت، مجدد ملت حضور نور علیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ مبارک ”نفی الفی انار بتورہ کل شیء“ پر وارد کئے ہوئے جملہ اعتراضات ہباء منشوراً ہو گئے اور یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف جلیلہ کی پھبتیاں اڑانا اور ان پر اعتراض کرنا گویا سورج کا منہ چڑانا اور چاند پر تھوکتنا ہے جس کا انجام ذلت اور ذمات کے سوا کچھ نہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا و مولانا محمد والہ وصحبہ وبارک
وسلم تسبیحاً کثیراً کثیراً ۵

تسبیح الرحمن

الحمد لله الذي منعه عن الكذب والنقصان وتفرد بكماله الذاتي والنعم على كافة الانام بنعمة العامة والخاصة والرحمة والغفران والصلوة والسلام على رسوله الذي انزل عليه القرآن وعلى آله واصحابه المصدقين بصدق الرحمن. (۱)

عرض مؤلف

امام بعد خادم العلماء فقیر حقیر ابوالنجم سید احمد سعید کاظمی امروہی عرض گزار ہے کہ اس دورِ جہالت و ضلالت میں فرقہائے ضالہ مبتدعہ وہابیہ (۲) وغیرہم نے طریقہ سنیہ مستونہ کو منہج کر کے بے انتہا گمراہی اور شورش برپا کر رکھی ہے اور چند ضروری مسئلوں پر تو بے انتہا اختلاف پھیلا رکھا ہے جن میں سب سے اہم مسئلہ امکان و امتناع کذب باری تعالیٰ کا مسئلہ (۱) ہے۔ چونکہ فرقہ وہابیہ نے اس مسئلہ کو پیچیدہ بنا کر علم اور عام مسلمانوں کو تباہ کن مغالطہ میں ڈال دیا ہے اس لئے اس مختصر رسالہ میں اسی مسئلہ کی وضاحت اور صحیح تشریح کر کے بندگانِ خدا کو قعر ضلالت سے نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے کہ اہل اسلام اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھا کر اپنے عقیدوں کو درست کر کے نجاتِ اخروی حاصل کریں گے اور اس فقیر مؤلف کو دعائے خیر میں یاد کریں گے۔ اس رسالہ کی تالیف کے لئے میرے محترم محبت

صادق مولوی سید علی محتشم خان صاحب رئیس امر وہبہ و صدر انجمن احیاء السنۃ امر وہبہ ایک عرصہ سے محرک تھے مگر میں انہماک تعلیم کے باعث عدیم الفرستی اور بے بضاعتی سے اب تک قاصر رہا۔ الحمد للہ کہ سالانہ امتحان کے بعد مجھے اس دینی خدمت کے انجام دینے کا موقع ملا اور اپنی توفیق کے موافق جو کچھ ہو سکا پیش کرتا ہوں۔ چونکہ اس سے پہلے کبھی کوئی مضمون بنانے یا تالیف کرنے کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے ناظرین کرام سے التماس ہے کہ کوئی لغزش یا غلطی دیکھیں تو براہ کرم چشم پوشی فرمائیں یا مجھے اس سے مطلع فرمائیں اور شکر گزاری کا موقع دیں۔

کلام الہی میں مسلمانوں کا عقیدہ

اس مسئلہ میں مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ کلام الہی میں وجود کذب (۱) محال بالذات ہے خواہ کلام نفسی (۲) ہو یا لفظی (۳) لیکن نام نہاد علماء وہابیہ (۴) نے اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کی طرف ایسے مکروہ عیب کو منسوب کیا، جس کا تصور بھی مسلمانوں کے واسطے تنزل ایمان کا باعث ہے۔ چنانچہ بعض لوگ (۵) تو صرف امکان کذب ہی کے قائل ہوئے ہیں لیکن بعض وقوع (۱) کے بھی قائل ہیں۔ مثلاً مولوی رشید احمد گنگوہی جن کا دستخطی و مہری فتویٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اب تک موجود ہے اور اس کے نوٹوا اکثر علماء اہل سنت کے پاس محفوظ ہیں۔

فرقہ امکانیہ کو زبردست مغالہ ہوا ہے

چنانچہ وقوع کذب باری تعالیٰ کا قول تو باتفاق فریق مخالف موجودہ بھی مردود ہے خواہ مولوی رشید احمد صاحب کا ہو یا کسی اور کا۔ رہا امکان کا قول اس کے متعلق سچے، فرقہ امکانیہ (۲) کو ایک زبردست مغالطہ ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے خلف وعدہ اور خلف وعید دونوں کو ایک ہی سمجھ کر خلف وعید کو امکان کذب کا مقیاس علیہ ٹھہرایا ہے۔

خلف وعدہ و خلف وعید میں فرق

اب دیکھئے کہ ان دونوں میں کتنا عظیم الشان فرق ہے۔ خلف وعدہ کے معنی ہیں کسی انعام کے وعدہ کرنے کے بعد اس کے خلاف کرنا اور خلف وعید کے معنی ہیں کسی سزا کے وعدہ کرنے کے بعد اس کا خلاف کرنا (۳) چنانچہ بعض متکلمین بظاہر جواز خلف وعید کے قائل ہوتے ہیں (۱) لیکن خلف وعدہ کے جواز کا قائل اہل سنت میں سے آج تک کوئی نہیں ہوا۔ ان کے جواز خلف وعید کے قول سے فرقہ وہابیہ کو مغالطہ واقع ہوا کہ جب خلف وعید جائز ہے تو خلف وعدہ بھی جائز ہوگا۔ خلف وعید کو خلف وعدہ کا مقیاس علیہ کہہ دیا۔

خلف وعدہ کا خلف وعید پر قیاس باطل ہے

لیکن یہ قیاس بہ چند وجوہ مخدوش ہے۔

اولاً تو یہ کہ جنہوں نے خلف وعید کو جائز کہا ہے وہ یہ کہتے ہیں ”لانہ کرم“ (۲) اور بعض کہتے ہیں کہ ”لانہ انشاء فیجوز من اللہ تعالیٰ“ (۳) اور پھر وہی حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ کذب باری تعالیٰ محال ہے۔ لانہ نقص والنقص علی اللہ محال۔ (۱)

فرقہ وہابیہ سے ایک سوال

اب میں فرقہ وہابیہ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر خلف وعید کو امکانِ کذب کی فرع کہنا صحیح ہو تو متکلمین نے امکانِ کذب کو اس پر قیاس کیوں نہ کر لیا بلکہ انہوں نے تو خلف وعید کا جائز کہتے ہوئے بھی امکانِ کذب کا رد (۲) کیا ہے۔

ثانیاً خلف وعید کو امکانِ کذب کا مقیاس علیہ کہنا اس وجہ سے صحیح نہیں ہو سکتا کہ خلف وعید کرم اور امکانِ کذب نقص ہے۔ پس نقص کو کرم کی فرع کہنا اور اس پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اہل سنت کا مذہب ان خرافات سے مبرا اور منزہ ہے۔

ثالثاً یہ کہ خلف وعید ان شاء ہے اور امکانِ کذب ہمیشہ خبر ہی میں ہوتا ہے تو اخبار کا قیاس ان شاء پر کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر زمین کا آسمان پر اور پانی کا آگ پر اور ہوا کا مٹی پر قیاس کرنا جائز ہو تو یہ بھی جائز ہوگا۔ (۳)

متکلمین جس خلف کے قائل ہیں وہ حقیقت میں خلف نہیں

اس کے علاوہ بعض متکلمین جس خلف وعید کے قائل ہوئے ہیں حقیقتاً وہ خلف نہیں بلکہ اس پر خلف کا اطلاق محض مجازاً کیا گیا ہے۔ (۱) مثلاً مجوزین خلف اس آیت سے استدلال کرتے ہیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ شرکین کی مغفرت نہ کرے گا اور ان کے علاوہ اور جس کو چاہے گا بخش دے گا یہ حقیقتاً خلف نہیں۔ اس وجہ سے کہ خلف وعید کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ چونکہ خلف وعید کے معنی ہیں کسی سزا کے وعدہ کا خلاف کرنا۔ یہاں نہ تو وعدہ ہے کہ فلاں شخص کو اس کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اور نہ یہ فرمایا کہ ہم نے فلاں شخص کو عذاب دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب اس کو عذاب نہ دیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ اس پر متکلمین کا اطلاق خلف کرنا محض مجازاً ہے جس کی مثال قرآن پاک میں موجود ہے

جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا

یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے۔ اسی کی مثل، یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی برائی کا حکم نہیں کرتا۔ اب اگر ”سَيِّئَةٌ“ کو اپنے ہی معنی میں رکھا جائے تو لازم آئے گا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی برائی کا حکم کرتا ہے

كَفَالَى اللَّهِ عَنْ ذَلِكَ عُلُوءًا كَبِيرًا

پس جس طرح یہاں جزاء ”سَيِّئَةٌ“ پر ”سَيِّئَةٌ“ کا اطلاق کیا گیا ہے اسی طرح متکلمین نے اس پر خلف کا اطلاق مجازاً کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بعض متکلمین اس معنی متنازعہ میں ہرگز خلف وعید کے قائل نہ تھے اور اگر خلف وعید اسی کو کہا جائے تو ہم کو اس سے انکار نہیں بلکہ ہم تو اس کے وقوع کو مانتے ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ (۱)

نیز اس خلف وعید کو امکانِ کذب کا مقیاس علیہ کہنا ایک اور وجہ سے بھی باطل ہے۔ اس لئے کہ اگر امکانِ کذب کو اس پر قیاس کر لیا جائے تو وقوعِ کذب لازم آئے گا۔ تقریر اس کی یوں ہے کہ خلف وعید مجوزہ متکلمین کا قیامت کے دن وقوع ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ یوم مذکور میں شرکین کے علاوہ ہزاروں، لاکھوں بلکہ بے شمار گنہگاروں کی مغفرت کرے گا۔ تو وقوع خلف ہوا اور جب وقوع خلف ہوا تو وقوعِ کذب ہوا۔ وہذا باطل بالاجماع (۱)۔ پس معلوم ہوا کہ خلف وعید کو امکانِ کذب کا مقیاس علیہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ لہذا

خلف وعید متعین ہو گیا اور وہی کذب ہے۔

استحالة کذب باری تعالیٰ پر عبارات علماء

اب استحالة کذب باری تعالیٰ پر عبارات علماء مفسرین و متکلمین بدلائل عقلی و نقلی قائم ہیں۔

عبارات قاضی بیضاوی

قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں

(ومن صدق من الله حديثا) انکار ان يكون احدا صدق منه فانه لا يتطرق الكذب الى خبره بوجه لانه قص وهو على الله تعالى محال۔

(اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں) اس بات کی نفی ہے کہ کوئی ایک خدا تعالیٰ سے زیادہ سچا ہو کیونکہ جھوٹ کسی طرح خدا کی خبر کی طرف راہ نہیں پاتا کیونکہ جھوٹ عیب ہے اور وہ خدا کے لئے محال ہے۔ (محشی)

عبارات امام رازی

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر کبیر میں ارقام فرماتے ہیں

(المسئلة السادسة) قوله ومن اصدق من الله حديثا استفهام على سبيل الانكار والمقصود منه بيان انه يجب كونه تعالى صادقا وان الكذب والخلف في قوله محالٌ واما المعتزلة فقد بنوا ذلك على اصلهم واما اصحابنا فدلّيلهم۔ الخ (ترجمہ) چھٹا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کا قول ”ومن اصدق“ بیان ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کا سچا ہونا واجب ہے اور کذب اور خلف اللہ تعالیٰ کے قول میں محال ہے لیکن معتزلہ، پس انہوں نے اس کو اپنے اصول پر قائم کیا ہے (۱) اور ہمارے اصحاب پس ان کی یہ دلیل ہے آخر تک۔

امکان کذب کا قول کفر ہے

اور وہی فخر العلماء کی تفسیر مذکور میں فرماتے ہیں

فقد جوزوا الكذب وهذا خطأ عظيم بل يقرب من ان يكون كفرا فان العقلاء اجمعوا على انه تعالى منزّه عن الكذب۔ انتہی

(ترجمہ) پس بے شک انہوں نے کذب کو جائز کہا اور یہ بہت بڑی خطا ہے بلکہ قریب بہ کفر ہے۔ اس لئے کہ عقلاء (۱) نے اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کذب سے منزہ ہے۔

عبارات علاؤ الدین بغدادی

اور تفسیر خازن میں یوں ارشاد فرماتے ہیں

ومن اصدق من الله حديثنا يعني لا احد صدق من الله تعالى فانه لا يخلف الميعاد ولا يجوز عليه الكذب۔ انتہی

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا (۲) کون ہے؟ از روئے کلام کے یعنی نہیں ہے کوئی زیادہ سچا اللہ تعالیٰ سے اس لئے کہ وہ وعدہ

خلائی نہیں کرتا (۱) اور نہ اس پر کذب جائز ہے۔

یہاں تک جو علماء مفسرین کی عبارتیں نقل کی گئیں یہ استحالة امکان کذب باری تعالیٰ پر بے شک براہین قاطعہ و حج ساطعہ ہیں۔ اب اہل انصاف سے میری درخواست ہے کہ وہ ان تمام عبارتوں کو بغور پڑھ کر خود نتیجہ اخذ کر لیں اور بے سوچے سمجھے فوراً جواب دہی کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔

تکلیف ما لا یطاق سے امکان کذب کا ردِ بلیغ

اقوال علماء مفسرین سے امکان کذب باری تعالیٰ کی ایک اور طریقہ سے تردید ہو سکتی ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔ اشاعرہ (۲) رحمہم اللہ تعالیٰ تکلیف ما لا یطاق کو جائز رکھتے ہیں اور اپنے مدعا کے ثبوت میں ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ نے اشخاص معینہ کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے۔ استدلال کی تقریر اس طرح کرتے ہیں کہ ابولہب وغیرہ کا ایمان لانا غیر ممکن ہے۔ حالانکہ وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں۔ اگر تکلیف ما لا یطاق جائز نہ ہوتی تو ان کفار کو ایمان کی تکلیف نہ دی جاتی اور ان کے ایمان کا محال ہونا ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اگر ان اشخاص کا ایمان لانا ممکن ہوتا تو اس کے وقوع سے محال لازم نہ آتا۔ چونکہ ایمان کا مقتضی (۱) یہی ہے حالانکہ اس صورت میں یعنی اشخاص معلومہ کے وقوع ایمان کی تقدیر پر کذب باری تعالیٰ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے ”والمستلزم للمحال محال (۲)۔ اب میں کہتا ہوں کہ اگر اشاعرہ کے نزدیک کذب باری ممکن ہو تو ان کے اس استدلال کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے اس لئے کہ جب ان کے نزدیک کذب باری ممکن ہے تو ابولہب وغیرہ کا ایمان کیونکر محال ہوا۔ اس لئے کہ اس ایمان کے محال ہونے کی صرف یہ وجہ تھی کہ اگر ان کا ایمان واقع ہو گا تو خدا تعالیٰ کا کذب لازم آئے گا اور جب خدا کا کذب محال نہ مانا گیا تو ان لوگوں کے ایمان لانے میں پھر کوئی قباحت نہیں۔ و ہذا خلف (۱)۔ پس معلوم ہوا کہ اشاعرہ کے نزدیک بھی کذب باری ممکن نہیں۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں فرماتے ہیں

والایة مما احتج به من جوز تکلیف ما لا یطاق فانه سبحانه وتعالى اخبر عنهم بانهم لا يؤمنون فيجتمع الضدان۔ الخ (ترجمہ) یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جن سے مجوزین تکلیف ما لا یطاق نے استدلال کیا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشخاص معلومہ کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے۔ پس دو ضدیں جمع ہو جائیں گی۔ انتہی اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں

(المسئلة الثانية) احتج اهل السنة بهذا وكل ما اشبهها من قوله لقد حق القول على اكثرهم فهم لا يؤمنون وقوله وذرنى ومن خلقت وحيداً الى قوله سارھة صعوداً وقوله ثبت يداي لھب على تكلیف ما لا یطاق و تقریرہ انه تعالى اخبر عن شخص معين انه لا يؤمن قط فلو صدر منه الايمان لزم انقلاب الخبر الصادق كذبا والكذب عند الخصم قبيح والفعل القبيح يستلزم اما الجهل واما الحاجة وهما محالان على الله تعالى والمنفصلي الى المحال محال وقد يذكر هذا في صورة العلم وهو انه تعالى والمنفصلي الى المحال محال وقد يذكر هذا في صورة العلم وهو انه تعالى بما علم منه انه لا يؤمن فكان صدور الايمان منه يستلزم انقلاب علم الله جهلا و ذلك محال ومستلزم المحال محال۔ انتہی

(ترجمہ) دوسرا مسئلہ استدلال کیا ہے اہل سنت نے اس کے ساتھ اور ہر اس شئی کے ساتھ جو اس کے مشابہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا

قَوْلٌ "لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ. (الآية)" اور اللہ تعالیٰ کا قول "وذرني ومن خلقت وحيدا" اس کے قول "سار هقه صعودا" اور اللہ کے قول "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ" سے تکلیف مالا یطاق پر اس کی تقریر یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک معین شخص کی خبر دی کہ وہ کبھی ایمان نہ لائے گا۔ پس اگر اس سے ایمان صادر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی سچی خبر جھوٹ سے بدل جائے گی اور جھوٹ مخالف کے نزدیک بھی برا ہے اور برا کام یا جہل کو مستلزم ہے یا حاجت کو اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ پر محال ہیں اور محال کی طرف پہنچانے والا بھی محال ہے اور یہ کبھی علم کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ یہ ایمان ہیں لائے گا۔ پس اس سے ایمان صادر ہونا مستلزم ہے اللہ کے علم کے جہل سے بدل جانے کو اور یہ محال ہے اور مستلزم محال بھی محال ہے۔ اٹھنی

تکلیف مالا یطاق کے مانعین کے جواب سے امکان کذب کا ردِ عظیم

اور تکلیف مالا یطاق کے مانعین یعنی ماتریدہ وغیرہ اس استدلال کے جواب اس طرح دیتے ہیں کہ متنازعہ فیہ جواز تکلیف مالا یطاق غیر ممکن لذاتہ اور ممتنع بنفسہ (۱) کا ہے اور وہ یہاں لازم نہیں آتا بلکہ ممتنع بغیرہ کی تکلیف کا جائز ہونا لازم آتا ہے اور وہ متنازعہ فیہ نہیں ہے بلکہ سب کا متفق علیہ ہے اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ممکن بالذات محال بالغیر سے محال بالذات لازم نہیں آتا۔ دیکھئے عدم معلول اول ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہے اور اس سے محال بالذات یعنی عدم واجب لازم آتا ہے۔ "والایلزوم تخلف المعلول عن علته النامة وهو محال۔" (۱) اگر ممکن بالذات کی حیثیت امتناع بالغیر پر نظر نہ کی جائے تو بے شک اس سے محال بالذات لازم نہ آئے گا۔ پس مانحن فیہ جب کہ ابولہب وغیرہ کا ایمان بسبب خبر دینے اور علم باری کے متنع بالغیر ہو گیا تو اگر بر تقدیر وقوع محال بالذات یعنی کذب اور جہل باری کو مستلزم ہو تو اس کے امکان ذاتی کے منافی نہیں۔ اب اہل انصاف کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر ماتریدہ وغیرہ کے نزدیک کذب باری تعالیٰ ممکن بالذات ہوتا تو اس جواب کی کیا ضرورت تھی صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ (معاذ اللہ) ہمارے نزدیک کذب باری ممکن بالذات ہے۔ پس خدا کی کوئی خبر دینے سے ان کا ایمان غیر ممکن بالذات نہیں ہو سکتا کیونکہ بر تقدیر وقوع ایمان کوئی قباحہ لازم نہیں آتی۔ غایت مافی الباب یہ کہ کذب باری لازم آئے گا اور وہ محال بالذات نہیں۔ پس ایمان ابولہب کیونکر محال بالذات ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ مشائخ ماتریدہ کا بھی وہی مذہب ہے جو شاعرہ کا مسلک ہے یعنی خدا تعالیٰ کے کلام لفظی کا کذب محال اور ممتنع بالذات ہے۔

عبارات علمائے متکلمین

سید سند علیہ الرحمہ شرح مواقف میں ارشاد فرماتے ہیں

تقریح علی ثبوت کلام اللہ تعالیٰ وهو انه یمتنع علیہ الکذب اتفاقا

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے کلام کے ثبوت پر تفریع ہے اور وہ یہ ہے کہ اس پر کذب بالاتفاق ممتنع ہے۔

اور امام المحققین علامہ جلال الدین شرح عقائد جلالی میں فرماتے ہیں

ولا یصح علیہ الحركة ولا الجہل ولا الکذب لانها نقص والنقص علی اللہ محال۔

(ترجمہ) اور نہیں ہے صحیح اس پر حرکت اور نہ جہل اور نہ کذب اس لئے کہ وہ نقص ہیں اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

اور دوسرے مقام پر عضد الملتہ والدین صاحب عضد یہ فرماتے ہیں

وهو منزہ عن جميع صفات النقص كما سبق من اجماع العقلاء على ذلك.

(ترجمہ) اور وہ منزہ ہے تمام صفات نقص سے جیسے کہ اس پر عقلاء کا اجماع گزر گیا۔

اور صاحب موافق نے بعد رد کرنے فرق ضالہ کے لکھا ہے

واما الفرق الناجية فهم الاشاعرة والسلف من المحدثين واهل السنة والجماعة وقد اجمعوا على انه ليس

في حيز ولا جهة ولا يصح عليه الحركة ولا الانتقال ولا الجهل ولا الكذب ولا شيء من صفات النقص. الخ

(ترجمہ) اور لیکن ناجیہ فرماتے ہیں وہ اشاعرہ (۱) ہیں اور سلف محدثین سے اور اہل سنت و جماعت اور انہوں نے اجماع کیا ہے اس

بات پر کہ وہ نہ کسی چیز میں ہے اور نہ کسی جہت میں اور نہیں صحیح ہے اس پر حرکت اور نہ انتقال نہ جہل نہ کذب اور نہ کوئی شیء صفات نقص

سے۔ اٹھلی

اور صاحب حاشیہ خیالی شرح عقائد کے قول و کیف وهو تبدیل القول (۲) کے ذیل میں لکھتے ہیں ”بل کذب متنف

بالاجماع“ یعنی کذب بالاجماع منشی (۳) ہے اور علامہ قسطلانی علیہ الرحمۃ نے تکلیف مالا یطاق کے اختلاف کو بیان کرتے ہوئے

امکان کذب باری تعالیٰ کا اس طرح رد کیا ہے

وقد يستدل بقوله لا يكلف الله نفسا إلا وسعها

اس کی تقریر یوں ہے کہ مابین اشاعرہ و معتزلہ تکلیف مالا یطاق کے امکان اور امتناع میں اختلاف ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ تکلیف مالا

یطاق محال ہے جس کی دلیل میں یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں

لا يكلف الله نفسا إلا وسعها (الآية)

اگر تکلیف مالا یطاق کو جائز مان لیا جائے تو کلام الہی میں کذب لازم آتا ہے اور وہ بالافتاق محال ہے۔ چنانچہ اشاعرہ کثر ہم اللہ

تعالیٰ اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہر ممکن فی نفسہ کے وقوع سے جس وقت اس کو امتناع بالغير عارض ہو

محال بالذات لازم نہ آئے بلکہ یہ اس وقت واجب ہے کہ جب اس کو امتناع بالغير عارض نہ ہو۔ جیسے ایک ممکن فی نفسہ کہ اس کا عدم اور

وجود دونوں مساوی ہیں لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ اس کے وجود کا ارادہ کرے تو اس وقت اس کا عدم محال ہو جاتا ہے اس لئے کہ اگر اللہ

تعالیٰ کے ارادہ مذکور کے بعد بھی اس کا عدم ممکن ہو تو معلول کا علت تامہ سے تخلف لازم آئے گا اور وہ محال بالذات ہے تو اس طرح اگر

یہ بھی کذب باری تعالیٰ کو (جو کہ محال بالذات ہے) مستلزم ہو گیا تو کوئی استحالہ (۴) لازم نہیں آتا تو اگر اشاعرہ کے نزدیک کذب باری

تعالیٰ ممکن ہوتا تو معتزلہ کے مقابلہ میں یہ جواب بالکل بے کار تھا۔ صاف کہہ دیتے کہ ہمارے نزدیک تکلیف مالا یطاق اور کذب باری

تعالیٰ دونوں محال بالغير ہیں (۳)۔ اگر محال بالغير، محال بالغير کو مستلزم ہو گیا تو کوئی قباحہ نہیں ہے (۴) دونوں ممکن ہیں۔ تو معلوم ہوا

کہ اشاعرہ کثر ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی کذب باری محال بالذات ہے۔

نیز علامہ قوچکی نے شرح تجرید میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے زمانے کے مسلمانوں تک امتناع کذب باری تعالیٰ پر اجماع نقل کیا ہے اور محقق دوانی شرح عقائد جلالی میں فرماتے ہیں

قلت الكذب نقص والنقص عليه تعالى محال فلا يكون من الممكنات ولا يشمل القدرة كما لا يشمل سائر وجوه النقص عليه تعالى كالجهل والعجز ونفي صفات الكمال - الخ

(ترجمہ) میں کہوں گا کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ پس نہ ہوگا ممکنات سے اور نہ شامل ہوگی اس کو قدرت جیسے کہ نہیں شامل ہے تمام ان طریقوں کو کہ اللہ تعالیٰ پر نقص ہیں۔ جیسے جہل اور عجز اور صفات کمال کی نفی۔

استحالة كذب باري تعالى كى عقلى دلائل

اب اس دعوے (1) کے اثبات میں چند عقلی دلائل بھی ملاحظہ ہوں۔

دلیل اول

کذب باری اگر ممکن ہے تو احد الامرین سے خالی نہیں۔ یا تو کلام نفسی میں پایا جائے گا یا نہیں؟ اگر نہیں پایا جاتا تو اس کا امکان بھی نہیں اس لئے کہ جب بھی پایا جائے گا حادث ہو کر پایا جائے گا اور قیام حوادث بذات باری تعالیٰ محال ہے۔ لہذا کذب کا بھی حادث ہو کر پایا جانا محال ہوا اور اگر پایا جاتا ہے تو قدیم ہی ہو کر پایا جائے گا۔ جیسا کہ ابطال شق اول میں معلوم ہوا۔ پس ماننا پڑے گا کہ کذب قدیم ہے اور جب کذب قدیم ہوا تو وہ واستحالة لازم آئے۔ ایک تو یہ کہ جب کذب قدیم مان لیا تو واقع ہو گیا دوسرے یہ کہ جب کذب قدیم ہوا تو صدق محال ہو گیا۔ وہذا باطل

دلیل دوم

کذب باری فی نفسہ احد الامرین سے خالی نہیں یا تو نقص ہو گیا نہ ہوگا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ضرور نقص ہے جیسا کہ عبارات سابقہ سے معلوم ہوا۔ لہذا جب نقص ہوا تو بالاتفاق محال ہو گیا۔

دلیل سوم

اگر کذب ممکن ہو تو کلام نفسی میں ضرور پایا جائے گا۔ جیسا کہ دلیل اول میں معلوم ہوا اور یہ بھی ثابت شدہ امر ہے کہ کلام لفظی کلام نفسی کی تعبیر ہے۔ جب کذب کلام نفسی میں مان لیا گیا تو کلام لفظی میں بھی ماننا پڑے گا۔ چونکہ وہ معتبر ہے اور کذب جب کلام لفظی میں ہوا تو وقوع کذب لازم آ گیا اور یہ باطل ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی کثیر التعداد دلائل عقلی امتناع کذب باری تعالیٰ پر قائم ہیں جن کی اس مختصر سے کتابچہ میں گنجائش نہیں ہے۔ ان شاء اللہ کسی اور موقع پر لکھی جائیں گی۔

امکان کذب پر فریق مخالف کی ایک اور دلیل اور اس کا جواب

مخالفین کا دعویٰ ہے کہ کذب تحت قدرت باری تعالیٰ داخل ہے اور اس کی دلیل میں آیت ”إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ (اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے) پیش کرتے ہیں یعنی چونکہ کذب بھی ”شیء“ میں داخل ہے لہذا وہ بھی تحت قدرت داخل ہوا۔

شیء کی بحث نفیس اور اس سے امکان کذب کا رد

اس کا جواب جواب اول تو یہ ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے ”إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَاءَهُ“ (نذیر) یعنی جس چیز کو خدا چاہے اس پر قادر ہے۔ شیء کو بہ معنی ”مشی“ قرار دیا اور کذب باری تعالیٰ کسی آیت یا حدیث یا اقوال مفسرین و متکلمین وغیرہ سے مشی ثابت نہیں ہوتا۔ لہذا اس آیت کریمہ سے مخالفین کے دعوے کا اثبات ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ کذب باری شیء بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ اس کو مشی کہا جائے۔

علامہ تفتازانی شرح عقائد نفی میں شیء کی تعریف اس طرح کرتے ہیں

الشيء عندنا هو الموجود

یعنی ہمارے نزدیک موجود کوئی کہتے ہیں۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں

”والمعدوم ليس بشيء“ یعنی معدوم کوئی شے نہیں۔

اب میں مخالفین سے دریافت کرتا ہوں کہ آیا کذب باری موجود ہے یا معدوم؟ اگر کہا جائے کہ وہ موجود ہے تب تو واقع ہو گیا اور اگر موجود نہیں یعنی معدوم ہے تو تعریف شیء میں داخل نہیں اور جب تعریف شیء میں داخل نہیں تو تحت قدرت کیسے ہوگا؟ پھر اس آیت سے استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور اگر کہا جائے کہ شیء سے مراد ما یصح وجودہ ہے اور وہ امکان کے منافی نہیں۔ لہذا کذب تحت قدرت باری تعالیٰ داخل رہا تو ہم کہیں گے کہ شیء سے مراد ما یصح وجودہ لے کر اول تو اپنے اصول کو چھوڑ کر معتزلہ کے اصول کو اختیار کرنا ہے اور یہ خلاف ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ شیء سے مراد ما یصح وجودہ لینا صحیح ہے تو مسئلہ (۲) کو چاہئے کہ اول تو وہ کذب کو ما یصح وجودہ ثابت کر دے پھر اس کے متعلق کچھ کلام کرے۔

صفات باری تعالیٰ تحت قدرت باری تعالیٰ نہیں

اس کے علاوہ اگر کذب باری تعالیٰ کو شیء مان لیا جائے تب بھی وہ تحت قدرت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ کذب باری پایا جائے گا تو صفت باری تعالیٰ ہو کر پایا جائے گا۔ جب کذب صفت باری تعالیٰ ہو تو تحت قدرت نہ ہوگا اس لئے کہ تمام حکماء اسلام کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ ذات و صفات تحت قدرت باری تعالیٰ داخل نہیں ہیں ورنہ ان کا حدوث لازم آئے گا۔ وهو ظاهر البطلان۔

پس معلوم ہوا کہ کذب باری بہر تقدیر خارج عن القدرت ہوگا۔ خواہ شے کہا جائے یا لاشے، معدوم یا موجود اور قائلین خلف وعید پر امکان کذب کا الزام لگایا جاتا ہے، وہ ہرگز صحیح نہیں۔ جیسا کہ ”ما سبق“ سے اظہر من الشمس ہو گیا۔

محققین خلف وعید کے قائل نہیں

اور محققین تو خلف وعید کے قائل ہی نہیں چنانچہ علامہ تفتازانی نے تصریح کی ہے ”والمحققون على خلافه و كيف وهو

تبدیل القول وقد قال تعالیٰ ما یبدل القول لدی

اللہ تعالیٰ ایسے عقائد فاسدہ سے ہر مسلمان کو بچائے۔ (امین ثم امین)

فریق مخالف کی دوسری دلیل اور اس کا رد

مخالفین کہتے ہیں کہ کلام نفسی میں کذب ممتنع بالذات سہی لیکن کلام لفظی میں ممکن بالذات ہے۔ کیونکہ کلام لفظی وہ ہے جو الفاظ سے مرکب ہو اور جو الفاظ سے مرکب ہو وہ حادث اور حادث ممکن بالذات ہے اور جو ممکن ہو گا وہ محکم ”اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ“ تحت قدرت داخل ہوگا۔ لہذا کلام لفظی باقسامہ تحت قدرت داخل ہوا تھا

الجواب: اگرچہ اس کا جواب بھی تقریر مابقی موجود ہے لیکن یہاں کافی وضاحت کی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ یہ دلیل تین طریقوں سے مردود ہے۔ اول یہ کہ ہر ایک امر مشہور کے جس سے مستدل کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تمام مقدمات خوش ہیں۔ دوسرے یہ کہ مفید مدعی نہیں یعنی امکان کذب باری تعالیٰ ثابت نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ کہ بر تقدیر ثبوت اس مدعا کے مستدل کا دوسرا مدعا یوں کہئے کہ مدعا کا دوسرا جز و غلط ٹھہرتا ہے۔ اب مستدل کے تمام مقدمات کا ابطال تفصیل سے سینئے۔

پہلا مقدمہ

کلام لفظی وہ ہے جو مرکب ہو الفاظ سے، ”اقول“ بعض کلام ایسے ہیں جن میں فقط ایک ہی لفظ ہے مثلاً ”ق“ (۱) پس جب کلام الفاظ سے مرکب نہیں تو تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں ہوتی اور اگر الفاظ حکمیہ یعنی ضمار مستترہ کا اعتبار کر کے کہا جائے تو مقدمہ ثانیہ یعنی جو الفاظ سے مرکب ہو وہ حادث ہے یہ ممنوع ہوا۔ اس لئے دلیل حدوث ترتب الفاظ میں ہے کیونکہ اسی ترتب کے باعث تقدم یا تاخر زمانی ہوتا ہے جس کی وجہ سے اسے حادث کہہ سکتے ہیں اور یہ تقدم یا تاخر الفاظ حقیقیہ و حکمیہ کی ترکیب میں منقود (۱) ہے۔ پس جب تقدم یا تاخر نہ ہو تو حدوث کا ثبوت بھی نہ ہوگا۔

دوسرا مقدمہ

یعنی جو کلام الفاظ سے مرکب وہ حادث ہے۔ ”اقول“ صاحب مواقف نے ایک مستقل رسالہ کلام الہی کی تحقیق میں تصنیف کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ رئیس الاشاعره شیخ ابوالحسن اشعری کلام نفسی اور کلام لفظی دونوں کے قدم (۲) کے قائل ہیں اور سید سند (۳) علیہ الرحمہ نے اس رسالہ کو بہت پسند کیا ہے۔ لہذا اس کی تحقیق کے بموجب ہر کلام لفظی حادث نہ ہوگا بلکہ صرف مخلوقات کا کلام لفظی حادث ہوگا (۴) وھذا اخراج عن البحث لہذا یہ مقدمہ باطل ہو گیا۔

اور جس دلیل سے اس کا حدوث ثابت کیا جاتا ہے اس کا شافی جواب اس رسالہ میں مذکور ہے، جس کا خلاصہ سید سند علیہ الرحمہ نے شرح مواقف میں لکھا ہے اور علامہ تفتازانی نے بھی اس کے متعلق بالتفصیل نقل کیا ہے۔ ان تمام عبارتوں کی تو یہاں گنجائش نہیں لیکن اختصاراً اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ مخالفین کا یہ اعتراض کہ حروف اور الفاظ کے مقدم موخر کرنے سے کلام لفظی کا حدوث لازم آتا

ہے اس کے جواب میں علامہ موصوف یہ فرماتے ہیں

فجوابه ان ذلك الترتيب انما هو في التلفظ بسبب عدم مساعدة الالة فالتلفظ حادث والادلة الدالة على الحدوث يجب حملها على حدوثه دون حدوث الملفوظ جمعاً بين الادلة وهذا الذي ذكرناه وان كان مخالفاً لما عليه متأخرو اصحابنا الا انه بعد التأمل تعرف حقيقة ثم كلامه وهذا المحمل لكلام الشيخ محمد الشهرستاني في كتابه المسمى "بنهاية الاقدام" ولا شبهة في انه اقرب الى الاحكام الظاهر المنسوبة الى قواعد الالة انتهى

(ترجمہ) پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ترتیب تلفظ میں ہے۔ عدم مساعدت آلہ کے سبب سے یعنی تلفظ حادث ہے اور جو دلیلیں حدوث پر دلالت کرتی ہیں واجب ہے ان کا حمل کرنا حدوث تلفظ پر نہ حدوث ملفوظ پر دلیلوں کے درمیان جمع کرنے کے لئے وہ یہ ہے کہ جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اگرچہ وہ ہمارے متاخرین اصحاب کے خلاف ہو لیکن تامل کے بعد اس کا حق ہونا معلوم ہو جائے گا اور یہ ہے محمل کلام شیخ محمد شہرستانی کا۔ اس کی کتاب "نہایت الاقدام" میں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اقرب ہے احکام ظاہریہ کی طرف جو کہ منسوب ہیں قواعد ملت کی طرف۔ ابھی

کس نئی دا ند دریں بحر عقیق
سنگ ریزہ قدر دا مرد یا عقیق!

چوتھا مقدمہ

یعنی جو ممکن ہے وہ بحکم آیت کریمہ "إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" تحت قدرت داخل ہے۔

اقول: متکلمین کے مذہب کی رو سے یہ مقدمہ صحیح نہیں اس لئے کہ صفات باری تعالیٰ بھی منجملہ ممکنات ہیں۔ شرح عقائد نفسی میں منصوص ہے
واما فی نفسها فہی ممکنہ

اور صفات باری تعالیٰ تحت قدرت باری تعالیٰ داخل نہیں ورنہ ان کا حدوث لازم آئے گا اور یہ نہ صرف بدایۃ بلکہ متعدد نصوص سے بھی مردود ہے باخبر حضرات سے مخفی نہیں۔ یہ ہے مستدللین مخالفین کے مقدمات کی حقیقت جن کا تار و پود بیت عنکبوت کی طرح بکھر گیا۔

امر دوم کا اثبات

یعنی اگر جمیع مقدمات تسلیم بھی کر لئے جائیں تب بھی مستدللین کی غرض حاصل نہیں ہوتی اس لئے ان کا مقصد یہ تھا کہ کذب باری تعالیٰ ممکن ہے اور نتیجہ یہ نکلا کہ کلام لفظی مدور و مخلوق ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ کلام لفظی خود ممکن ہے اور یہ بھی ثابت شدہ امر ہے کہ امکان شیء کو امکان صفت شیء لازم نہیں آتا بلکہ جائز ہے کہ شیء بنفسہ ممکن اور اس کی صفت ممنوع ہو جیسے کل کی انقصیت اور جزو کی اعظمیت ممنوع ہے اور جزو کل خود ممکن ہیں۔

امر سوم کا اثبات

یعنی اگر کلام لفظی میں کذب کا امکان تسلیم کر لیا جائے تو کلام نفسی میں بھی کذب ماننا پڑے گا۔ جیسا کہ بالتفصیل بیان ہوا ہے۔

مخالفین کے ایک اور اعتراض کا جواب

علماء وہابیہ اس مقام پر ایک اور مغالطہ بھی دیا کرتے ہیں اور جہلاء کے بہکانے کو کہا کرتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر نہیں کہ دوزخیوں کو جنت میں اور جنتیوں کو دوزخ میں ڈال دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نیکوں کو دوزخ میں ڈالنا یا لعنہ اس میں ہمارا کلام نہیں۔ ہمارا کلام تو اس میں ہے کہ آیا اس کے خلاف خبر دینے پر بھی قادر ہے یا نہیں۔ علماء وہابیہ میں اتنی بھی لیاقت نہیں کہ وہ حکایت اور محکی عنہ کے فرق کو سمجھ سکیں۔ جیسا کہ خلف وعد اور خلف وعید میں فرق نہ کیا اور دونوں کو ایک ہی سمجھ کر اپنے ایمان کو خراب کیا۔ اسی طرح یہاں بھی فرق کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

حضرات! ہمارا کلام ہے حکایت میں اور یہ محکی عنہ ہے نہ حکایت۔

جب لفظ ممتنع یا محال مطلق ہو اس سے ذاتی مراد ہوتا ہے

اس کے علاوہ ایک اور بھی مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ عبارات علماء مفسرین و متکلمین وغیرہم میں جہاں جہاں لفظ امتناع یا استحالہ آیا ہے وہاں امتناع سے مراد امتناع بالغیر اور محال سے محال بالغیر ہے جو کہ امکان بالذات کے منافی نہیں۔ اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ جس وقت لفظ استحالہ اور امتناع مطلق واقع ہوتے ہیں تو ان سے فرد کامل ہی مراد ہوتا ہے یعنی محال بالذات اور منع بالذات جیسا کہ کبھی امکان اور وجوب کو مطلق استعمال کیا جائے تو ان سے بھی امکان بالذات اور وجوب بالذات مراد ہوگا۔ کمالاً بخفی علی الماہر۔

دوسرے یہ کہ عبارات مستشہدہ میں فقط لفظ امتناع اور استحالہ پر ہی بس نہیں کیا گیا کہ عذر مذکور کی گنجائش رہتی بلکہ لا یجوز ولا یحتمل ولا یطرق (۳) وغیرہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

تیسرے یہ کہ یہاں بلا ضرورت حقیقت سے مجاز کی طرف عدول ہوتا ہے اور یہ صریح البطلان ہے۔

ایک شبہ اور اس کا حل

جو لوگ کلام لفظی میں کذب کے قائل ہیں حقیقتاً انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ چونکہ کلام لفظی خدا کی ذات کے ساتھ قائم نہیں لہذا اس کا کذب بھی اس کی طرف منسوب نہ ہوگا اور اس کی تزیہ میں فرق نہ آئے گا لیکن یہ محض خیال اور باطل خیال ہے۔ اول تو اس لئے کہ کلام نفسی کلام لفظی کا مدلول ہے۔ جب کذب کلام لفظی میں مان لیا تو کلام نفسی میں بھی ضرور ماننا پڑے گا۔ ورنہ بالعرض کا تحقق بدون ما بالذات کے لازماً آئے گا۔ وہو ظاہر البطلان۔

امکان کذب کے رد میں عجیب مثال

اس کی مثال اس طرح سمجھئے کہ ایک جلسہ ساز نے جھوٹی دستاویز بنائی، زبان سے کچھ نہ کہا بلکہ کاغذ پر حروف و نقوش ہی بنائے۔ یہ نقوش اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں بلکہ ان کا تعلق کاغذ ہی سے ہے لیکن پھر بھی اس دستاویز کے کذب کو اس جلسہ ساز کی طرف منسوب کر کے اسی کو مجرم قرار دیا جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ کلام لفظی کا کذب بھی ضرور خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا۔ وہذا محال اور اگر مان

بھی لیا جائے کہ کلام لفظی کا کذب اس کی طرف منسوب نہ ہو گا تو لازم آئے گا کہ اس کا صدق بھی خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہ ہو۔ اس لئے کہ علت مشترکہ ہے اور جب صدق بھی ذات باری کی طرف منسوب نہ ہو تو پھر آیات مسطورة الذیل کے کیا معنی ہوں گے؟

وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا

☆ اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ تعالیٰ سے از روئے قول کے

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا

☆ اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے از روئے کلام کے

وَنَقَمْتُ كَلِمَةً رَبِّكَ صَدَقًا وَعَدْلًا

☆ اور تمام ہو گیا تیرے رب کا کلمہ از روئے صدق اور عدل کے

ان آیات میں قول وحدیث سے مراد کلام لفظی ہے۔ چنانچہ مفسرین نے اس کی تفصیل کی ہے۔ تفسیر کبیر وغیرہ میں ملاحظہ ہو تو اسی تقریر پر لازم آئے گا کہ کلام لفظی حقیقتاً کلام ہی نہ ہو اور اس کا منکر کافر قرار نہ دیا جائے۔ غرض اس سبب سے مفاسد لا تجسی لازم آتے ہیں۔ کما لا ینفی علی الذکی۔

ایک لچر اور پوچ دلیل کی تردید

یہاں ایک بات اور یاد آگئی۔ مناظرین وہابیہ دپو بندیہ اس مسئلہ میں جب بالکل عاجز ہو جاتے ہیں تو یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اگر کذب تحت قدرت باری تعالیٰ میں داخل نہیں ہے تو یہ اکثر مخلوق جو شب و روز ہزاروں جھوٹ بولتی ہے تو کیا یہ اور اس کا کذب قدرت الہی سے باہر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس کذب کو تم نے تحت قدرت باری تعالیٰ ثابت کیا ہے، ہمارا نزاع اس میں نہیں۔ یہ تو مخلوق کا کذب اور مخلوق الہی ہے۔ اس پر صرف قدرت کے کیا معنی بلکہ وقوع ثابت و ظاہر ہے۔ ہمارا کلام تو کذب باری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی کذب جیسے کر یہ اور ناپاک عیب سے متصف ہو سکتا ہے یا نہیں اور وہ یہاں لازم نہیں آتا۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کا کذب کسی طریقہ سے ثابت نہیں ہو سکتا اور اس مسئلہ میں بقول مولوی عبدالشکور صاحب مدنی ”المنہج“ مخالفین کے پاس ایک چھھر کے پر کے برابر بھی کوئی دلیل نہیں۔

نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذِهِ الشُّرُورِ إِلَى يَوْمِ النُّشُورِ بِمَا افْتَحَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ وَاهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ. آمين يا ارحم الراحمين.

تمت بالخیر

الحق المبين

تخلیق انسانی کا مقصد معرفت الہی ہے اور معرفت الہی کا معنی مشاہدہ تجلیات حسن لامتناہی ہے۔ اس مقصد عظیم کے تصور نے انسان کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر دیا۔ وہ ایک ایک ضعیف و نادار اجنبی مسافر کی طرح حیران تھا جسے کروڑوں میل کی دشوار گزار راہیں درپیش ہوں اور منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ اس کے پاس موجود نہ ہو۔ وہ عالم حیرت میں زبانِ حال سے کہتا تھا کہ الہی! تیری معرفت کی منزل تک کیسے پہنچوں؟ میں کمزور ضعیف البدان اور پھر مجھے بہکانے کے لئے قدم قدم پر شیطان..... وہ پریشان ہو کر سوچتا تھا کہ ضعیف کو قوت سے کیا نسبت، امکان کو وجہ سے کیا واسطہ، محدود کو غیر محدود سے کیا علاقہ۔ ہاں حادث کہاں قدیم، کہاں انسان کہاں رحمن، نہ اس کے حسن و جمال کی تجلیوں تک میری نگاہیں پہنچ سکتی ہیں نہ میں اس کے دیدارِ جمال کی تاب لاسکتا ہوں۔

انسان اسی کش مکش میں مبتلا تھا کہ قدرت نے بروقت اس کی دستگیری فرمائی اور روحِ دو عالم حضرت محمد ﷺ کے آئینہ وجود سے اپنے حسن و لامحدود کی تجلیاں ظاہر فرما کر اپنی معرفت کی راہیں اس پر روشن کر دیں۔ صلوٰۃ و سلام ہو اس برزخ کبریٰ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ والہ التہیۃ والثناء پر جس نے ضعیف انسانی کو قوت سے بدل دیا۔ حدود کو قدم کا آئینہ بنا دیا۔ امکان کو بارگاہِ وجوب میں حاضر کر دیا۔ مکان کا رشتہ لامکان سے جوڑ دیا۔ محدود کو غیر محدود سے ملا دیا۔ یعنی بندہ کو خدا تک پہنچا دیا۔

حق یہ ہے کہ رخسارِ محمدی ﷺ آئینہٴ جمال حق ہے اور خدا و حالِ مصطفیٰ مظہر حسن کبریا۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ ایک کا انکار دوسرے کے اقرار کے ساتھ جمع ہو جائے۔ اگر حق کے ساتھ باطل، نور کے ساتھ ظلمت، کفر کے ساتھ اسلام کا اجتماع متصور ہو تو یہ بھی ممکن ہو گا جب وہ محال ہے تو یہ بھی محال۔

بنابرین اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چار کار ہی نہیں کہ حسن محمدی کا انکار جمالِ خداوندی کا انکار اور بارگاہِ نبوت کی توہین حضرت الوہیت کی تنقیص ہے۔ شانِ الوہیت کی توہین کرنے والا مومن نہیں تو گستاخِ نبوت کیونکر مسلمان ہو سکتا ہے؟ کوئی مکتبہٴ خیال ہو ہمیں کسی سے عناد نہیں البتہ منکرین کمالاتِ نبوت اور منقصین شانِ رسالت سے ہمیں طبعی تضرع ہے۔ اس لئے کہ وہ آئینہٴ جمالِ الوہیت میں عیب کے متلاشی ہیں اور ان کا یہ طرزِ عمل نہ صرف مقصدِ تخلیق انسانی کے منافی ہے بلکہ آدابِ بندگی کے بھی خلاف اور خالق کائنات سے کھلی بغاوت کے مترادف ہے۔

اس کے باوجود بھی ہمیں ان سے کچھ سروکار نہیں۔ ہمارا خطاب تو جمالِ الوہیت کے دیوانوں اور شمعِ رسالت کے ان پروانوں سے ہے جو ذاتِ پاکِ مصطفیٰ علیہ والہ التہیۃ والثناء کو معرفت الہی اور قربِ خداوندی کا وسیلہٴ عظمیٰ جان کر ان کی شمعِ حسن و جمال پر قربان ہو جانے کو اپنا مقصد حیات سمجھتے ہیں اور اسی لئے ہم نے دلائل سے الگ ہو کر صرف مسائل بیان کئے ہیں۔ البتہ ابتدا میں بطور مقدمہ چند ایسی اصول لکھ دیئے ہیں جن کی روشنی میں ناظرین کرام پر ان تمام تاویلات کا فساد روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا جو توہینِ آمیز عبارات میں آج تک کی گئی ہیں۔ رہے دلائل تو ان شاء اللہ تعالیٰ مستقبلِ قریب میں ہر اختلافی مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ ہدیہٴ ناظرین

ہوگا جس میں پوری تفصیل کے ساتھ دلائل مرقوم ہوں گے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ اس کے بعد یہ بھی عرض کردوں کہ اس رسالہ میں تمام حوالہ جات و عبارات منقولہ کو میں نے بذاتِ خود اصل کتب میں دیکھ کر پوری تحقیق اور احتیاط کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اگر ایک حوالہ بھی غلط ثابت ہو جائے تو میں اس سے رجوع کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کر لوں گا اور ساتھ ہی اس کا اعلان بھی شائع کر دوں گا۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مختصر رسالہ کو برادرانِ اہل سنت کے لئے اپنے مسلک پر ثابت قدم رہنے کا موجب اور دوسروں کے لئے رجوع الی الحق کا سبب بنائے۔

آمین

سید احمد سعید کاظمی غفرلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نَعْمَةُ وَنُصْلَى عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ط

اما بعد ناظرین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اس رسالہ کا اصل مواد تو میں نے ۱۹۴۶ء میں مرتب کر لیا تھا لیکن بعض موانع کی وجہ سے طباعت نہ ہو سکی تھی کہ اس عرصہ میں دیوبندی حضرات کے بعض رسائل و مضامین نظر سے گزرے جن سے مفید مطلب کچھ اقتباسات لے کر اس میں شامل کر دیئے گئے۔ اس رسالہ کی اشاعت سے میری غرض صرف یہ ہے کہ بھولے بھالے مسلمان علماء دیوبند کے ظاہر حال کو دیکھ کر انہیں اہل حق اور صحیح العقیدہ سنی سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر دینی معاملات میں انہیں اپنا مقتدا و پیشوا بناتے ہیں، ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں ان سے مذہبی مسائل دریافت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ مذہبی الفت رکھتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ ان کے عقائد کیسے ہیں؟ اس رسالہ کو پڑھ کر انہیں علماء دیوبند کے عقائد سے واقفیت ہو جائے اور وہ اپنی عاقبت کی فکر کریں اور سوچیں کہ جن لوگوں کے ایسے عقیدے ہیں ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا مان کر ہمارا کیا حشر ہوگا؟

وہابی دیوبندی

اگرچہ وہابی، دیوبندی دو لفظ ہیں لیکن ان سے مراد صرف وہی گروہ ہے جو اپنے ماسوا دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر و شرک اور بدعتی قرار دیتا ہے اور جس کے سربراہ وردہ لوگوں نے اپنی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ و دیگر انبیاء علیہم السلام و محبوبانِ خداوندی کی شان میں توہین آمیز عبارتیں لکھیں اور بعض عیوب و نقائص کو انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی طرف بے دھڑک منسوب کیا۔ اس قسم کے لوگوں کا وجود عہد رسالت سے ہی چلا آ رہا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے ”وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ. وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ

سَيُؤْتِنَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ۔“ (توبہ)

اور ان میں کوئی وہ ہے جو صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو جب ہی وہ ناراض ہیں اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا اور کہتے اللہ کافی ہے اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول بیشک ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت کرنا ہے۔

یہ آیت ذوالخویصرہ تمہی کے حق میں نازل ہوئی۔ اس شخص کا نام حقوق بن زہیر ہے۔ یہی خوارج کی اصل بنیاد ہے۔ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو ذوالخویصرہ نے کہا، یا رسول اللہ! عدل کیجئے۔ حضور نے فرمایا، تجھے خرابی ہو میں نہ عدل کروں گا تو عدل کون کرے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن مار دوں۔ حضور نے فرمایا، اسے چھوڑ دو اس کے اور بھی مہر ای ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر دیکھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے اور ان کے گلوں سے نہ اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔

دین میں داخل ہو کر بے دین ہونے والوں کی ابتداء ایسے ہی لوگوں سے ہوئی ہے جو نماز، روزہ اور دین کے سب کام کرنے والے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی اور بے دین ہو گئے۔ حضور اقدس ﷺ کی شان مبارک میں توہین کرنے والے ذوالخویصرہ کے جن مہراہیوں کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے ان سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے ذوالخویصرہ کی طرح شان رسالت میں گستاخیاں کیں۔ اسلام میں یہ پہلا گروہ خارجیوں کا ہے۔ یہی گروہ اہل حق کو کافر و مشرک کہہ کر ان سے قتال و جدال کو جائز قرار دیتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے مہراہیوں کو خارجیوں نے معاذ اللہ کافر قرار دیا اور خلیفہ برحق سے بغاوت کی اور اہل حق کے ساتھ جدال و قتال کیا۔ حتیٰ کہ عبدالرحمن بن ملجم خارجی کے ہاتھوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہید ہوئے۔ اسی بد بخت گروہ کے فتنوں کی خبر زبان رسالت نے سرزمین نجد میں ظاہر ہونے کے متعلق دی ہے اور فرمایا ہے ”ہناک الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان۔“ (رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مکتبائی دہلی ص ۵۸۲)

چنانچہ حضور ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق یہ فتنہ نجد میں بڑے زور شور سے ظاہر ہوا۔ محمد بن عبد الوہاب خارجی نے سرزمین نجد میں مسلمانوں کو کافر و مشرک کہہ کر سب کو مباح الدم قرار دیا اور توحید کی آڑ لے کر شان نبوت و ولایت میں خوب گستاخیاں کیں اور اپنے مذہب و عقائد کی ترویج کے لئے کتاب التوحید تصنیف کی جس پر اسی زمانے کے علما کرام نے سخت مواخذہ کیا اور اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے سعی بلیغ فرمائی۔ حتیٰ کہ محمد بن عبد الوہاب کے حقیقی بھائی سلیمان بن عبد الوہاب نے اپنے بھائی پر سخت رد کیا اور اس کی تردید میں ایک شاندار کتاب تصنیف کی جس کا نام ”الصواعق الالہیہ فی الرد علی الوہابیہ“ ہے اور اس میں وہابیت کو پوری طرح بے نقاب کر کے اہل سنت کے مذہب کی زبردست تائید و حمایت فرمائی۔ علامہ شامی حنفی امام احمد صاوی مالکی

وغیر ہما جلیل القدر علماء امت نے محمد بن عبد الوہاب کو باغی اور خارجی قرار دیا اور مسلمانوں کو اس فتنے سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی جدوجہد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ (ملاحظہ فرمائیے شامی ج ۳ باب البغات ص ۳۳۹ اور تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۵۵ مطبوعہ مصر)

پھر اسی کتاب التوحید کے مضامین کا خلاصہ تقویۃ الایمان کی صورت میں سر زمین ہند میں شائع ہوا اور مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنے مقتداء محمد بن عبد الوہاب کی پیروی اور جائز نشئی کا خوب حق ادا کیا اور اسی تقویۃ الایمان کی تصدیق و توثیق تمام علماء دیوبند نے کی۔ جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۵۱ پر مرقوم ہے۔

پھر جس طرح محمد بن عبد الوہاب کے خلاف اس زمانہ کے علماء اہل سنت نے آواز اٹھائی اور اس کا رد کیا اسی طرح مولوی اسماعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان کے خلاف بھی اس دور کے علماء حق نے شدید احتجاج کیا اور ان کے مسلک پر سخت نکتہ چینی کی۔ تقویۃ الایمان کے رد میں کئی رسالے شائع ہوئے۔ مولانا شاہ فضل امام، حضرت شاہ احمد سعید دہلوی شاگرد رشید مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا عنایت احمد کوروی مصنف علم الصیغہ، مولانا شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی تلمیذ رشید حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی اسماعیل دہلوی اور مسائل تقویۃ الایمان کا مختلف طریقوں سے رد فرمایا۔ حتیٰ کہ شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی نے اپنے فتاویٰ میں بھی کتاب التوحید اور مسائل تقویۃ الایمان کے خلاف واضح اور روشن مسائل تحریر فرما کر امت مسلمہ کو اس فتنے سے بچانے کی کوشش کی لیکن علماء دیوبند اور ان کے بعض اساتذہ نے مولوی اسماعیل اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کی تصدیق و توثیق کر کے اس فتنے کا دروازہ مسلمانوں پر کھول دیا۔ علماء دیوبند نے نہ صرف تقویۃ الایمان اور اس کے مصنف مولوی اسماعیل دہلوی کی تصدیق پر اکتفاء کیا بلکہ خود محمد بن عبد الوہاب کی تائید و توثیق سے بھی دریغ نہ کیا۔ (ملاحظہ فرمائیے فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۵۱ مصنفہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی)

لیکن چونکہ تمام روئے زمین کے احناف اور اہل سنت محمد بن عبد الوہاب کے خارجی اور باغی ہونے پر متفق تھے اس لئے فتاویٰ رشیدیہ کی وہ عبارت جس میں محمد بن عبد الوہاب کی توثیق کی گئی تھی علماء دیوبند کے مذہب و مسلک کو اہل سنت کی نظروں میں مشکوک قرار دینے لگی اور اہل سنت فتاویٰ رشیدیہ میں محمد بن عبد الوہاب کی توثیق پڑھ کر یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ علماء دیوبند کا مذہب بھی محمد بن عبد الوہاب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے متاخرین علماء دیوبند نے اپنے آپ کو چھپانے کی غرض سے محمد بن عبد الوہاب سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کرنا شروع کر دیا بلکہ مجبوراً اسے خارجی بھی لکھ دیا تا کہ علامۃ المسلمین پر ان کا مذہب واضح نہ ہونے پائے۔

لیکن علمائے اہل سنت برابر اس فتنے کے خلاف نبرد آزما رہے۔ ان علماء حق میں مذکورین صدر حضرات کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری مولف انوار ساطعہ، حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری، حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی، حضرت مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادی، حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب بدایونی وغیرہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان علماء اہل سنت کا امت مسلمہ پر احسانِ عظیم ہے کہ ان حضرات نے حق و باطل کی تمیز کی اور رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں توہین کرنے والے خوارج سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ ان لوگوں کے ساتھ ہمارا اصولی اختلاف صرف ان عبارات کی وجہ سے ہے جن میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ و محبوبانِ حق سبحانہ و تعالیٰ کی شان میں صریح گستاخیاں کی ہیں۔ باقی مسائل میں محض فروعی اختلاف ہے۔ جس کی بناء پر جانہین میں سے کسی کی تکفیر و تہلیل نہیں کی جاسکتی۔

تعب ہے کہ صریح توہین آمیز عبارات لکھنے کے باوجود یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے تو حضور کی تعریف کی ہے۔ گویا توہین صریح کو تعریف کہہ کر کفر کو اسلام قرار دیا جاتا ہے۔ ہم نے اس رسالے میں علماءِ دیوبند اور ان کے مقتداؤں کی عباراتِ بلا کی ویشی نقل کر دی ہیں تاکہ مسلمان خود فیصلہ کر لیں کہ ان میں توہین ہے یا نہیں؟ امید ہے ناظرین کرام حق و باطل میں تمیز کر کے ہمیں دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں گے۔

سبب تالیف

اس میں شک نہیں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن بعض کتابیں اتنی طویل ہیں کہ انہیں اول سے آخر تک پڑھنا ہر ایک کے لئے آسان نہیں اور بعض اتنی مختصر ہیں کہ علماءِ دیوبند کی اصل عبارات کے بجائے ان کے مختصر خلاصوں پر اکتفا کر لیا گیا جس کی وجہ سے بھی بعض لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے لگے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس موضوع پر ایسا رسالہ لکھا جائے جو اس تطویل و اختصار سے پاک ہو۔

ضروری گزارش

ابھی گزاری کی جا چکی ہے کہ دیوبند حضرات اور اہل سنت کے درمیان اختلاف کا موجب علماءِ دیوبند کی صرف وہ عبارات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں کھلی توہین کی گئی ہے۔ علماءِ دیوبند کہتے ہیں کہ ان عبارات میں توہین و تنقیص کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا اور علماءِ اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ ان میں صاف توہین پائی جاتی ہے۔ اس رسالہ میں علماءِ دیوبند کی وہ اصل عبارات بلفظہا مع حوالہ کتب و صفحہ و مطبع پوری احتیاط کے ساتھ نقل کر دی گئی ہیں۔ اپنی طرف سے ان میں کسی قسم کی بحث و تمحیص نہیں کی گئی۔

البتہ ان مختلف عبارات میں متعدد عنوانات محض سہولت ناظرین اور تنوع فی الکلام کی غرض سے قائم کر دیئے گئے ہیں اور فیصلہ ناظرین کرام پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ بلا تشریح ان عبارات کو پڑھ کر انصاف کریں کہ ان عبارتوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی توہین و تنقیص ہے یا نہیں؟

اس کے ساتھ ہی ہر عنوان اور عبارت کے تحت اپنا مسلک بھی واضح کر دیا گیا ہے تاکہ ناظرین کرام کو علماءِ دیوبند اور اہل سنت کے مسلک کا تفصیلی علم ہو جائے اور حق و باطل میں کسی قسم کا التباس باقی نہ رہے۔

قرآن کریم اور تعظیم رسول اللہ ﷺ

اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تمام دین ہمیں حضور ﷺ کی ذات اقدس سے ملا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں اور رسولوں اور یومِ قیمت وغیرہ عقائد و اعمال سب چیزوں کا علم رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عطا فرمایا اس لئے سارے دین کی بنیاد اور اصل الاصول نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ ہے اور بس۔ بنا بریں رسول کریم ﷺ کی حیثیت ایسی عظیم ہے جس کے وزن کو مومن کا دل و دماغ محسوس کرتا ہے مگر کما حقہ اس کا اظہار کسی صورت سے ممکن نہیں۔ ایسی صورت میں تعظیم رسول ﷺ کی اہمیت کسی مسلمان سے مخفی نہیں رہ سکتی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نہایت اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کو بارگاہ رسالت کے آداب کی تعلیم فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ.“ (حجرات)

اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز پر اور نہ ان کے ساتھ بہت زور سے بات کرو جیسے تم ایک دوسرے سے آپس میں زور سے بولا کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب کچھ کارت جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے ”إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ.“

بے شک جو لوگ اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے نزدیک، وہ ایسے لوگ ہیں جن کے دل کو اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

اور تیسری آیت میں ارشاد فرمایا ”إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ. وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ.“ (حجرات)

اے نبی ﷺ بے شک جو لوگ آپ کو آپ کے رہنے کے حجروں سے باہر پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ اگر یہ لوگ اتنا صبر کرتے کہ آپ خود حجروں سے نکل کر ان کی طرف تشریف لے آتے تو ان کے حق میں بہت محترم ہوتا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

چوتھی جگہ ارشاد فرمایا ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ.“ (بقرہ)

اے ایمان والو! تم نبی کریم ﷺ کو راعنا کہہ کر خطاب نہ کیا کرو بلکہ انظرنا کہا کرو اور دھیان لگا کر سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے۔

ان آیات طہیات میں بارگاہ رسالت کے آداب اور طرزِ مخاطب میں تعظیم و توقیر کو ملحوظ رکھنے کی جو ہدایات اللہ تعالیٰ نے فرمائیں ہیں محتاج تشریح نہیں۔ نیز ان کی روشنی میں شانِ نبوت کی ادنیٰ گستاخی کا جرم عظیم ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اس کے بعد اس مسئلہ کو علماء امت کی تصریحات میں ملاحظہ فرمائیے۔

تمام علماء امت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں توہین کفر ہے

شرح شفا قاضی عیاض لملا علی القاری ج ۲ ص ۳۹۳ پر ہے ”قال محمد بن سحنون اجمع العلماء علی ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمستنقص لہ کافر ومن شک فی کفرہ وعذابہ کفر۔ (اکفار الملحد بن مؤلفہ مولوی انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی ص ۵۱)

محمد بن سحنون فرماتے ہیں کہ تمام علماء امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں توہین و تنقیص کرنے والا کافر ہے اور جو شخص اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس مقام پر شبہ وارد کیا جاتا ہے کہ اگر کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو فقہا کا قول ہے کہ کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

اس کا ازالہ یہ ہے کہ قول اس تقدیر پر ہے کہ کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجہ کفر کا صرف احتمال ہو کہ کفر صریح نہ ہو لیکن جو کلام مفہوم توہین میں صریح ہو اس میں کسی وجہ کو ملحوظ رکھ کر تاویل کرنا جائز نہیں اس لئے کہ لفظ صریح میں تاویل نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے اکفار الملحد بن کے ص ۲ پر علماء دیوبند کے مقتداء مولوی انور شاہ صاحب کشمیری لکھتے ہیں ”قال حبیب بن ربیع ان ادعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل۔“

حبیب ابن ربیع نے فرمایا کہ لفظ صریح میں تاویل کا دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا اور اگر باوجود صراحت تاویل کی گئی تو وہ تاویل فاسد ہوگی اور تاویل فاسد خود بخود کفر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے، یہی مولوی انور شاہ صاحب دیوبندی اکفار الملحد بن کے ص ۶۲ پر لکھتے ہیں ”التاویل الفاسد کالکفر“ تاویل فاسد کفر کی طرح ہے۔

ایک اور اعتراض کا جواب

حدیث شریف میں آیا ہے ”انما الاعمال بالنیات“

یعنی عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ لہذا علماء دیوبند کی عبارتوں میں اگرچہ کلمات توہین پائے جاتے ہیں مگر ان کی نیت توہین اور تنقیص کی نہیں۔ اس لئے ان پر حکم کفر عائد نہیں ہو سکتا۔

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ حدیث کا مفاد صرف اتنا ہے کہ کسی نیک عمل کا ثواب نیت ثواب کے بغیر نہیں ملتا۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر عمل میں نیت معتبر ہے۔ اگر ایسا ہو تو کفر والحاد اور توہین و تنقیص نبوت کا دروازہ کھل جائے گا۔ ہر دریدہ دہن بے باک جو چاہے گا کہتا پھرے گا۔ جب گرفت ہوگی تو صاف کہہ دے گا کہ میری نیت توہین کی نہ تھی۔ واضح رہے کہ لفظ صریح میں جیسے تاویل نہیں ہو سکتی ایسے ہی نیت کا عذر بھی اس میں قائل قبول نہیں ہوتا۔

اکفار الملحد بن ص ۳ پر مولوی انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں ”المدار فی الحکم بالکفر علی الظواہر ولا

نظر للمقصود والنيات ولا نظر لقرائن حالہ“

کفر کے حکم کا دار و مدار ظاہر پر ہے، قصد و نیت اور قرائن حال پر نہیں۔

نیز اسی اکفار المحدثین کے صفحہ ۸۶ پر ہے ”وقد ذكر العلماء ان التهور في عرض الانبياء وان لم يقصد السب ككفر“ علماء نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں جرأت و دلیری کفر ہے اگرچہ توہین مقصود نہ ہو۔

توہین کا تعلق عرف عام اور محاورات اہل زبان سے ہوتا ہے

بعض لوگ کلمات توہین کے معنی میں قسم قسم کی تاویلیں کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اگر کسی تاویل سے معنی مستقیم بھی ہو جائیں اور اس کے باوجود عرف عام و محاورات اہل زبان میں اس کلمہ سے توہین کے معنی مفہوم ہوتے ہوں تو وہ سب تاویلات بے کار ہوں گی۔ مثلاً ایک شخص اپنے والد یا استاد کو کہتا ہے کہ آپ بڑے ولد الحرام ہیں اور تاویل یہ کرتا ہے کہ لفظ حرام کے معنی فعل حرام نہیں بلکہ محترم کے ہیں جیسے مسجد الحرام اور بیت اللہ الحرام، لہذا ولد الحرام سے مراد ولد محترم ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ بڑے ولد محترم ہیں تو یقیناً کوئی اہل انصاف کسی بزرگ کے حق میں اس تاویل کی رو سے لفظ ولد الحرام بولنے کی قطعاً جائز نہیں کہے گا اور ان کلمات کو بر بنائے عرف و محاورات اہل زبان کلمات توہین ہی قرار دے گا۔

لہذا ہم ناظرین کرام سے درخواست کریں گے کہ وہ علماء و دیوبندی کی توہین آمیز عبارات پڑھتے وقت اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھیں کہ عرف و محاورہ کے اعتبار سے اس عبارت میں توہین ہے یا نہیں؟

توہین رسول اللہ ﷺ میں قائل کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا

ناظرین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ توہینی عبارات پڑھتے ہوئے یہ خیال بھی دل میں نہ لائیں کہ قائل کی نیت توہین کی ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں توہین آمیز الفاظ بولتے وقت نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اور کلمہ توہین بہر صورت توہین ہی قرار پاتا ہے بشرطیکہ قائل کو یہ علم ہو جائے کہ یہ کلمہ کلمہ توہین ہے یا یہ کلمہ توہین کا سبب ہو سکتا ہے تو ایسی صورت میں بغیر نیت توہین کے بھی اس کلمے کا بولنا یقیناً موجب توہین ہو گا۔ دیکھئے صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کو بہ نیت تعظیم راعنا کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے لیکن یہودی چونکہ اس کلمہ کو حضور کے حق میں بہ نیت توہین استعمال کرتے تھے یا ادنیٰ تصرف سے اس کو کلمہ توہین بنا لیتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو راعنا کہنے سے منع کر دیا اور اس حکم کے بعد اس کلمہ کا حضور کے حق میں بولنا توہین اور موجب عذاب الیم قرار دے دیا۔ معلوم ہوا کہ ابنائے زمانہ کی ریک تاویلوں سے ساخت نبوت بہت بلند و بالا ہے اور مؤولین کی من گھڑت تاویلات ان کو توہین کے جرم عظیم سے بچا نہیں سکتیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے مولوی انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی کی تصریحات اسی اعتراض کے جواب میں نقل کر چکے ہیں۔

توہین کا دار و مدار واقعیت پر نہیں ہوتا

بعض لوگ توہین کو واقعیت پر موقوف کرتے ہیں حالانکہ توہین و تنقیص کا تعلق الفاظ و عبارات سے ہوتا ہے۔ بسا اوقات کسی واقعہ کو اجمال کے ساتھ کہنا موجب توہین نہیں ہوتا لیکن اسی امر واقعہ میں بعض تفصیلات کا آجانا توہین کا سبب ہو جاتا ہے اگرچہ ان تفصیلات کا بیان واقعہ کے مطابق بھی کیوں نہ ہو۔ ملاحظہ فرمائیے شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی ص ۶۴ بار سوم ۱۹۰۷ء میں ہے

عالم میں کوئی شے ایسی نہیں جس کے ساتھ ارادہ الہیہ متعلق نہ ہو اور اس بناء پر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی مراد (یعنی ارادہ کی ہوئی) ہے تو اس میں کوئی توہین نہیں لیکن اگر اسی واقعہ کو اس تفصیل سے کہا جائے کہ ظلم، چوری، شراب خوری اللہ تعالیٰ کی مراد ہے تو اگرچہ یہ کلام واقعہ کے مطابق ہے لیکن ظلم فسق وغیرہ کی تفصیلات میں آجانے کے باعث خلاف ادب اور توہین آمیز ہوگا۔ اسی طرح بدلیل آیہ قرآنیہ ”اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ“ یہ کہنا بالکل جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے لیکن ”اللَّهُ خَالِقُ الْقَافِ وَ رَابِ وَ غَيْرِهَا“ (اللہ تعالیٰ گندگیوں اور دوسری بری چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے) کہنا جائز نہیں کہ ذلیل اور ذلیل اشیاء کی تفصیل ابہام کفر کی وجہ سے یقیناً موجب توہین ہے۔ (ملخصاً)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان کی روشنی میں ہمارے ناظرین کرام پر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب (۱) کی عبارت حفظ الایمان کا توہین آمیز ہونا بخوبی واضح ہو گیا ہوگا اور تھانوی صاحب نے اپنی عبارت کی تائید کے لئے شرح موافق کی عبارت سے استدلال کیا ہے۔ اس کا بے سود ہونا بھی اہل علم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بعض علم غیب حیوانات بہائم اور پاگلوں کو ہوتا ہے تب بھی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی طرح یہ کہنا کہ اگر حضور ﷺ کے لئے بعض علم غیب ملنا جائے تو ایسا علم غیب تو ہر زید و عمر و اور ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے، یقیناً حضور ﷺ کے حق میں موجب توہین ہوگا کیونکہ اس عبارت میں بچوں، پاگلوں، حیوانات اور بہائم کے الفاظ ایسے ہیں جن کی تصریح ہر اہل فہم کے نزدیک اس کلام میں ایسی صریح توہین پیدا کر رہی ہے جس کا انکار بجز معاند متعسف کے کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ بخلاف عبارت شرح مواقف کے کہ اس میں بچوں، پاگلوں، جانوروں اور حیوانوں کی قطعاً کوئی تفصیل مذکور نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند کی اکثر عبارات اسی نوعیت کی ہیں کہ ان میں کہیں چوہڑے چمار کی تفصیل مذکور ہے، کہیں شیطان لعین کی اس لئے ہمارے منقولہ بالا بیان کی روشنی میں علماء دیوبند کی ایسی تمام عبارات کا توہین آمیز ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہے اور ان میں جو تاویلات کی جاتی ہیں ان سب کا لغو و بے کار ہونا اظہر من الشمس ہے۔

تکفیر مسلمین

علماء اہل سنت پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے علماء دیوبند کو کافر کہا۔ رافضیوں، نیچریوں، بایوں، بہائیوں حتیٰ کہ ندویوں کانگریسیوں، لیگیوں بلکہ تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ گویا بریلی میں کفر کی مشین لگی ہوئی ہے جسکے نشانے سے کوئی مسلمان نہیں بچ سکا۔ اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ”سبحانک ہذا بہتان عظیم“ کسی مسلمان کو کافر کہنا مسلمان کی شان نہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے کا وبال کافر کہنے والے پر عائد ہوتا ہے۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ علماء بریلی یا ان کے ہم خیال کسی عالم نے آج تک کسی مسلمان کو کافر نہیں کہا۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز تو مسئلہ تکفیر میں اس قدر محتاط واقع ہوئے تھے کہ امام الہا کفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کے بکثرت اقوال کفریہ نقل کرنے کے باوجود لزوم والتزام کفر کے فرق کو ملحوظ رکھے یا امام الہا کفہ کی توبہ مشہور ہونے کے باعث ازراہ احتیاط مولوی اسماعیل صاحب کی تکفیر سے کف لسان فرمایا۔ اگرچہ وہ شہرت اس درجہ کی نہ تھی کہ کف لسان موجب ہو سکے لیکن اعلیٰ حضرت نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ (ملاحظہ فرمائیے الکوئبۃ الشہابیہ مطبوعہ اہل سنت و جماعت بریلی ص ۶۲)

حیرت ہے ایسے محتاط عالم دین پر تکفیر مسلمین کا التزام عائد کیا جاتا ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بو العجبی است

دراصل اس پروپیگنڈے کا پس منظر یہ ہے کہ جن لوگوں نے بارگاہ نبوت میں صریح گستاخیاں کیں انہوں نے اپنی سیاہ کاریوں پر نقاب ڈالنے کے لئے اعلیٰ حضرت اور ان کے ہم خیال علماء کو تکفیر مسلمین کا مجرم قرار دے کر بدنام کرنا شروع کر دیا تا کہ عوام کی توجہ ہماری گستاخیوں سے ہٹ کر اعلیٰ حضرت کی تکفیر کی طرف مبذول ہو جائے اور ہمارے مقاصد کی راہ میں کوئی چیز حائل نہ ہونے پائے لیکن باخبر لوگ پہلے بھی خبردار تھے اور اب بھی وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں۔

ہمارا مسلک

مسئلہ تکفیر میں ہمارا مسلک ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جو شخص بھی کلمہ کفر بول کر اپنے قول یا فعل سے التزام کفر کر لے گا تو ہم اس کی تکفیر میں تامل نہیں کریں گے خواہ وہ دیوبندی ہو یا بریلوی، لنگی ہو یا کانگریسی، نیچری ہو یا ندوی۔ اس بارے میں اپنے پرانے کا امتیاز کرنا اہل حق کا شیوہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک لنگی نے کلمہ کفر بولا تو ساری لیگ کافر ہو گئی یا ایک ندوی نے ایک التزام کفر کیا تو معاذ اللہ سارے ندوی مرتد ہو گئے۔ ہم تو بغض دیوبندیوں کی عبارات کفریہ کی بناء پر ہر ساکن دیوبند کو بھی کافر نہیں کہتے۔ چہ جائے کہ تمام لنگی اور سارے ندوی کافر ہوں۔ ہم اور ہمارے اکابر نے بارہا اعلان کیا کہ ہم کسی دیوبند یا لکھنؤ والے کو کافر نہیں کہتے۔ ہمارے نزدیک صرف وہی لوگ کافر ہیں جنہوں نے معاذ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ و محبوبان ایزدی کی شان میں صریح گستاخیاں کیں اور باوجود تنبیہ شدیدہ کے انہوں نے اپنی گستاخیوں سے توبہ نہیں کی۔ نیز وہ لوگ جو ان کی گستاخیوں کو حق سمجھتے ہیں اور گستاخیاں کرنے والوں کو مومن اہل حق اپنا مقتداء اور پیشوا مانتے ہیں اور بس۔ ان کے علاوہ ہم نے کسی مدعی اسلام کی تکفیر نہیں کی۔ ایسے لوگ جن کی ہم نے تکفیر کی ہے اگر ان کو ٹوٹا جائے تو وہ بہت قلیل اور محدود افراد ہیں۔ ان کے علاوہ نہ کوئی دیوبند کا رہنے والا کافر ہے نہ بریلی کا، نہ لنگی نہ ندوی ہم سب مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

مفتیان دیوبند بھی اپنے اکابر علماء دیوبند کی عبارات متنازعہ کو عبارات کفریہ

سمجھتے ہیں

عرب و عجم کے علماء اہل سنت نے جو علماء دیوبند کی توہین آمیز عبارات پر تکفیر فرمائی اگر آپ سچ پوچھیں تو مفتیانِ دیوبند کے نزدیک بھی وہ تکفیر حق ہے اور علماء دیوبند اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان عبارات میں کفر صریح موجود ہے لیکن محض اس لئے کہ وہ ان کے اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کی عبارات، تکفیر نہیں کرتے اور اگر مفتیانِ دیوبند سے ان ہی کے پیشواؤں کی کسی ایسی عبارت کو لکھ کر فتویٰ طلب کیا جائے جس کے متعلق انہیں یہ علم نہ ہو کہ یہ ہمارے بڑوں کی عبارت ہے تو وہ اس عبارت کے لکھنے والے پر بے دھڑک کفر کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں۔ پھر جب انہیں بتا دیا جائے کہ جس عبارت پر آپ نے کفر کا فتویٰ دیا یہ آپ کے فلاں دیوبندی مقتداء کا قول ہے تو پھر بجز ذلت آمیز سکوت کے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ سر دست ہم ایک تازہ مثال ناظرین کرام کی خیافت طبع کے لئے پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ایک دیوبندی العقیدہ مولوی صاحب ے جو مودودیت کا شکار ہو چکے ہیں مودودی صاحب کو دیوبندیوں کے عائد کردہ الزامات توہین سے بری الذمہ ثابت کرنے کے لئے مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کی ایک عبارت ان کی کتاب تصفیۃ العقائد سے نقل کر کے دیوبند بھیجی اور اس پر فتویٰ طلب کیا گیا یہ بتایا کہ یہ عبارت کس کی ہے تو دیوبند کے مفتی صاحب نے اس عبارت پر بے دھڑک کفر کا فتویٰ صادر فرما دیا۔ ملاحظہ فرمائیے اشتہار بعنوان ”دارالعلوم دیوبند کے مفتی کا مولانا محمد قاسم نانوتوی کو فتویٰ کفر“

یہ فتویٰ دیوبندیوں کے گلے میں مچھلی کے کاٹنے کی طرح پھنس کر رہ گیا۔

دارالافتاء دیوبند کی طرف سے جو فتویٰ موصول ہوا ہے وہ درج ذیل ہے

مولانا محمد قاسم صاحب دارالعلوم دیوبند کی عبارت

”دروغ صریح بھی کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ہر قسم کا حکم یکساں نہیں۔ ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضروری نہیں۔ بالخصوص علی العموم کذب کو منافی شانِ نبوت بایں سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں، خالی غلطی سے نہیں۔“

فتویٰ ۸۶/۴۱ الجواب

انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں ان کو مرتکب معاصی سمجھنا العیاذ باللہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ نہیں۔ اس کی وہ تحریر خطرناک بھی ہے اور عام مسلمانوں کو ایسی تحریرات پڑھنا جائز بھی نہیں۔

فقط۔ واللہ اعلم

سید احمد سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

جواب صحیح ہے۔ ایسے عقیدے والا کافر ہے۔ جب تک وہ تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح نہ کرے اس سے قطع تعلق کریں۔

مہر دارالافتاء فی دیوبند الہند

مسعود احمد عفی اللہ عنہ

اشہد محمد عیسیٰ نقشبندی ناظم مکتبہ اسلامی لودھراں۔ ضلع ملتان

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ دیوبند سے مولوی قاسم صاحب پر یہ فتویٰ کفر منکوا کر اشتہار میں چھاپنے والا مولوی محمد قاسم صاحب ناٹوتوی اور اکابر علماء دیوبند کا معتقد اور ان کو اپنا مقتدا و پیشوا ماننے والا ہے مگر مودودی ہونے کی وجہ سے اس نے مودودی صاحب کے مخالفین علماء دیوبند کو نیچا دکھانے کے لئے اور مودودی صاحب پر علماء دیوبند کے صادر کئے ہوئے فتوؤں کو غلط ثابت کرنے کے لئے یہ چال چلی۔ اگرچہ مشہر دیوبندی العقیدہ ہونے کی وجہ سے مولوی محمد قاسم صاحب ناٹوتوی باقی مدرسہ دیوبند پر مفتی دیوبند کے اس فتوئے کفر کو صحیح تسلیم نہیں کرتا لیکن ہمارے ناظرین کرام پر اس فتویٰ کو پڑھ کر یہ حقیقت بخوبی واضح ہوگئی ہوگی کہ مفتیان دیوبند کی نظر میں علماء دیوبند کی عبارات کفریہ یقیناً کفریہ ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے مقتدا اور پیشوا ہیں اس لئے ان کی عبارات کے سامنے خدا اور رسول کے احکام کی کچھ وقعت نہیں۔

اہل سنت پر پیر پرستی کا الزام لگانے والے ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ اس سے بڑی بھی کوئی پیر پرستی ہو سکتی ہے کہ خدا اور رسول سے بڑھ کر بھی اپنے پیروں اور پیشواؤں کو بڑھا دیا جائے۔ اہل انصاف کے نزدیک فی زمانہ یہی لوگ آیہ کریمہ ”اتَّخِذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُحَبَاءَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ“ صحیح مصداق ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے احباب اور رہبان (عالموں اور درویشوں) کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور وہ اس طرح کہ ایک بات کوئی دوسرا کہے تو اسے کافر بنا ڈالیں اور وہی بات ان کے علماء اور پیشوا کہیں تو بکے مومن رہیں۔ العیاذ باللہ والی اللہ المشتکی۔

مسلمانوں کو کفر کہنے والا کون ہے؟

وہی لوگ مسلمانوں کو کافر کہنے والے ہیں جو بات بات پر کفر و شرک کا فتویٰ لگاتے رہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے تقویۃ الایمان ص ۸،

بلغة النحیر ان ص ۴

ان دونوں کتابوں میں ایسی عبارتیں اور فتوے درج کئے گئے ہیں جن کی رو سے عہد صحابہ سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والا کوئی مسلمان بھی کفر و شرک سے نہیں بچا۔ حضور ﷺ کے علم غیب کا قائل، حاضر و ناظر ہونے کا معتقد، امور خارقۃ للعادت میں بزرگان دین کے تصرفات کے ماننے والا، یا رسول اللہ کہنے والا، بزرگان دین کی تعظیم بجالانے والا، مجلس میلاد شریف میں قیام تعطیسی اور اولیاء کرام کو ایصالِ ثواب کرنے والا غرض ہر وہ مسلمان جو ان لوگوں کے مسلک کے خلاف ہو معاذ اللہ کافر و شرک، بدعتی، گمراہ، ملحد اور بے دین ہے۔ ناظرین غور فرمائیں کہ اس قسم کے فتوؤں سے کون سا مسلمان بچ سکتا ہے۔

تجب ہے خود تمام مسلمانوں کو کافر و شرک کہیں اور اہل سنت پر الزام لگائیں۔ فالی اللہ المشتکی

افضلیت و اصالت مصطفویہ ﷺ

اظہار کمالات محمدی ﷺ کے بارے میں علمائے امت کا ہمیشہ یہ مسلک رہا ہے کہ جب انہوں نے کسی فرد مخلوق میں کوئی ایسا کمال

پایا جواز روئے دلیل بہ ہیئت مخصوصہ اس کے ساتھ مختص نہیں تو اس کمال کو حضور ﷺ کے لئے اس بناء پر تسلیم کر لیا کہ حضور ﷺ تمام عالم کے وجود اور اس کے ہر کمال کی اصل ہیں جو کمال اصل مجبیں نہ ہو فرع میں نہیں ہو سکتا۔ لہذا فرع میں ایک کمال پایا جانا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اصل میں یہ کمال ضرور ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اصول بالکل صحیح ہے۔ معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب فرع کا ہر کمال اصل سے مستفاد ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کمال فرع میں ہو اور اصل میں نہ ہو بخلاف عیب کے یعنی یہ ضروری نہیں کہ فرع کا عیب اصل کے عیب کی دلیل بن جائے۔ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ ہر بے بھرے درخت کی ٹہنیاں سوکھ جاتی ہیں مگر جڑ تو تازہ رہتی ہے۔ اس لئے کہ اگر جڑ ہی خشک ہو جاتی تو اس کی ایک شاخ بھی سرسبز و شاداب نہ رہتی اور جب سوائے چند شاخوں کے سب ٹہنیاں سرسبز و شاداب ہوں تو معلوم ہوا کہ جڑ تازہ ہے اور یہ چند شاخیں جو مرجھا کر خشک ہو گئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اندرونی اور باطنی طور پر ان کا تعلق اصل سے ٹوٹ گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات فرع کا عیب اصل کی طرف منسوب ہو جاتا ہے لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب اصل میں عیب پایا جائے اور جب اصل کا بے عیب ہونا دلیل سے ثابت ہو تو پھر فروع کا کوئی عیب اصل کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا اور اس میں شک نہیں کہ اصل کائنات یعنی حضرت محمد ﷺ کا بے عیب ہونا دلیل سے ثابت ہے۔ خود نام پاک محمد ﷺ ہی اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ لفظ محمد ﷺ کے معنی ہیں ”بار بار تعریف کیا ہوا“ اور ظاہر ہے کہ نقص و عیب مذمت کا موجب ہے نہ کہ تعریف کا۔ لہذا واضح ہو گیا موجودات ممکنہ کے عیوب و نقائص اصل ممکنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے بلکہ ان کا اصل عیب یہی ہے کہ وہ باطنی اور معنوی طور پر اپنی اصل سے منقطع ہو کر اس کے فیوض و برکات سے محروم ہو گئے۔

علیٰ ہذا القیاس ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودات عالم کا ہر کمال، کمال محمدی ﷺ کی دلیل ہے مگر کسی فرد عالم کا عیب معاذ اللہ حضور ﷺ کے عیب کی دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ جس فرد میں عیب پایا جاتا ہے درحقیقت وہ اندرونی اور باطنی طور پر اصل کائنات یعنی روحانیت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے منقطع ہو چکا ہے۔ گویا اصل سے کٹ جانا ہی عیب ہے۔

اسی اصول کے مطابق حضرت مولانا عبد السمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف انوار ساطعہ نے تحریر فرمایا تھا کہ ”جب چاند سورج کی چمک دمک تمام روئے زمین پر پائی جاتی ہے ارشیطان و ملک الموت تمام زمین پر موجود رہتے ہیں۔ بنی آدم کو دیکھتے اور ان کے احوال کو جانتے ہیں تو نبی کریم ﷺ کا اپنی روحانیت و نورانیت کے ساتھ بیک وقت بہت سے مقامات پر تمام روئے زمین پر رونق افروز ہونا اور اس کا علم رکھنا کس طرح کفر و شرک ہو سکتا ہے؟

ظاہر ہے کہ مولانا محمد عبد السمیع رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام تو اسی اصل مذکور پر مبنی تھا لیکن مولوی انیسٹھوی صاحب جب انوار ساطعہ کے رد میں براہین قاطعہ لکھنے بیٹھے تو انہوں نے اپنی بلاغت طبع کے باعث انوار ساطعہ میں لکھے ہوئے حضور کے اس کمال کو حضور کے وصف اصالت کے بجائے اسے افضلیت پر مبنی سمجھ لیا یعنی مولوی انیسٹھوی صاحب نے یہ سمجھا کہ صاحب انوار ساطعہ جو شیطان و ملک الموت کے ہر جگہ موجود ہونے اور روئے زمین کی اشیاء کا عالم ہونے کو بیان کر کے حضور ﷺ کے ہر جگہ موجود ہونے اور روئے زمین کے علوم

سے متصف ہونے کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے۔ اس کا معنی حضور ﷺ کی افضلیت محضہ ہے۔ اٹیٹھوی صاحب نے اپنی غلط فہمی کی وجہ سے بزم خود ایک بنیاد فاسد قائم کر دی اور اس پر مفاسد کی تعمیر کرتے چلے گئے چنانچہ اسی باء الفاسد علی الفاسد کے سلسلے میں وہ تحریر فرماتے ہیں

اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کا تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو۔ چہ جائیکہ زیادہ۔ (براہین قاطعہ ص ۵۶)

اٹیٹھوی جی آپ سے کس نے کہہ دیا کہ صاحب انوار ساطعہ نے ملک الموت سے محض افضل ہونے کی وجہ سے حضور کا علم ملک الموت سے زیادہ تسلیم کیا ہے۔ صاحب انوار ساطعہ یا کسی سنی عالم نے بھی افضلیت محضہ کو زیادتی علم کی دلیل نہیں بنایا۔ ہم تو حضور ﷺ کی اصالت کو حضور کی اعلیٰ کی دلیل قرار دیتے ہیں اور اگر بالفرض کسی نے حضور ﷺ کی افضلیت کو حضور ﷺ کی اعلیٰ کی دلیل بنایا بھی ہو تو اس سے افضلیت محضہ سمجھنا انتہائی حماقت ہے کیونکہ حضور کی افضلیت حضور کے ساتھ مخصوص ہے جس کا تحقق اصالت کے بغیر ناممکن ہے۔

ہمارے اس بیان کی روشنی میں مخالفین کا ان تمام حوالات کو پیش کرنا بے سود ہو گا جن سے وہ ثابت کیا کرتے ہیں کہ افضلیت کو اعلیٰ مستلزم نہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے افضل ہیں لیکن بعض علوم حضرت خضر علیہ السلام کے لئے حاصل ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ان کا حصول ثابت نہیں وغیرہ وغیرہ۔

مخالفین نے ابھی تک اس حقیقت کو سمجھایا نہیں کہ حضور ﷺ کی افضلیت پر دوسروں کی افضلیت کا قیاس کرنا درست نہیں اس لئے حضور اصل کائنات ہیں اور یہ وصف اصالت عامہ حضور کے علاوہ کسی کو نہیں ملا۔ بنا بریں حضور ﷺ کی افضلیت اعلیٰ کو مستلزم ہوگی اور حضور کے علاوہ کسی دوسرے کی افضلیت میں اعلیٰ کا التزام نہ ہوگا۔

اس بات کی تائید و تصدیق کہ حضرت محمد ﷺ تمام رسولوں سے افضل اور سب انبیاء کے خاتم ہیں نیز یہ کہ تمام انبیاء علیہم السلام رسول اللہ ﷺ سے مدد حاصل کرتے ہیں شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے جو شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باب ۴۹۱ کے علوم میں ارشاد فرمایا ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد دنیا اور آخرت کا کوئی علم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی باطنیت (روحانیت) کے بغیر کسی ذریعہ سے حاصل نہیں کر سکتا۔ برابر ہے کہ انبیاء متقدمین ہوں یا وہ علماء ہوں جو حضور ﷺ کی بعثت سے متاخرین ہیں اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اولین و آخرین کے تمام علوم عطا کئے گئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ہم آخرین سے ہیں (پھر ہمارا کوئی علم بلا واسطہ روحانیت محمدیہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے) اور حضور ﷺ نے ان علوم کے حکم میں تعلیم فرمائی۔ لہذا یہ حکم ہر قسم کے علوم کو شامل ہے۔ خواہ وہ علم منقول ہو یا معقول ہو یا مفہوم و موہوب۔ لہذا ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ بلا واسطہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ سے علم حاصل کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں علی الاطلاق سب سے زیادہ علم والے ہیں۔ (الیواقیت

بعض علوم کو برا کہہ کر رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ سے اس کی نفی کرنا بدترین جہالت اور ہلکا گاہ نبوت سے کھلی عداوت ہے

دیوبندی حضرات اہل سنت کے مواخذہ سے تنگ آ کر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے لئے وہی علوم مانتے ہیں جو نبوت و رسالت سے متعلق اور حضور ﷺ کی شان کے لائق ہیں غیر ضروری علوم اور نجاستوں، غلطیوں، مکر و فریب، چوری دغا بازی، ضلالت و گمراہی کے طریقوں اور ان تفصیلات کا برا اور مذموم علم اور شیطانی علوم کو حضور کے لئے ثابت کرنا حضور کے حق میں عیب ہے جس سے حضور ﷺ کا پاک ہونا ضروری ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم کا مقابل جہل ہے اور جہل فی نفسہ نقص و عیب ہے تو لامحالہ علم فی نفسہ حسن و کمال ہوگا۔ دیکھئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر فتح العزیز میں ارقام فرماتے ہیں

”دریں جا باید دانست کہ علم فی نفسہ مذموم نیست ہرچونکہ باشد“

(تفسیر فتح العزیز ج ۱ ص ۴۴۵ مطبوعہ مطبع العلوم متعلقہ مدارس دہلی)

ترجمہ: ”یہاں یہ جانا چاہئے کہ علم جیسا بھی ہو فی نفسہ برا نہیں ہوتا۔“

اس کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اسباب کا تفصیلی بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے کسی علم میں برائی آ سکتی ہے۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے (۱) توقع ضرر (۲) استعداد عالم کا قصور (۳) علم شرعیہ میں بے جا غور کرنا

ہمارے ناظرین کرام عقل و انصاف کی روشنی میں اتنی بات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے بیان فرمودہ تینوں سببوں کا رسول اللہ ﷺ کے حق میں پایا جانا ممکن نہیں کیونکہ عصمت الہیہ کی وجہ سے حضور ﷺ کے حق میں ضرر کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حضور ﷺ کی استعداد مقدسہ میں قصور کا پایا جانا بھی محال ہے۔ علیٰ ہذا القیاس امور شرعیہ میں بے جا غور و فکر کرنا بھی رسول کریم ﷺ کے لئے قطعاً ناممکن ہے۔ ورنہ علوم شرعیہ بھی معاذ اللہ حضور ﷺ کے حق میں مذموم ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ جن اسباب خارجہ کی وجہ سے کسی علم میں برائی پیدا ہو سکتی ہے حضور ﷺ کے حق میں ان کا پایا جانا ممکن نہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ رسول اکرم ﷺ کو خواہ کیسا ہی علم کیوں نہ ہو وہ حضور کے حق میں برا نہیں ہو سکتا اور اگر ہم آنکھیں بند کر کے یہ تسلیم ہی کر لیں کہ بعض علوم فی نفسہ برے ہوتے ہیں تو میں عرض کروں گا جو چیز فی نفسہ بری اور مذموم ہو وہ عیب ہے اور عیب صرف رسول اللہ ﷺ کے حق میں محال نہیں بلکہ حضور ﷺ سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ نہ صرف محال بلکہ محال عقلی اور ممتنع لذاتہ ہے۔ لہذا ایسے علم کو جو فی نفسہ برا ہو اور حضور ﷺ کے حق میں اس کا ہونا عیب قرار پائے، اسے اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ثابت کرنا ناممکن ہوگا کیونکہ صفت ذمیمہ کا اثبات حقیقتاً عیب لگانا ہے۔ جب اللہ

تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے تو برے علم سے بھی پاک ہونا اس کے لئے یقیناً واجب ہوگا۔ جو چیز (فی نفسہ) بندوں کے حق میں عیب ہو اللہ تعالیٰ کا اس سے منزہ ہونا ضروری ہے۔ دیکھئے کذب، جہل، ظلم، سفہ وغیرہ امور فی نفسہا جس طرح بندوں کے حق میں عیب ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی عیب ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ان سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے مسامرہ جز ثانی ص ۶۰ مطبوعہ مصر میں علامہ کمال ابن ابی شریف ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں

ہم کہیں گے کہ اشعری اور ان کے علاوہ (تمام اہل سنت) اس بات پر متفق ہیں کہ ہر وہ چیز جو (فی نفسہ) بندوں کے حق میں عیب اور نقص کی صفت ہو اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ صفت نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

ایسی صورت میں حضرات علماء دیوبند سے خلاصانہ استفسار ہے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک سمجھتے ہیں تو کیا اس کی ذات مقدسہ سے ان تمام علوم کی نفی کریں گے جنہیں غلاظت، مکر و فریب کا علم اور شیطانی علوم کہہ کر برا اور مذموم قرار دیا گیا ہے۔ اگر نہیں تو کیا اللہ تعالیٰ کو آپ عیوب و نقائص سے مبرا نہیں مانتے۔

حیرت ہے کہ جن لوگوں کی عبارات تو ہیں رسول اللہ ﷺ سے ملوث ہیں اس مسئلے میں انہیں رسول اللہ ﷺ سے اس قدر حد سے زائد محبت کس طرح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی تزیہ سے بھی ان کے نزدیک حضور کی تقدیس زیادہ اہم اور ضروری قرار پا گئی۔ فیما للعجب۔ درحقیقت یہ بھی عداوت رسول اللہ ﷺ کا ایک بین ثبوت ہے کیونکہ قاعدہ کہ اگر کسی اچھی چیز سے کسی کو بر بنائے عداوت محروم رکھنا ہو تو اس چیز کو برا اور مذموم کہہ دیا جاتا ہے تاکہ دوسروں پر یہ ظاہر کر دیا جائے کہ ہم اس شخص کی محبت اور خیر خواہی کی بنا پر اس بری چیز سے اسے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں لیکن حقیقتاً عداوت کی وجہ سے اس کو ایک اچھٹی اور مفید چیز سے محروم رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ بالکل یہی صورت حال یہاں ہے کہ بری چیزوں کے فی نفسہ علم کو (جو عین کمال ہے) نقص و عیب قرار دے دیا گیا تاکہ وہ حضور ﷺ کے لئے ثابت نہ ہو سکے۔ العیاذ باللہ والیہ المشتکی۔

ایک کثیر الوقوع شبہ کا ازالہ

بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ علماء دیوبند نے دین کی بہت خدمت کی، سینکڑوں علماء ان سے پیدا ہوئے۔ انہوں نے بے شمار کتابیں لکھیں، ان میں بہت سے لوگ پیری مریدی کرتے ہیں اور ان میں عابد و زاہد بھی پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے دین کی بہت کچھ تبلیغ و اشاعت کی۔ ایسی صورت میں ذہن اس بات کو قبول نہیں کرتا کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں توہین آمیز عبارت لکھی ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں سے توہین رسول ﷺ کا سرزد ہو جانا عقلاً یا شرعاً کسی طرح بھی محال نہیں۔ بلعم بن باعور کتنا بڑا عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور ان کی اہانت کا مرتکب ہو کر ”وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ“ کا مصداق بن گیا اور ہمیشہ کے لئے قعر مذلت میں گر گیا۔ شیطان کا عابد و زاہد اور عالم و عارف ہونا سب کو معلوم ہے جب وہ

حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کر کے راندہ درگاہ ہو گیا تو دوسروں کے لئے توہین رسول کا ارتکاب کیونکر ناممکن قرار پا سکتا ہے۔

خوارج و معتزلہ اور دیگر فرق باطلہ کے علمی اور عملی کارنامے اگر تاریخ کی روشنی میں دیکھے جائیں تو اس زمانہ کے حضرات مذکورین سے ان کے علم و عمل کا پلہ کہیں بھاری تھا۔ ان کی مروجہ دینی خدمات تدریس و تبلیغ تصنیف و تالیف کے مقابلے میں اہل زمانہ کی خدمات اور کارگزاریاں ذرہ بے مقدار کی حیثیت بھی نہیں رکھتیں لیکن ان کے یہ تمام علمی اور عملی کارنامے ان کو تعزیرات سے بچا نہ سکے۔ رہی خدمت و حمایت دین تو اس کے لئے ضروری نہیں کہ اہل حق ہی کے ذریعے ہو بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید و فرمانوں اور فاجروں سے بھی کرا لیتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے ”ان اللہ لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر“ (بخاری شریف ص ۴۱۳ ج ۱) لہذا اعانت و حمایت دین اور ظاہری علوم و عمل کے پائے جانے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ایسے لوگ فی الواقع اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ہوں۔

کفر و شرک و بدعت

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان حضرات کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تمام امت مسلمہ کو کافر و شرک اور بدعتی بنا ڈالا۔ مثلاً یا رسول اللہ کہنا شرک، اولیاء کرام کی نذر (لعوی) شرک، حرارات اولیاء پر جانا کفر، میلاد بدعت و عرس حرام، گیارہویں شریف، اذان میں حضور پاک کا نام سن کر انگوٹھے چومنا بدعت، الغرض کفر و شرک کی ایسی بھرمار کی جس سے دوسرے تو کیا بچتے خود بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ اس مختصر رسالے میں تفصیل کی تو گنجائش نہیں البتہ اجمالاً متاعرض کر دینا کافی ہے کہ منصوص قطعی کا انکار کفر ہے۔ غیر خدا کو خدا ماننا یا خدا کی کوئی صفت کسی غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے اور دین میں ایسی چیز پیدا کرنا جس کی اصل دین متین میں نہ پائی جائے بدعت ہے یعنی ہر وہ چیز جو کسی دلیل شرعی کے معارض ہو بدعت شرعیہ ہے۔

یہ عرس و میلاد و دیگر اعمال مستحسنہ جنہیں کفر و شرک اور بدعت قرار دیا جاتا ہے حقیقتاً امور مستحبہ ہیں۔ الحمد للہ آج تک کوئی منکر ان امور میں کسی امر کو نہ کسی نص قطعی کے خلاف ثابت کر کے ان کے کفر ہونے پر دلیل لا سکا اور نہ ان کو کسی دلیل شرعی کے خلاف ثابت کر کے ان کے بدعت ہونے پر استدلال کر سکا۔ البتہ اتنی بات ضرور کہی جاتی ہے کہ جس طریقہ سے تم یہ کام کرتے ہو اسی طرح خیر القرون میں یہ کام کسی نے نہیں کئے لہذا یہ سب امور بدعت ہیں۔ اس کے جواب میں تحقیق و تفصیل تو ان شاء اللہ دوسرے رسالہ میں ہدیہ ناظرین ہوگی سردست متاعرض کر دینا کافی ہے کہ اگر ان امور کی ہیئت کذائیہ کی تفصیلات قرونِ اولیٰ میں نہیں پائی گئیں تو صرف اس وجہ سے ان کو بدعت کہنا ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے قرآن مجید کی تیس پاروں میں تقسیم، اعراب قرآن، جمع احادیث، بناء مدارس، تعلیم دین پر اجرت لینا اور ادو اعمال مشائخ وغیرہ بے شمار کام ایسے ہیں کہ خیر القرون میں ان کا وجود نہیں پایا گیا لیکن علماء دیوبند بھی انہیں بدعت نہیں کہتے۔ معلوم ہوا کہ یہ بات قطعاً غلط اور ناقابل قبول ہے۔

اسی طرح کوئی منکر کسی حجت شرعیہ سے ان امور کے اعتقاد یا عمل کا شرک ہونا ثابت بھی نہ کر سکا۔ شرک کے متعلق ہمارے ناظرین

کرام یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ شرک تو حید کا مقابل ہے اور مسئلہ تو حید واجب عقلی ہے لہذا شرک لامحالہ اعتقاد امر ممتنع لذاتہ کا نام ہوگا۔

ظاہر ہے کہ تصرفات انبیاء و اولیاء علیہم السلام اور ان کے باقی کمالات علمیہ و عملیہ سب مقید بالعطاء و باذن اللہ ہیں اور یہ امر بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ عطاء الہی اور اذن خداوندی کے ساتھ اللہ کے کسی محبوب کے لئے علمی یا عملی کمالات و تصرفات کا ہونا ہرگز ممتنع لذاتہ نہیں۔ اس لئے اذن و عطا کی قید کے ساتھ ان کا اعتقاد کسی طرح شرک نہیں ہو سکتا۔ البتہ الوہیت اور وجوب وجود اور غنا ذاتی ایسے امور ہیں جن کی عطا ممتنع لذاتہ ہے۔ اس لئے جو شخص کسی کے حق میں ان امور میں سے کسی امر کی عطا کا اعتقاد رکھے گا وہ یقیناً شرک ہو گا۔ جیسا کہ مشرکین عرب اپنے آلہ باطلہ کے حق میں اسی قسم کا اعتقاد رکھتے تھے اور کسی مسلمان کا کسی غیر اللہ کے حق میں ہرگز یہ اعتقاد نہیں۔ الحمد للہ! اس مختصر بیان سے اہل علم پر محافلین کے وہ تمام مکر و فریب آشکار ہو گئے جن میں بعض حضرات مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(وللہ الحجة الباطنة)

انصاف کیجئے

جو دیوبندی حضرات علماء دیوبند کی صریح توہینی عبارتوں میں توہین نہیں مانتے ان کی خدمت میں خلاصہ گزارش ہے کہ آپ علماء کی عبارات کے مقابلے میں مودودی صاحب کی وہ عبارتیں توہین کے مفہوم سے بہت دور ہیں جن سے خود آپ کے علماء دیوبند نے توہین کا مفہوم نکال کر مودودی صاحب پر الزامات توہین عائد کئے ہیں۔ اگرچہ ہمارے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں لیکن عبارات میں صراحت و وضاحت توہین کے بین تفاوت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہم مودودی صاحب کی ان عبارات میں سے صرف ایک عبارت بلا تشریح تحریر کرتے ہیں جس کی بنا پر علماء دیوبند نے مودودی صاحب کو توہین خدا اور رسول کا مجرم گردانا ہے۔ اسی طرح اس عبارت کے مقابلے میں تین عبارتیں اکابر علماء دیوبند کی بھی بلا تشریح پیش کرتے ہیں جن سے علماء اہل سنت نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی توہین سمجھی ہے اور یہ فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں کہ مفہوم توہین میں کس کی عبارت زیادہ واضح اور صریح ہے۔

مودودی صاحب کی وہ عبارت جس سے علماء دیوبند نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی توہین اخذ کر کے مودودی صاحب پر خدا اور رسول کی توہین کا الزام عائد کیا ہے

”حضور کو اپنے زمانے میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانے میں ظاہر ہو لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔ اب ان چیزوں کو اس طرح نقل و روایت کئے جانا کہ گویا یہ بھی اسلامی عقائد ہیں نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی ہے اور نہ اسے حدیث ہی کا صحیح مفہوم کہا جاسکتا ہے جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔ اس قسم کے معاملات میں نبی کے قیاس و گمان کا درست نہ نکلنا ہرگز منصب نبوت پر طعن کا موجب نہیں ہے۔“ (ماخوذ از ترجمان القرآن)

رسالہ ”حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب“ مؤلفہ مولوی احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین دروازہ

اب ملاحظہ ہوں اکابر علماء دیوبند کی وہ عبارات جن سے علماء اہل سنت نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی توہین سمجھ کر ان پر توہین خدا اور رسول کا حکم لگایا ہے

- ۱۔ ”اور انسان خود مختار ہے اچھے کام کریں یا نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کو پہلے سے کوئی علم بھی نہیں ہوتا کہ کیا کریں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کو ان کے کرنے کے بعد معلوم ہوگا اور آیات قرآنی جیسا کہ ”وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ“ وغیرہ بھی اور احادیث کے الفاظ اس مذہب پر منطبق ہیں۔“
 - ۲۔ ”پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں۔ ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضروری نہیں۔“
- (تصفیۃ العقائد ص ۲۵ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی)

- ۳۔ ”بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شان نبوت بایں معنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں خالی غلطی سے نہیں۔“ (تصفیۃ العقائد ص ۲۸ مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند)

مودودی صاحب اور علماء دیوبند دونوں کی اصل عبارات بلا کم و کاست آپ کے سامنے موجود ہیں۔ اگر آپ نے خوفِ خدا کو دل میں جگہ دے کر پوری دیانت داری سے بنظر انصاف غور فرمایا تو آپ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ مودودی صاحب کی عبارت کے مقابلہ میں علماء دیوبند کی عبارت مفہوم توہین میں زیادہ صریح ہیں۔

دیوبندی حضرات کا علماء اہل سنت پر ایک اعتراض اور دیوبندی علم کی تحریر سے اس کا جواب

دیوبندی حضرات علماء اہل سنت پر اعتراض کرتے ہیں کہ علماء دیوبند پر اعتراض کرنے والے ان کی عبارتوں کے سیاق و سباق کو نہیں دیکھتے۔ جو فقرہ قابل اعتراض ہوتا ہے فقط اس کو پکڑ لیتے ہیں اور صرف اسی فقرہ کے باعث علماء دیوبند پر طعن و تشنیع شروع کر دیتے ہیں۔

برادرانِ اسلام! سیاق و سباق سے دیوبندی حضرات کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اگلی پچھلی عبارتوں کو دیکھ کر پھر اعتراض ہو تو کرنا چاہئے۔ جواباً عرض ہے۔ مودودی صاحب پر اعتراض کرنے والے دیوبندیوں پر بعینہ یہی اعتراض انہیں الفاظ میں مودودیوں کی طرف سے آپ کے مولوی احمد علی صاحب دیوبندی نے اپنے رسالہ ”حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب“ کے صفحہ ۸۰ پر نقل کیا ہے اور اس کا جواب بھی اسی صفحہ پر دیا ہے۔ ہم بعینہ وہی جواب نقل کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے

”اگر دس سیر دودھ کسی کھلے منہ والے دیگچے میں ڈال دیا جائے اور اس دیگچے کے منہ پر ایک لکڑی رکھ کر ایک تاگہ میں خنزیر کی ایک بوٹی ایک تولہ کی اس لکڑی میں باندھ کر دودھ میں لٹکا دی جائے پھر کسی مسلمان کو اس دودھ میں سے پلایا جائے وہ کہے گا کہ میں اس دودھ سے ہرگز نہ پیوں گا کیونکہ سب حرام ہو گیا ہے۔ پلانے والا کہے گا کہ بھائی دس سیر دودھ کے آٹھ سو تو لے ہوتے ہیں آپ فقط اس

بوٹی کو کیوں دیکھتے ہیں۔ دیکھئے اس بوٹی کے آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اس کے نیچے چار انچ کی گہرائی میں دودھ ہی دودھ ہے۔ وہ مسلمان یہی کہے گا کہ یہ سارا دودھ خنزیر کی ایک بوٹی کے باعث حرام ہو گیا۔ یہی قصہ مودودی صاحب کی عبارتوں کا ہے۔ جب مسلمان مودودی صاحب کا یہ لفظ پڑھے گا کہ خانہ کعبہ کے ہر طرف جہالت اور گندگی ہے۔ اس کے بعد مودودی صاحب اس فقرہ سے توبہ کر کے اعلان نہیں کریں گے، مسلمان کبھی راضی نہیں ہوں گے جب تک خنزیر کی یہ بوٹی اس دودھ سے نہیں نکالیں گے۔ (ص ۸۰-۸۱)

پس دیوبندی حضرات یہی جواب ہماری طرف سے سمجھ لیں اور خوب یاد رکھیں کہ علماء دیوبند کی عبارات میں محبوبانِ حق تبارک و تعالیٰ کی ہزار تعریفیں ہوں مگر جب تک وہ توہین آمیز فقرہوں سے توبہ نہ کریں گے اہل سنت ان سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔

ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ بعض حضرات توہین آمیز عبارات کے صریح مفہوم کو چھپانے کے لئے علماء دیوبند کی وہ عبارات پیش کر دیتے ہیں جن میں انہوں نے توہین و تنقیص سے اپنی برات ظاہر کی ہے یا حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کے ساتھ عظمت شان نبوت کا اقرار کیا ہے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ وہ عبارات انہیں قطعاً مفید نہیں جب تک ان کی کوئی ایسی عبارت نہ دکھائی جائے کہ ہم نے فلاں مقام پر جو توہین کی تھی اب اس سے ہم رجوع کرتے ہیں۔ مثلاً مولوی محمد قاسم صاحب مافوقی نے تحذیر الناس میں خاتم النبیین کے معنی منقول متواتر آخر النبیین کو عوام کا خیال بتایا ہے۔ اب اگر ان کی دس بیس عبارتیں بھی اس مضمون کی پیش کردی جائیں کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں یا حضور ﷺ کے بعد مدعی نبوت کا فر ہے تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا تا وقتیکہ مولوی محمد قاسم صاحب کا یہ قول نہ دکھایا جائے کہ میں نے جو خاتم النبیین کے معنی منقول متواتر آخر النبیین کا انکار کیا تھا اب میں اس سے توبہ کر کے رجوع کرتا ہوں۔ دیکھئے مرزائی لوگ مرزا غلام احمد کی برات میں جو عبارتیں مرزا صاحب کی کتابوں سے پیش کیا کرتے ہیں ان کے جواب میں مولوی مرتضیٰ صاحب در بھنگی ماظم تعلیمات مدرسہ دیوبند نے بھی یہی لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اشد العذاب مطبوعہ مطبع مجتہائی جدید دہلی صفحہ ۱۵

سطر ۱۷، ۱۸

جو عبارات مرزا صاحب اور مرزائیوں کی لکھی جاتی ہیں جب تک ان مضامین سے صاف توبہ نہ دکھائیں یا توبہ نہ کریں تو ان کا کچھ اعتبار نہیں۔

دیوبندیوں کی توہین آمیز عبارات کے اظہار کی ضرورت

بعض دیوبندی حضرات کہا کرتے ہیں کہ علماء دیوبند کی ان عبارات کے اظہار و اشاعت کی کیا ضرورت ہے جن سے آپ لوگ توہین سمجھتے ہیں۔ اس زمانے میں ان عبارات کی اشاعت بلاوجہ شور و شر، فتنہ و فساد کا موجب ہے اور یہ بڑی نا انصافی ہے کہ علماء دیوبند کے ساتھ لڑائی مول لی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علماء دیوبند کی توہین عبارتوں کے اظہار کی وہی ضرورت ہے جو مولوی احمد علی صاحب کو مودودیوں کا پول کھولنے کے لئے پیش آئی کہ علماء دیوبند نے تمام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف اللہ تعالیٰ اور انبیاء و اولیاء کی مقدس شان میں وہ شدید اور ناقابل برداشت حملے کئے ہیں جنہیں کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ مولوی احمد علی صاحب اس

ضرورت کو حسب ذیل عبارت میں بیان فرماتے ہیں

”کیا جب ڈاکو کسی کے گھر میں گھس آئے تو گھر والا ڈاکو سے مقابلہ کر کے اپنا مال اور اپنی جان نہ بچائے اور اگر مال اور جان بچانے کے لئے ڈاکو سے مقابلہ کرے تو پھر یہ کہنا صحیح ہے کہ گھر والا بڑا ہی بے انصاف ہے کہ ڈاکو سے لڑ رہا ہے۔“ (رسالہ مذکور مولوی احمد علی صاحب ص ۸۴)

علماء دیوبند کی تہذیب کا ایک مختصر نمونہ

دیوبندی حضرات عام طور پر کہتے ہیں کہ بریلوی مولوی علماء دیوبند کو گالیاں دیا کرتے ہیں۔ اس الزام کی حقیقت تو ہمارے اسی رسالہ سے منکشف ہو جائے گی اور ہمارے ناظرین کرام پر روشن ہو جائے کہ جس شائستگی اور تہذیب سے ہم نے علماء دیوبند کے خلاف یہ رسالہ لکھا ہے اس کی مثال ہمارے مخالفین کی ایک کتاب سے بھی پیش نہیں کی جاسکتی لیکن حرید وضاحت کے لئے بطور نمونہ ہم مولوی حسین احمد صاحب مدرس مدرسہ دیوبند کی کتاب ”الشہاب الثاقب“ سے چند وہ عبارات پیش کرتے ہیں جن میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کو شدید ترین قسم کی دلا زار گالیاں دی گئی ہیں۔ ان عبارات کو پڑھ کر ہمارے ناظرین کرام علماء اہل سنت اور فضلاء دیوبند کی تہذیب کا مقابلہ کر لیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ پھر تعجب ہے کہ مجدد بریلوی آنکھوں میں دھول ڈال رہا ہے اور کذب خالص مشہور کر رہا ہے۔ ”لعنة الله تعالى في الدارين۔“ امین۔ یعنی لعنت کرے اللہ تعالیٰ اس (مجدد بریلوی) پر دونوں جہانوں میں“ (الشہاب الثاقب ص ۸۱)

۲۔ ”آپ حضرات ذرا انصاف فرمائیں اور اس بریلوی دجال سے دریافت کریں۔“ (الشہاب الثاقب ص ۸۶)

۳۔ ”مجدد الضالین فرماتے ہیں۔“

۴۔ ”ہم آگے چل کر صاف طور پر ظاہر کر دیں گے کہ دجال بریلوی نے یہاں پر محض بے سمجھی اور بے عقلی سے کام لیا ہے۔“ (ص ۹۵)

۵۔ ”اس کے بعد مجدد الضالین علیہ ما علیہ الخ“ (ص ۱۰۳)

۶۔ ”سلب اللہ ایمانک وسود وجهک فی الدارين وعاقبک بما عاقب بہ ابا جہل و عبد اللہ بن ابی یا رئیس المبتدعین۔ امین“ یعنی اے بدعتیوں کے سردار (مجدد بریلوی) سلب کرے اللہ تعالیٰ تیرا ایمان اور دونوں جہان میں تیرا منہ کالا کرے اور تجھے وہی عذاب دے جو ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی کو دیا تھا۔ امین“ (ص ۱۰۵)

۷۔ ”مگر تہذیب علم کو لفظ مجدد بریلوی کے شایان شان قلم سے نہیں نکلندیتی۔“ (ص ۱۰۵)

۸۔ ”فسود اللہ وجهہ فی الدارين واسكنہ بحبوحۃ الدرك الاسفل من النار مع اعداء سید الکونین علیہ الصلوۃ والسلام۔ امین یا رب العلمین۔“ (ص ۱۱۹) یعنی اللہ تعالیٰ اس (مجدد بریلوی) کا دونوں جہان میں منہ کالا کرے اور

اسے حضور کے دشمنوں کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے گڑھے میں رکھے۔

۹۔ ”یہ سب تکفیریں اور لعنتیں بریلوی اور اس کے اتباع کی طرف لوٹ کر قبر میں ان کے واسطے عذاب اور بوقت خاتمہ ان کے لئے موجب خروج ایمان و ازالہ تصدیق و ایقان ہوں گی اور قیامت میں ان کے جملہ قابعین کے واسطے اس کی موجب ہوں گی کہ ملائکہ حضور ﷺ سے کہیں گے ”اِنَّكَ لَا تَذَرِنِي مَا اَخَذْتُوْا بَعْدَكَ“ اور رسول مقبول ﷺ دجال بریلوی اور ان کے اتباع کو تھکا تھکا فرما کر اپنے حوض مورد و شفاعت محمود سے کتوں سے بدتر کر کے دھتکار دیں گے اور امت مرحومہ کے اجر و ثواب و منازل و نعیم سے محروم کئے جاویں گے۔“

”سود الله وجوههم في الدارين وجعل قلوبهم قاسية فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم.“ (الشہاب الثاقب ص ۱۲۰) یعنی ان بریلویوں کا منہ دونوں جہان میں کالا کرے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تو وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔

ان تمام بددعاؤں اور گالیوں کے جواب میں صرف اتنا عرض ہے کہ الحمد للہ! اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تو ہرگز اس بدگوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ البتہ مقتضائے حدیث اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی مقدس ہستی کے حق میں ایسے ناپاک کلمے بولنے والا ان شاء اللہ دنیا اور آخرت میں اپنے کلمے کا خود مصداق بنے گا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو علماء دیوبند کی عبارت پر علماء حرمین طہیین سے کفر کے فتوے حاصل کر کے ”حسام الحرمین“ میں شائع کئے اس کے جواب میں علماء دیوبند نے ”حسام الحرمین“ کے خلاف تائید میں علماء حرمین طہیین کے فتوے ”المہند“ میں چھاپے اور تمام ملک میں اس کی اشاعت کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے علماء دیوبند کی عبارت کو توڑ مروڑ کر غلط عقائد ان کی طرف منسوب کئے تھے۔ جب علماء دیوبند کی اصل عبارت اور ان کے اصلی عقائد سامنے آئے تو علماء حرمین طہیین نے ان کی تصدیق و تائید فرمادی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام قطعاً بے بنیاد ہے کہ انہوں نے دیوبندیوں کی عبارتوں میں رد و بدل کیا ہے یا غلط عقائد ان کی طرف منسوب کئے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حساب الحرمین کے شائع ہونے کے بعد دیوبندی حضرات نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنی عبارتوں کی خود قطع و برید کی اور اپنے اصل عقائد چھپا کر علمائے عرب و عجم کے سامنے اہل سنت کے عقیدے ظاہر کئے جس پر علمائے دین نے تصدیق فرمائی چونکہ اس مختصر رسالہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں اس لئے صرف ایک دلیل اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتا ہوں ملاحظہ کیجئے۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بارے میں دیوبندیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ اس کے عقائد بھی عمدہ تھے۔ دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۵۱ پر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے لکھا کہ

”محمد بن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے۔ مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے حراج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر ہاں جوحد سے بڑھ گئے ہیں ان میں فساد آ گیا اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا ہے۔“ (رشید احمد گنگوہی)

ناظرین کرام نے فتاویٰ رشیدیہ کی اس عبارت سے معلوم کر لیا ہو گا کہ دیوبندیوں کے مذہب میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کے عقائد عمدہ تھے اور اچھا آدمی تھا لیکن جب علماء حرمین طہیین نے دیوبندیوں سے سوال کیا کہ بتاؤ محمد بن عبد الوہاب کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ کیسا آدمی تھا؟ تو حیلہ سازی سے کام لے کر اپنا مذہب چھپا لیا اور لکھ دیا ”ہم اسے خارجی اور باغی سمجھتے ہیں۔“ (ملاحظہ ہو المہند ص ۱۹، ۲۰)

ہمارے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے۔ اس کے چند سطر بعد مرقوم ہے کہ علامہ شامی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبد الوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر غلبہ ہوئے۔ اپنے کو حنبلی مذہب بتاتے تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ مشرک ہے اور اسی بناء پر انہوں نے اہل سنت اور علماء اہل سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی۔ (انہی)

دیکھئے یہاں اپنے مذہب کو کیسے چھپایا اور فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت کو صاف ہضم کر گئے۔ یہ تو ایک نمونہ تھا۔ تمام کتاب یہی حال ہے کہ جان بچانے کے لئے اپنے مذہب پر پردہ ڈال دیا۔ اپنی عبارات کو بھی چھپا دیا۔ اب ناظرین کرام خود فیصلہ فرمائیں کہ خیانت کرنے والا کون ہے؟

آخری سہارا

اس بحث میں ہمارے مخالفین (حضرات علماء دیوبند) کا ایک آخری سہارا یہ ہے کہ بہت سے اکابر علماء کرام و مشائخ عظام نے علماء دیوبند کی تکفیر نہیں کی۔ جیسے سند ال محمدین حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی رام پوری رحمۃ اللہ علیہ اور قبلہ عالم حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گوڑوی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح بعض دیگر اکابر امت کی کوئی تحریر ثبوت تکفیر میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ تکفیر نہ کرنے والے حضرات میں بعض حضرات تو وہ ہیں جن کے زمانے میں علماء دیوبند کی عبارات کفریہ (جن میں التزام کفر متیقن ہو) موجود ہی نہ تھیں۔ جیسے مولانا ارشاد حسین صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ ایسی صورت میں تکفیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور بعض وہ حضرات ہیں جن کے زمانے میں اگرچہ وہ عبارات شائع ہو چکی تھیں مگر ان کی نظر سے نہیں گزریں اس لئے انہوں نے تکفیر نہیں فرمائی۔ ہمارے مخالفین میں سے آج تک کوئی شخص اس امر کا ثبوت پیش نہیں کر سکتا کہ فلاں مسلم بن الفریقین بزرگ کے سامنے علماء دیوبند کی عبارات متنازعہ فیہا پیش کی گئیں اور انہوں نے ان کو صحیح قرار دیا یا تکفیر سے سکوت فرمایا۔ علاوہ ازیں یہ کہ جن اکابر امت مسلم بن الفریقین کی عدم تکفیر کو اپنی برات کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے تکفیر فرمائی ہو اور وہ منقول نہ ہوئی ہو کیونکہ یہ

ضروری نہیں کہ کسی کی کہی ہوئی ہر بات منقول ہو جائے۔ لہذا تکفیر کے باوجود عدم نقل کے احتمال نے اس آخری سہارے کو بھی ختم کر دیا ہے۔ واللہ الحمد!

ایک تازہ شبہ کا ازالہ

ایک مہربان نے تازہ شبہ یہ پیش کیا ہے کہ کسی کو کافر کہنے سے ہمیں گے رکعت کا ثواب ملے گا۔ ہم خواہ مخواہ میں کسی کو کافر کیوں کہیں۔ تو جین آمیز عبارات لکھنے والے مر گئے۔ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حدیث شریف میں وارد ہے ”أَذْكُرُوا مَوْتَكُمْ بِالْخَيْرِ“ تم اپنے مردوں کو خیر کے ساتھ یاد کرو۔“

پھر یہ بھی ممکن ہے کہ مرتے وقت انہوں نے توبہ کر لی ہو۔ حدیث شریف میں ہے ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنَّوَائِظِ“ ”عمل کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔“ ہمیں کیا معلوم کہ ان کا خاتمہ کیسا ہوا؟ شاید ایمان پر ان کی موت واقع ہوئی ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کفر و اسلام میں امتیاز کرنا ضروریاتِ دین سے ہے۔ آپ کسی کافر کو عمر بھر کافر نہ کہیں۔ مگر جب ان کا کفر سامنے آ جائے تو بر بنائے کفر اسے کافر نہ ماننا خود کفر میں مبتلا ہونا ہے۔ بے شک اپنے مردوں کو خیر سے یاد کرنا چاہئے مگر توبہ کرنے والوں کو مومن اپنا نہیں سمجھتا۔ نہ وہ واقع میں اپنے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مضمون حدیث کو ان سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ خاتمہ پر اعمال کا دار و مدار ہے۔ مگر یاد رکھئے دم آخر کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کا مآل بھی اس کی طرف مفوض ہے۔ احکام شرع ہمیشہ ظاہر پر مرتب ہوتے ہیں اس لئے جب کسی شخص نے معاذ اللہ علانیہ طور پر التزام کفر کر لیا تو وہ حکم شرعی کی رو سے قطعاً کافر ہے تا وقتیکہ توبہ نہ کرے۔ اگر کوئی مسلمان ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتا تو کفر و اسلام کو معاذ اللہ یکساں سمجھنا کفر قطعی ہے۔ لہذا کافر کو کافر نہ ماننے والا یقیناً کافر ہے اور اگر بفرض محال ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرنے والوں کو کافر نہ کہنا چاہئے اس لئے کہ شاید انہوں نے توبہ کر لی ہو اور ان کا خاتمہ بالخیر ہو گیا ہو تو اسی دلیل سے مرزائیوں کو کافر کہنے سے بھی ہمیں زبان روکنی پڑے گی کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے قبعین سب کے لئے یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ شاید ان کا خاتمہ بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان پر مقدر فرما دیا ہو تو ہم انہیں کس طرح کافر کہیں لیکن ظاہر ہے کہ مرزائیوں کے بارے میں یہ احتمال کارآمد نہیں تو گستاخانِ نبوت کے حق میں کیونکر مفید ہو سکتا ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ توبہ جین آمیز عبارات پر سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور بسا اوقات مجبور ہو کر اقرار کر لیتے ہیں کہ واقعی ان عبارات میں حضور ﷺ کی توبہ جین ہے لیکن جب ان عبارات کے قائلین کا سوال سامنے آتا ہے تو ساکت اور متامل ہو جاتے ہیں اور اپنی استادی، شاگردی، پیری، مریدی یا رشتہ داری و دیگر تعلقات دنیوی خصوصاً کاروباری، تجارتی نفع و نقصان کے پیش نظر ان کو

چھوڑنا، ان کے کفر کا انکار کرنا ہرگز گوارہ نہیں کرتے۔ ان کی خدمت میں مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں کو ٹھنڈے دل سے ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَوَلَّيْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ.“ (توبہ : ۲۳) ”اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں تو ان کو اپنا رفیق نہ بناؤ اور جو تم میں سے ایسے باپ بھائیوں کے ساتھ دوستی کا برتاؤ رکھے گا تو یہی لوگ ہیں جو خدا کے نزدیک ظالم ہیں۔“

”قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ نَّاقَتْ فَتُمُوهُنَّ وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تُرَضُّونَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ.“ (توبہ : ۲۴) ”اے نبی ﷺ! آپ مسلمانوں سے فرمادیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سودا گری جس کے مفدا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو اور مکانات جن میں تم رہنے کو پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو ذرا صبر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے حکم کو لے آئے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔“

ان دونوں آیتوں کا مطلب واضح ہے کہ عقیدے اور ایمان کے معاملے میں اور نیکی کے کاموں میں بسا اوقات خویش و اقارب کنبہ اور برادری محبت اور دوستی کے تعلقات حائل ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں کو ایمان سے زیادہ کفر عزیز ہے ایک مومن انہی کی کس طرح عزیز رکھ سکتا ہے۔ مسلمان کی شان نہیں کہ ایسے لوگوں سے رفاقت اور دوستی کا دم بھرے۔ خدا اور رسول کے دشمنوں سے تعلقات استوار کرنا یقیناً گنہگار بننا اور اپنی جانوں پر ظلم کرنا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ اور اعلا کلمۃ الحق ہے اگر یہ خیال مانع ہو کہ کنبہ اور برادری چھوٹ جائے گی۔ استاد یا شاگرد یا دنیاوی تعلقات میں خلل واقع ہو گا۔ اموال تلف ہوں گے یا تجارت میں نقصان ہو گا۔ راحت اور آرام کے امکانات سے نکل کر بے آرام ہونا پڑے گا تو پھر ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے عذاب کے حکم کا منتظر رہنا چاہئے جو اس نفس پرستی، دنیا طلبی اور تن آسانی کی وجہ سے ان پر آنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس واضح اور روشن ارشاد کو سننے کے بعد کوئی مومن کسی دشمن رسول سے ایک آن کے لئے بھی اپنا تعلق برقرار نہیں رکھ سکتا۔ نہ اس کے دل میں حضور ﷺ کی توہین کرنے والوں کے کافر ہونے کے متعلق کوئی شک باقی رہ سکتا ہے۔

حرف آخر

دیوبندی مبلغین و مناظرین اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم خیال علماء کی بعض عبارات بزم خود کا بل اعتراض قرار دے کر پیش کیا کرتے ہیں۔

اس کے متعلق سر دست اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر فی الواقع علماء اہل سنت کی کتابوں میں کوئی توہین آمیز عبارت ہوتی تو علماء دیوبند پر فرض تھا کہ وہ ان علماء کی تکفیر کرتے جیسا کہ علماء اہل سنت نے علماء دیوبند کی عبارات کفریہ کی وجہ سے تکفیر فرمائی لیکن امر واقع یہ ہے کہ دیوبندیوں کا کوئی عالم آج تک اعلیٰ حضرت یا ان کے ہم خیال علماء کی کسی عبارت کی وجہ سے تکفیر نہ کر سکا نہ کسی شرعی قباحت کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دے سکا۔ دیکھئے دیوبندیوں کی کتاب قصص الاکابر ملفوظات مولوی اشرف علی صاحب تھانوی شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ ص ۹۹، ۱۰۰ پر ہے

ایک شخص نے پوچھا کہ ہم بریلی والوں کے پیچھے نماز پڑھیں تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ فرمایا (حضرت حکیم الامت مدظلہ نے) ہاں ہم ان کو کافر نہیں کہتے۔ ہم بریلی والوں کو اہل ہوا کہتے ہیں، اہل ہوا کافر نہیں۔

اس سلسلے میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا ایک اور حریدار ملفوظ ملاحظہ فرمائیے۔ الافاضات الیومیہ جلد پنجم مطبوعہ اشرف المطابع تھانہ بھون ص ۲۴۰ پر ملفوظ نمبر ۲۲۵ میں مرقوم ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دیوبند کا بڑا جلسہ ہوا تھا تو اس میں ایک رئیس صاحب نے کوشش کی تھی کہ دیوبندیوں میں اور بریلیوں میں صلح ہو جائے۔ میں نے کہا ہماری طرف سے کوئی جنگ نہیں۔ وہ نماز پڑھاتے ہیں تو ہم پڑھ لیتے ہیں۔ ہم پڑھاتے ہیں وہ نہیں پڑھتے تو ان کو آمادہ کرو (حرفاً فرمایا کہ ان سے کہو کہ آمادہ! نہ آگیا) ہم سے کیا کہتے ہو۔

اس عبارت سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ علماء اہل سنت (جنہیں بریلی کا جاتا ہے) دیوبندیوں کے نزدیک مسلمان ہیں اور ان کا دامن ہر قسم کے کفر و شرک سے پاک ہے۔ حتیٰ کہ دیوبندیوں کی نماز ان کے پیچھے جائز ہے۔ عبارت منقولہ بالا سے جہاں اصل مسئلہ ثابت ہوا وہاں علماء دیوبند کے مجدد اعظم حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب کی تہذیب اور مخصوص ذہنیت کا نقشہ بھی سامنے آ گیا۔ جس کا آئیندار مولوی اشرف علی صاحب کے ملفوظ کا یہ جملہ ہے کہ

ان (بریلیوں) سے کہو کہ آمادہ، نہ آگیا۔

دیوبندی حضرات کو چاہئے کہ اس جملہ کو بار بار پڑھیں اور اپنے عارف ملت و حکیم کے ذوق حکمت و معرفت سے کیف اندوز ہو کر اس کی داد دیں۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے ملفوظ منقول الصدر سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ بعض اعمال عقائد مختلف فیہا کی بنا پر مفتیان دیوبند کا اہل سنت (بریلیوں) کو کافر و مشرک قرار دینا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز یا مکروہ کہنا قطعاً غلط باطل محض اور بلا دلیل ہے۔ صرف بغض و عناد اور تعصب کی وجہ سے انہیں کافر و مشرک کہا جاتا ہے۔ ورنہ درحقیقت اہل سنت (بریلی) حضرات کے عقائد و اعمال میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر انہیں کافر و مشرک قرار دیا جاسکے یا ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ کہا جاسکے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ چند امور جو ہم نے پہلے بیان کئے ہیں ان شاء اللہ العزیز آئندہ چل کر ہمارے ناظرین کرام کے لئے مشعل راہ

ثابت ہوں گے۔

حق و باطل میں امتیاز

اب آئندہ صفحات میں دیوبندی حضرات اور اہل سنت کا مسلک ملاحظہ فرما کر حق و باطل میں امتیاز کیجئے۔

۱۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی حضرات کے مقتداء مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے شاگرد رشید مولوی حسین علی صاحب ساکن واں پھر اں ضلع میانوالی اور ان کے شاگرد بعض دیگر علماء دیوبند کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے کاموں کا علم پہلے سے نہیں ہوتا بلکہ بندوں کے کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو ان کے کاموں کا علم ہوتا ہے۔ دیکھئے مولوی حسین علی صاحب اپنی تفسیر بلغۃ الخیر ان (۱) مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور بار اول صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸ پر ارقام فرماتے ہیں

☆ ”اور انسان خود مختار ہے، اچھے کام کریں یا نہ کریں۔“

اور اللہ کو پہلے اس سے کوئی علم بھی نہیں ہوتا کہ کیا کریں گے بلکہ اللہ کو ان کے کرنے کے بعد معلوم ہوگا اور آیات قرآنی جیسا کہ ”وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ“ وغیرہ بھی اور احادیث کے الفاظ بھی اس مذہب پر منطبق ہیں۔

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک علم الہی کا منکر خارج از اسلام ہے۔ دیکھئے شرح فقہ اکبر ص ۲۰۱ ”من اعتقد ان الله لا يعلم الاشياء قبل وقوعها فهو كافر وان عد قائله من اهل البدعة.“ ”جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس کے واقع ہونے سے پہلے نہیں جانتا وہ کافر ہے۔ اگرچہ اس کا قائل اہل بدعت سے شمار کیا گیا ہو۔“

آیہ کریمہ ”وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ“ اور اس قسم کی دیگر آیات و احادیث میں مجاہدین و غیر مجاہدین اور مومنین و منافقین کا امتیاز باہمی مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو مومنین سے غیر مجاہدین کو مجاہدین سے ابھی تک جدا نہیں کیا آئندہ (علم الہی کے مطابق) انہیں الگ کر دیا جائے گا۔ یہاں ”علم“ سے تمیز مراد ہے۔ ”فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ بِمَنْزِلَةٍ فَلْيَمِيزَ اللَّهُ“ کے ہے جسے اللہ تعالیٰ کے قول ”لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ“ میں خبیث کا طیب سے جدا ہونا منصوص ہے۔ ایسے ہی ان آیات میں (جنہیں مولوی حسین علی نے نفی علم الہی کی دلیل سمجھا ہے) مومنین و منافقین اور مجاہدین و غیر مجاہدین کا ایک دوسرے سے الگ ہونا مذکور ہے۔ دیکھئے بخاری شریف جلد ثانی صفحہ ۳۰۰ پر مرقوم ہے ”فليعلمن الله علم الله ذلك انما هي بمنزلة فليميز الله كقوله ليميز الله الخبيث“ انتہی۔

یہ مطلب ہر گز نہیں کہ معاذ اللہ خدائے علیم و کبیر کو ان کا علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو جانتا ہے۔

۲۔ دیوبندیوں کا مذہب

علماء دیوبند اللہ تعالیٰ کے حق میں کذب کے قائل ہیں۔ دیکھئے ضمیمہ براہین قاطعہ مطبوعہ ساڈھورہ ص ۲۷۲ ”الحاصل امکان کذب

سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔“

اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں ”پس مذہب جمیع محققین اہل اسلام و صوفیائے کرام و علمائے عظام کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کہتے ہیں کہ کذب کے تحت قدرت باری تعالیٰ ہونے سے بندوں کے جھوٹ کی تخلیق اور اس کے باقی رکھنے یا نہ رکھنے پر قدرت خداوندی کا ہونا مراد ہے یا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود صفت کذب سے متصف ہو سکتا ہے۔ اگر پہلی شق مراد ہے تو اس میں آج تک کسی سنی نے اختلاف نہیں کیا۔ پھر یہ کہنا کہ امکان کذب کے مسئلہ میں شروع سے اختلاف رہا ہے باطل محض اور جہالت و ضلالت ہے اور اگر دوسری شق مراد ہو تو اس سے بڑھ کر شان الوہیت میں کیا گستاخی ہو سکتی ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کے متصف بالکذب ہونے کو ممکن قرار دیا جائے۔ اہل سنت کے نزدیک ایسا عقیدہ کفر خالص ہے۔ اعاذنا اللہ منها۔

۲۔ دیوبندیوں کا مذہب

کبراء علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم نے کفار کو فصاحت و بلاغت سے عاجز نہیں کیا تھا اور فصاحت و بلاغت سے عاجز کرنا علماء دیوبند کے نزدیک کوئی کمال بھی نہیں۔ چنانچہ مولوی حسین علی صاحب تلمیذ رشید احمد صاحب گنگوہی اپنی کتاب بلغۃ الحیران مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور (طبع اول) میں صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں ”یہ خیال کرنا چاہئے کہ کفار کو عاجز کرنا کوئی فصاحت اور بلاغت سے نہ تھا کیونکہ قرآن خاص واسطے کفار فصحاء بلغاء کے نہیں آیا تھا اور یہ کمال بھی نہیں۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم نے یقیناً اپنی فصاحت و بلاغت سے کفار فصحاء عرب کو عاجز کیا تھا اور قرآن کی یہ شانِ اعجاز قیامت تک باقی رہے گی۔ جو شخص اس اعجازِ قرآنی کا منکر ہے اور قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو کمال نہیں سمجھتا وہ دشمن قرآنِ مجید و بے دین خارج از اسلام ہے۔

۴۔ دیوبندیوں کا مذہب

علماء دیوبند کے نزدیک شیطان اور ملک الموت کا علم رسول اللہ ﷺ کے علم سے زیادہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کے لئے محیط زمین کی وسعت علم دلیل شرعی سے ثابت ہے اور فخر عالم ﷺ کے لئے اس علم کا ثابت کرنا شرک ہے۔ دیکھئے براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب انیسٹھوی و صدقہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ص ۵۵۔

الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر و عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرنا ہے۔

اسی براہین قاطعہ کے ص ۵۶ پر ہے ”اعلیٰ علیہن میں روح مبارک علیہ السلام کی تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے شیطان کے لئے محیط زمین کا علم ثابت کرنا اور حضور ﷺ کی ذات اقدس سے اس کی نفی کرنا بارگاہ رسالت کی سخت توہین ہے۔

اہل سنت کے نزدیک شیطان و ملک الموت کے محیط زمین کے علم پر قرآن وحدیث میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی جو شخص نص کا دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن وحدیث پر نہایت ہی ناپاک بہتان باندھتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے علم کو نصوص قطعیہ کے خلاف کہنا بھی قرآن وحدیث پر افتراء عظیم ہے۔ قرآن وحدیث میں کوئی ایسی نص وارد نہیں ہوئی جس سے رسول اللہ ﷺ کے حق میں محیط زمین کے علم کی نفی ہوتی ہو بلکہ قرآن وحدیث کے بے شمار نصوص سے رسول اللہ ﷺ کے لئے ہر چیز کا علم ثابت ہے۔

اہل سنت کا مسلک ہے کہ کسی مخلوق کے مقابلے حضور ﷺ کیلئے علم کی کمی ثابت کرنا حضور کی شان اقدس میں بدترین گستاخی ہے۔

۵۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی حضرات کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نہ اپنی عاقبت کا عمل ہے نہ دیوار کے پیچھے حضور جانتے ہیں۔ اسی براہین قاطعہ کے ص ۵۵ ہے

خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں، ”واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم“ اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ ”مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف اپنی ہی نہیں بلکہ تمام مومنین و کفار کی بھی عاقبت کا حال جانتے ہیں اور زمین و آسمان کا کوئی گوشہ نگاہ رسالت سے مخفی نہیں۔

”واللہ لا ادری“ والی حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے اپنے اور دوسروں کے انجام کار سے لاعلم ہونے پر استدلال کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ کیا قرآن کریم میں حضور ﷺ کے لئے ”عَسَىٰ اَنْ يَّعْطَاكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا“ اور ”وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰٓئِ“ وارد نہیں ہوا۔ کیا مومنین کے حق میں ”لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا۔“ (الایۃ) قرآن مجید میں موجود نہیں؟

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حضور کے علم کی نفی کس بنا پر کی جاتی ہے۔ حدیث ”لا ادری“ کے معنی صرف یہ ہیں کہ میں بغیر تعلیم خداوندی کے محض اٹکل سے نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ وہی حدیث جو بحوالہ روایت شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیش کی

گئی ہے اس کے متعلق پہلے تو یہ عرض ہے کہ شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اگر اس حدیث کو لکھا ہے تو وہ بطور نقل و حکایت کے تحریر فرمایا ہے اس کو روایت کہنا اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ”مدارج النبوة“ میں اس روایت کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

”جوابش آنست کہ ایں سخن اصلے ندارد و روایتی بدار صحیح نعدہ“

ایسی بے اصل روایتوں سے حضور ﷺ کے کمالات علمی کا انکار کرنا اہل سنت کے نزدیک بدترین جہالت و ضلالت ہے۔

۶۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی مولوی صاحبان کے مقتداء مولوی اشرف علی صاحب تھانوی رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کو زید و عمر، بچوں، پاگلوں بلکہ تمام حیوانوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دیتا۔ ملاحظہ فرمائیے حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی ص ۸

”پھر یہ کتاب کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید و صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اسم میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر کو بلکہ ہر مہی و مہجون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کا علم تمام کائنات کے علم سے ممتاز ہے اور اس قسم کی تشبیہ شان نبوت کی شدید ترین توہین و تنقیص ہے۔

۷۔ دیوبندیوں کا مذہب

حضرت علماء دیوبند کے نزدیک نماز میں رسول اللہ ﷺ کا خیال مبارک دل میں لانا بیل اور گدھے کے تصور میں غرق ہو جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔

دیکھئے علماء دیوبند کی مسلمہ و صدقہ کتاب ”صراطِ مستقیم“ ص ۸۶ مطبوعہ مکتبائی دہلی ”از و موسرہ زما خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے مسلک میں رسول اللہ ﷺ کا خیال مبارک تکمیل نماز کا موقوف علیہ ہے اور حضور ﷺ کی صورت کریمہ کو دل میں حاضر کرنا مقصد عبادت کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ عظمیٰ ہے اور حضور ﷺ کا خیال مبارک دل میں لانے کو گائے بیل کے تصور میں غرق ہو جانے سے بدتر کہنا حضور ﷺ کی وہ توہین شدید ہے جس کے تصور سے مومن کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اہل سنت ایسا کہنے والے جو جہنمی اور ملعون تصور کرتے ہیں۔

۸۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبند کے مقتدر علماء کے نزدیک لفظ ”رحمة للعالمین“ رسول اللہ ﷺ کی صفت خاصہ نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۰۰۔ ۳۹۹ پر تحریر فرماتے ہیں

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ لفظ رحمة للعالمین مخصوص آنحضرت ﷺ سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں؟

الجواب: لفظ رحمة للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے۔

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک رحمة للعالمین خاص رسول اللہ ﷺ کا وصف جمیل ہے۔ اس میں کسی دوسرے کو شرک کرنا حضور ﷺ کی شان کو گھٹانا ہے۔

۹۔ دیوبندیوں کا مذہب

علماء دیوبند کے نزدیک قرآن کریم میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی مراد لینا عوام کا خیال ہے۔ ملاحظہ فرمائیے تحذیر الناس ص ۳ مصنف مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند

”بعد حمد و صلوة کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تا کہ فہم جواب میں کچھ وقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ”وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ خاتم النبیین وارد ہوا ہے اس کے معنی منقول متواتر آخر النبیین ہی ہیں۔ جو شخص اس کو عوام کا خیال قرار دیتا ہے وہ قرآن کریم کے معنی منقول متواتر کا منکر ہے۔

۱۰۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اگر بالفرض زمانہ نبوی ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی حضور کی خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ دیکھئے اسی تحذیر الناس کے صفحہ ۲۸ پر مرقوم ہے ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اگر بالفرض محال بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں ضرور فرق آئے گا۔ جیسا کہ بالفرض محال دوسرا الہ پایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی توحید میں ضرور فرق آئے گا۔ جو شخص اس فرق کا منکر ہے وہ نہ تو حید باری کو سمجھنا نہ ختم نبوت

۱۱۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کو اردو زبان کا علم اس وقت ہوا جب حضور کا معاملہ علماء دیوبند سے ہو گیا۔ اس سے پہلے حضور اردو زبان نہ جانتے تھے۔ دیکھئے براہین قاطعہ میں مولوی خلیل احمد صاحب ایٹھوی ص ۳۰ پر لکھتے ہیں

”مدرسہ دیوبند کی عظمت حق تعالیٰ کی درگاہ میں بہت ہے کہ صد ہا عالم یہاں سے پڑھ کر گئے اور خلق کثیر کو ظلمات و ضلالت سے نکالا۔ یہی سبب ہے کہ ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں شرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی، آپ تو عربی ہیں۔ فرمایا کہ جب سے علماء مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آگئی۔ سبحان اللہ! اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ اول امر سے ہر زبان کے عالم ہیں۔ جو شخص حضور کے لئے کسی زبان کے علم کو اس اہل زبان سے معاملہ ہونے کے بعد ثابت کرے اور اس کا مسلک یہ ہو کہ حضور کو یہ زبان اس وقت آگئی جب اس زبان والوں سے حضور کا معاملہ ہوا یعنی اس سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس زبان کے عالم نہ تھے، وہ شخص کمالات رسالت کو مجروح کر رہا ہے۔

۱۲۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی حضرات کو ایسی خواہیں نظر آتی ہیں جن میں وہ (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کو گرنا ہوا دیکھتے ہیں اور پھر حضور کو گرنے سے روکتے اور بچاتے ہیں۔ دلیل کے طور پر مولوی حسین علی صاحب شاگرد رشدی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا ارشاد بلغۃ البحران ص ۸ پر دیکھئے ”ورایت انه یسط فامسکتہ واعصمتہ من السقوط۔“ اور میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حضور گر رہے ہیں تو میں نے حضور کو روکا اور گرنے سے بچا لیا۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا مسلک ہے کہ ذات جناب رسالت مآب ﷺ کو خواب میں دیکھ کر حضور ﷺ کے علاوہ کوئی دوسری چیز مراد نہیں لی جا سکتی۔ جس نے حضور کو دیکھا اس نے لاریب حضور ﷺ ہی کو دیکھا۔ ایسی صورت میں جو شخص یہ کہے کہ (معاذ اللہ) میں نے گرنا ہوا دیکھ کر حضور ﷺ کو گرنے سے بچا لیا وہ بارگاہ رسالت میں دریدہ دہن نہایت گستاخ ہے۔

۱۳۔ دیوبندیوں کا مذہب

علماء دیوبند کے مقتداء مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے نہ صرف خواب بلکہ بیداری کی حالت میں بھی ”لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ“ اور ”اللہم صل علی سیدنا ونبینا ومولانا اشرف علی“ پڑھنے کو اپنے قبیح سنت ہونے کا اشارہ نبی قرار دے کر پڑھنے والے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ دیکھئے روئیداد مناظرہ ”گیا“ الفرقان جلد ۳ ص ۱۲ کے صفحہ ۷۵ پر دیوبندی

حضرات کے مابینا ز مناظر مولوی منظور احمد صاحب سنبھلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں

یہ پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے مولانا تھانوی کو ایک طویل خط لکھا ہے۔ اخیر میں اپنے خواب کا واقعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں ”کچھ عرصہ کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ حضور کا نام لیتا ہوں۔ اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی۔ کلمہ شریف کے پڑھنے میں اس کو صحیح پڑھنا چاہئے۔ اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں۔ دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جائے لیکن زبان بے ساختہ بجائے رسول اللہ ﷺ کے نام کے ”اشرف علی“ نکل جاتا ہے حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے۔ دو تین بار جب یہی صورت ہوئی تو حضور کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں اور بھی چند شخص حضور کے پاس تھے لیکن اتنے میں میری یہ حالت ہو گئی کہ میں کھڑا کھڑا بوجہ اس کے کہ وقت طاری ہو گئی، زمین پر گر گیا اور نہایت زور کے ساتھ چیخ ماری اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ میرے اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی۔ اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی اور وہ اثر نا طاقی بدستور تھا لیکن جب حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پھر خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے۔ اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے۔ بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تذکرہ میں رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں ”اللہم صل علی سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی“ حالانکہ اب بیدار ہوں خواب نہیں لیکن بے اختیار ہوں مجبور ہوں زبان اپنے قابو میں نہیں۔“

اس خط میں جو ”لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ“ اور ”اللہم صل علی سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی“ پڑھنے کا واقعہ لکھا ہوا ہے اس کے جواب میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے جو عبارت لکھی وہ ہم اسی ”رویداد مناظرہ گیا“ سے نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے ”رویداد مناظرہ گیا“ ص ۸۷۔ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ قبیح سنت ہے۔

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک ”لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ“ اور ”اللہم صل علی سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی“ کے خبیث اور ناپاک الفاظ کلمات کفر ہیں۔ خواب یا بیداری میں یہ الفاظ پڑھنا پڑھنے والے کے مغضوب الہی ہونے کی دلیل ہے۔ جو شخص بے اختیار ان کو ادا کرتا ہے وہ غلبہ شیطانی سے مغلوب ہو کر بے اختیار ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس سلب اختیار کی نسبت کرنا اور یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے اشرف علی تھانوی کے قبیح سنت ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اس اختیار کو سلب کر لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کلمات کفر یہ اس کی زبان پر جاری کرائے گئے تھے، حرید غضب الہی اور عذاب خداوندی کا موجب ہے۔

سبحنک هذا بہتان عظیم۔

اہل سنت کے نزدیک حالت مذکورہ اغوا اور اضلال شیطان سے ہے جس سے توبہ کرنا فرض ہے۔ اگر خدا نخواستہ قائل ایسی حالت میں توبہ سے پہلے مر جائے تو ناری اور جہنمی قرار پائے۔

۱۴۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی علماء کے پیشوا مولوی حسین علی صاحب ساکن واں پھر اں آف ضلع میانوالی کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بغیر عدت گزارے نکاح کر لیا۔ بلخہ انجیران ص ۲۶۷ پر ہے ”اور قبل الدخول طلاق دو تو اس عورت پر عدت لازم نہ ہوگی۔ جیسا کہ زینب کو طلاق قبل الدخول دی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے بلا عدت نکاح کر لیا۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے مذہب میں یہ کہنا حضور ﷺ پر افتراء ہے کہ حضور نے عدت گزرنے سے پہلے حضرت زینب سے نکاح کر لیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی عدت گزرنے سے پہلے پیغام نکاح تک نہیں بھیجا۔ جیسا کہ مسلم شریف جلد اول ص ۴۶۰ پر حدیث وارد ہے ”لما انقضت عدة زینب قال رسول اللہ ﷺ لزيد فاذکرها علی الحدیث“ یعنی جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”تم زینب کو میری طرف سے نکاح کا پیغام دو“ لہذا جو شخص حضور پر یہ افتراء کرتا ہے وہ بارگاہ رسالت کا سخت ترین دشمن اور بدترین گستاخ ہے۔“

۱۵۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی علماء کے مذہب میں حضور ﷺ کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کرنی چاہئے۔ تقویۃ الایمان کے صفحہ نمبر ۶۰ پر ہے ”انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے مذہب میں جس طرح تمام حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے روحانی باپ ہیں اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ بھی اپنی امت کے روحانی باپ ہیں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو امہات المؤمنین فرمایا۔ لہذا حضرات انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم ان کی نبوت و رسالت اور ابوة روحانیہ کے موافق کی جاوے گی۔ بڑے بھائی کی طرح ان کی تعظیم کرنا، ان کی شان کو گھٹانا اور ان کے حق میں بدترین قسم کی توہین و تنقیص کا مرتکب ہونا ہے۔

۱۶۔ دیوبندیوں کا مذہب

حیات النبی ﷺ کے متعلق مولوی اسماعیل صاحب دہلوی مصنف تقویۃ الایمان کا عقیدہ یہ ہے کہ معاذ اللہ حضور ﷺ مرکز مٹی میں مل گئے۔ ملاحظہ فرمائیے تقویۃ الایمان ص ۱۱ پر مرقوم ہے ”یعنی میں بھی ایک دن مرکز مٹی میں ملنے والا ہوں۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام باوجود موت عادی طاری ہونے کے حیات حقیقی کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں اور ان کے اجسام کریمہ صحیح و سالم رہتے ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے ”ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فتبی اللہ حی یرزق۔“ (مشکوٰۃ ج اول ص ۱۲۱)

لہذا حضور سید عالم ﷺ کے حق میں یہ اعتقاد رکھنا کہ معاذ اللہ حضور ﷺ مرکز مٹی میں مل گئے صریح گمراہی ہے اور حضور کی طرف منسوب کر کے یہ کہنا کہ معاذ اللہ میں بھی مرکز مٹی میں ملے والا ہوں، رسول اللہ ﷺ پر افتراء محض اور شانِ اقدس میں توہین صریح ہے۔ (العیاذ باللہ)

۱۷۔ دیوبندیوں کا مذہب

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کے نزدیک جس طرح حضور نبی کریم ﷺ متصف بحیات بالذات ہیں، بالکل اسی طرح معاذ اللہ دجال بھی متصف بحیات بالذات ہے اور جس طرح حضور ﷺ کی آنکھ سوتی تھی دل نہیں سوتا تھا اسی طرح دجال کی بھی آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔ ملاحظہ فرمائیے مولوی صاحب مذکور اپنی کتاب ”آب حیات“ ص ۶۹ پر لکھتے ہیں ”چنانچہ آنحضرت ﷺ کا کلام اس پچھدان کی تصدیق کرتا ہے۔ فرماتے ہیں ”تنام عینای ولا ینام قلبی او کما قال“ لیکن اس قیاس پر دجال کا حال بھی یہی ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ بوجہ منشاءیت ارواحِ مومنین جس کی تحقیق سے ہم فارغ ہو چکے ہیں۔ متصف بحیات بالذات ہوئے ایسے ہی دجال بھی بوجہ منشاءیت ارواحِ کفار جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں متصف بحیات بالذات ہوگا اور اس وجہ سے اس کی حیات قابلِ انکاک نہ ہوگی اور موت و نوم میں استتار ہوگا۔ انقطاع نہ ہوگا اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ابنِ صیاد جس کے دجال ہونے کا صحابہ کو ایسا یقین تھا کہ قسم کھا بیٹھے تھے اپنی نوم کا وہی حال بیان کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی نسبت ارشاد فرمایا یعنی شہادتِ احادیث وہ بھی یہی کہتا تھا کہ ”تنام عینی ولا ینام قلبی۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے عقیدے میں حضور ﷺ کا متصف بحیات بالذات ہونا حضور ﷺ کا ایسا کمال ہے جو حضور ﷺ کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ دجال لعین کے لئے ثابت ہو۔

اہل سنت تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات کے قائل ہیں مگر بالذات حیات سے متصف ہونا حضور ﷺ ہی کی شان ہے۔ اسی طرح آنکھ کا سونا اور دل کا نہ سونا بھی ایسی صفت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی دوسرے کے لئے کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ چہ جائیکہ قولِ دجال کو دلیل شرعی تسلیم کرتے ہوئے اس کے لئے بھی یہ وصف نبوت ثابت کر دیا جائے۔

اہل سنت کے مسلک میں اسلام حیات اور کفر موت ہے اس لئے دجال کو اگر منشاء ارواحِ کفار مانا جائے تو وہ منج کفر ہونے کی وجہ

سے متصف مہمات بالذات ہوگا۔ الحاصل حضور ﷺ کے خصوصی اوصاف دجال کے لئے ثابت کرنا معاذ اللہ تنقیصِ شانِ نبوت ہے۔

دریدہ دھنی اور بے باکی کے چند اور نمونے

۱۸۔ دیوبندیوں کا مذہب

۱۔ تقویۃ الایمان میں مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے ص ۱۸ پر لکھا ہے

”اللہ کے سوا کسی کو نہ مان اور اس سے نہ ڈر۔“

۲۔ تقویۃ الایمان کے ص ۱۹ پر تحریر کیا

”ہمارا جب خالق اللہ ہے اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہئے کہ اپنے ہر کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام۔ جیسے کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے۔ دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر ہے۔“

۳۔ تقویۃ الایمان ص ۳۰ پر تحریر ہے

”اس کے دربار میں ان کا تو یہ حال ہے کہ جب وہ کچھ حکم فرماتا ہے تو وہ سب رعب میں آکر بے حواس ہو جاتے ہیں۔“

۴۔ تقویۃ الایمان ص ۳۱ پر لکھتے ہیں

”اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم ”کن“ سے چاہئے تو کروڑوں نبی اور ولی، جن اور فرشتے، جبرائیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے۔“

۵۔ تقویۃ الایمان کے ص ۴۲ پر ہے

”جن کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔“

۶۔ تقویۃ الایمان کے ص ۵۸ پر ہے

”رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔“

اہل سنت کا مذہب

۱۔ اہل سنت کے نزدیک اللہ کے سوا کسی کو نہ ماننا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ صرف اللہ پر ایمان لانا چاہئے اور کسی پر ایمان لانا جائز نہیں، کفرِ خالص ہے۔ دیکھئے تمام امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ جب تک اللہ، ملائکہ، آسمانی کتابوں اللہ کے تمام رسولوں، یوم آخرت اور خیر و شر کے منجانب اللہ مقدور ہونے اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان نہ لائے، اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔

۲۔ ہر سنی مسلمان کا عقیدہ ہے کہ ہمارے تمام کاموں میں متصرف حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں، رسولوں اور اس کے مقرب بندوں سے ہمارا کوئی کام ہی نہ ہو۔ کتاب و سنت میں بے شمار نصوص وارد ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ

ہمیں اپنے کاموں میں محبوبانِ خداوندی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ“ (نساء) ”کاش وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آ جاتے۔“

دوسری جگہ فرماتا ہے ”فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔“ (نحل) ”اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے دریافت کر لو۔“

دیکھئے ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں سے ہمارا کام وابستہ فرمایا ہے یا نہیں؟ اس عبارت میں جو تمام ماسوی اللہ کو جو ہڑا چہار سے تعبیر کیا گیا ہے، اہل سنت کے نزدیک یہ مقربین بارگاہِ ایزدی کی شان میں بدترین گستاخی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۳۔ اہل سنت کے نزدیک انبیاء کرام یا ملائکہ مقربین پر خوف و خشیت الہی کا طاری ہونا تو حق ہے مگر انہیں بے حواس کہنا ان کی شان میں بے باکی اور گستاخی ہے۔ العیاذ باللہ

۴۔ اہل سنت کے نزدیک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مثل و نظیر کے پیدا کرنے سے قدرت و مشیت ایزدی کا متعلق ہونا محال عقلی ہے کیونکہ حضور ﷺ پیدائش میں تمام انبیاء سے حقیقتاً اول ہیں اور یہ بعثت میں تمام انبیاء سے آخر اور خاتم النبیین ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس طرح اول حقیقی میں تعدد محال بالذات ہے اسی طرح خاتم النبیین میں بھی تعدد ممتنع لذاتہ ہے اور اس بناء پر قدرت و مشیت خداوندی کا ناقص ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اسی امر محال کا قبیح و مذموم ہونا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس بات کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت اس سے متعلق ہو سکے۔

۵۔ اہل سنت کا مذہب ہے کہ ملک و اختیار بالاستقلال تو خاصہ خداوندی ہے اور ملک و اختیار ذاتی کسی فرد مخلوق کے لئے ثابت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اختیار اور اس کی عطا کی ہوئی ملک عام انسانوں کے لئے دلائل شرعیہ سے ثابت ہے اور یہ ایسی روشن اور بدیہی بات ہے کہ جس کے تسلیم کرنے میں کوئی مجبوظ الحواس بھی تامل نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ مجتہدِ آدمی اس کا انکار کرے۔ حضور ﷺ کے حق میں علی الاطلاق یہ کہہ دینا کہ وہ کسی چیز کے مالک و مختار نہیں، شانِ اقدس میں صریح توہین ہے اور ان تمام نصوص شرعیہ اور ادلہ قطعیہ کے قطعاً خلاف ہے، جن سے حضور ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ملک و اختیار ثابت ہوتا ہے۔

۶۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ مقربین بارگاہِ ایزدی عبودیت کے اس بلند مقام پر ہوتے ہیں کہ ان کی ذواتِ قدسیہ مظہر صفات ربانی ہو جاتی ہیں اور مقتضائے حدیثِ قدسی ”بی یسمع و بی یبصر“ ان کا دیکھنا، سننا، چلنا، پھرنا، ارادہ و مشیت سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ وہ میدانِ تسلیم و رضا کے مرد ہوتے ہیں۔ ان کا چاہنا اللہ کا چاہنا اور ان کا ارادہ اللہ کا ارادہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حضور سید المقربین نبی کریم ﷺ کے حق میں یہ کہنا کہ ”رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا“ عظمتِ شان رسالت کے

منافی ہے بلکہ مقام نبوت کی توہین و تنقیص ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ صفاتِ الہیہ کا مظہر اتم ہیں اور ان کی مشیت مشیت ایزدی کا ظہور ہے تو اس کا پورا نہ ہونا معاذ اللہ مشیت خداوندی کی ناکامی ہوگی۔ یہی توہین نبوت اور کفر خالص ہے اور کمالاتِ انبیاء علیہم السلام کی تنقیص اسی لئے کفر ہے کہ کمالاتِ نبوت قطعاً صفاتِ الہیہ کا ظہور ہوتے ہیں۔

۱۹۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی حضرات کے مذہب میں حضور ﷺ کی تعریف بشر کی سی کی جائے بلکہ اس میں بھی اختصار کیا جائے۔ تقویۃ الایمان کے ص ۶۳ پر لکھا ہے

”یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو وہی کرو۔ سو اس میں اختصار ہی کرو۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک ہر بزرگ کی تعریف اس کی شان اور مرتبہ کے لائق کی جائے گی۔ حتیٰ کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف بشر کی سی ہونا تو درکنار ملائکہ مقربین سے بھی زیادہ ہوگی کیونکہ حضور ﷺ کا مرتبہ ان سے بلند و بالا ہے۔

۲۰۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی علماء کے مذہب میں انبیاء، رسل، ملائکہ، معاذ اللہ سب ناکارے ہیں۔ تقویۃ الایمان صفحہ ۲۹ پر لکھ دیا ہے

”اللہ جیسے زبردست کے ہوتے ہوئے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان پہنچا سکتے ہیں، محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارے لوگوں کو ثابت کیجئے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک محبوبانِ خداوندی انبیاء کرام، رسل و ملائکہ عظام کے حق میں لفظ ”ناکارے“ بولنا ان کی شان میں بیہودہ گوئی اور دریدہ دہنی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

۲۱۔ دیوبندیوں کا مذہب

علماء دیوبند کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کی شان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معاذ اللہ چوہڑے چمار سے بھی گری ہوئی ہے۔

تقویۃ الایمان کے صفحہ ۱۴ پر تحریر ہے

”اور یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے مذہب میں یہ عبارت حضراتِ انبیاء کرام و اولیائے عظام کی سخت ترین توہین کا نمونہ ہے۔ ہر چھوٹی اور ”بڑی مخلوق“

کے معنی رسل کرام اور اولیاء عظام کا ہونا متعین ہو گیا ہے۔

”چھوٹی مخلوق“ کے لفظ سے چھوٹے مرتبہ کی کل مخلوقات عامہ اور ہر ”بڑی مخلوق“ کے لفظ سے بڑے مرتبہ کی کل خاص مخلوق کے معنی بغیر تاویل و تامل کے ہر شخص کی سمجھ میں آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بڑے مرتبے کی خاص مخلوق انبیاء علیہم السلام، ملائکہ کرام اور اولیاء کرام ہی ہیں۔ اب انہیں بارگاہِ خداوندی میں معاذ اللہ چوہڑے چمار سے زیادہ ذلیل کہنا جس قسم کی شدید توہین ہے محتاج تشریح نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے مقرب بندوں کو ”عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ“ اور ”كَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا“ فرما کر انہیں اپنی بارگاہ میں بڑی عزت و بزرگی والا اور ذی وجاہت فرمایا ہے۔ نیز اپنے پاک بندوں کو منعم علیہم قرار دے کر اور ”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ“ فرما کر ان کی شان بڑھائی ہے لیکن اس کے بالمقابل دیوبندی علماء خصوصاً صاحب تقویۃ الایمان نے انہیں چوہڑے چمار سے زیادہ ذلیل قرار دے کر ان کی توہین و تنقیص کی ہے۔ اہل سنت اس عبارت کو گندگی اور نجاست تصور کرتے ہیں اور ایسے عقیدہ کو کفر حاصل سمجھتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

۲۲۔ دیوبندیوں کا مذہب

حضرات علماء دیوبند کے نزدیک معاذ اللہ حضور ﷺ ایک گنوار کی بات سن کر بے حواس ہو گئے۔ اسی تقویۃ الایمان کے ص ۵۶ پر لکھا ہے ”سبحان اللہ! اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ ﷺ کی تو اس کے دربار میں یہ حالت ہے کہ ایک گنوار کے منہ سے اتنی بات سنتے ہی مارے دہشت کے بے حواس ہو گئے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حواس تمام انسانوں کے حواس سے اقویٰ اور اعلیٰ ہیں۔ سید الانبیاء ﷺ کے حق میں یہ کہنا کہ حضور ایک گنوار کی بات سن کر بے حواس ہو گئے، سخت ترین توہین و تنقیص ہے بارگاہِ نبوت میں۔

۲۳۔ دیوبندیوں کا مذہب

علماء دیوبند کے مذہب میں فرشتوں اور رسولوں کو طاغوت کہنا جائز ہے۔ مولوی حسین علی ساکن واں پھراں اپنی تفسیر بلغۃ الحیران کے صفحہ ۴۳ پر فرماتے ہیں

”اور طاغوت کا معنی کَلِمَا عَبْدٌ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَهُوَ الطَّاغُوت“ اس معنی بموجب طاغوت جن اور ملائکہ اور رسول کو بولنا جائز ہو گا۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک فرشتوں اور رسولوں کو طاغوت کہنا ان کی سخت توہین ہے اور ملائکہ و رسل کرام کی توہین کرنے والا خارج از اسلام ہے۔

۲۴۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی حضرات کا مذہب یہ ہے کہ صریح جھوٹ کی ہر قسم سے نبی کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند اپنی کتاب تصفیۃ العقائد مطبوعہ مجتہائی کے ص ۲۵ پر فرماتے ہیں

- ۱۔ پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں ہے۔ ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضروری نہیں۔
- ۲۔ بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شانِ نبوت، بایں معنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں، خالی غلطی سے نہیں۔ (تصفیۃ العقائد ص ۲۸)

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر قسم کے کذب و معاصی سے علی العموم معصوم ہیں اور ان کے حق میں کسی معصیت کا تصور یا کسی قسم کے دروغ صریح کو ان کے لئے ثابت کرنا عزت و ناموس رسالت پر بدترین حملہ ہے۔

۲۵۔ دیوبندیوں کا مذہب

حضرات اکابر دیوبند کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امت سے صرف علی ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، عملی امتیاز انہیں حاصل نہیں ہوتا۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند اپنی کتاب ”تذریع الناس“ میں ص ۵ پر تحریر فرماتے ہیں

”انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم میں ہی ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے مذہب میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی امت سے جس طرح علم میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح عمل میں بھی پوری امتیازی شان رکھتے ہیں جو شخص انبیاء علیہم السلام کے اس امتیاز کا منکر ہے وہ شانِ نبوت میں تخفیف کا مرتکب ہے۔

۲۶۔ دیوبندیوں کا مذہب

علاءِ دیوبند اللہ تعالیٰ کے چھوٹے بڑے سب بندوں کو بے خبر اور نادان کہتے ہیں۔ دیکھئے تقویۃ الایمان ص ۲۵ پر لکھا ہے

”ان باتوں میں سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے سب یکساں بے خبر اور نادان ہیں۔“

اہل سنت کا مذہب

انبیاء علیہم السلام کو بے خبر اور نادان کہنا بارگاہِ نبوت میں سخت دریدہ دہنی ہے اور ایسا کہنا بدترین جہالت و گمراہی ہے۔

۲۷۔ دیوبندیوں کا مذہب

حضرات علاؤِ دیوبند انبیاء علیہم السلام کو اپنی امتوں کا سردار کن معنوں میں مانتے ہیں۔ تقویۃ الایمان ص ۶۴ پر لکھا ہے

”جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار، سو ان معنوں کو ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی امت پر وہ سردار حاصل ہے جو کسی مخلوق کے ثابت کرنا تو جہن رسالت ہے۔

۲۸۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی حضرات کے نزدیک مفسرین جھوٹے ہیں۔ مولوی حسین علی صاحب شاگرد رشید مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی بلخہ الحیر ان ص ۵ پر لکھتے ہیں

”ادخلوا الباب سجدا“ باب سے مراد مسجد کا دروازہ ہے جو نزدیک تھے اور باقی تفسیروں کا کذب ہے۔

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے عقیدہ میں تفسیروں کو کذب کہنے والا خود کذاب ہے۔

۲۹۔ دیوبندیوں کا مذہب

علماء دیوبند کے نزدیک محمد بن عبدالوہاب اور اس کے مقتدی وہابیوں کے عقائد عمدہ تھے۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۵۱ پر ہے

سوال: وہابی کون لوگ ہیں اور عبدالوہاب نجدی کا کیا عقیدہ تھا اور کون سا مذہب تھا اور وہ کیسا شخص تھا اور اہل نجد کے عقائد میں اور سنی حنفیوں کے عقائد میں کیا فرق ہے؟

الجواب: محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی۔ مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر ہاں جوحد سے بڑھ گئے ان میں فساد آ گیا اور عقائد سب کے متحد ہیں، اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا ہے۔“ (رشید احمد گنگوہی)

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک محمد بن عبدالوہاب باغی خارجی بے دین و گمراہ تھا۔ اس کے عقائد کو عمدہ کہنے والے اسی جیسے دشمنان دین ضال و مضل ہیں۔

۳۰۔ دیوبندیوں کا مذہب

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پیشوائے علماء دیوبند کے نزدیک کتاب ”تقویۃ الایمان“ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ اس کے سب مسائل صحیح ہیں۔ اس کا یاد رکھنا، پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔ ملاحظہ فرمائیے فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۵۸، ۳۵۷

سوال: تقویۃ الایمان میں کوئی مسئلہ ایسا بھی ہے جو قابل عمل نہیں یا کل اس کے مسائل صحیح ہیں؟

الجواب: بندہ کے نزدیک سب مسائل اس کے صحیح ہیں۔ تمام تقویۃ الایمان پر عمل کرے۔

اسی طرح فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۶۰ پر ہے

”اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت میں لا جواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور

احادیث سے ہیں۔ اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت اسماعیل صاحب دہلوی کی کتاب ”تقویۃ الایمان“ کی تمام انبیاء کرام و اولیاء عظام کی توہین و تنقیص کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب ”التوحید“ کا خلاصہ ہے جس میں تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو کافرو مشرک کہا گیا ہے اور دل کھول کر خدا کے مقدس اور محبوب بندوں کی شان میں گستاخیاں کی گئی ہیں۔

۲۱۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی علماء کرام ”یا شیخ عبد القادر“ کہنے والوں کو کافر، مرتد، ملعون، جہنمی کہتے ہیں۔ پھر جو شخص جان بوجھ کر انہیں ایسا نہ کہے اس کو بھی ویسا ہی کافر، مرتد، ملعون، جہنمی اور زانی قرار دیتے ہیں اور ان کے نکاح کو باطل سمجھتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے فتویٰ مندرجہ بلخۃ الخیران ص ۴

”یا شیخ عبد القادر یا خواجہ شمس الدین پانی پتی چنانچہ عوامی گویند مشرک و کفر است۔“

فتویٰ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیم دیوبند بحوالہ پرچہ اخبار امرتسر ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۷ء

”ان عقائد باطلہ پر مطلع ہو کر انہیں کافر، مرتد، ملعون، جہنمی نہ کہنے والا بھی ویسا ہی مرتد و کافر ہے۔ پھر اس کو جو ایسا نہ سمجھے وہ بھی ایسا ہی ہے۔ کوکب الیمانی علیٰ اولاد الزدانی کوکب الیمانی علی الجعلان والخراطین۔ توضیح المراد لمن تنخبط فی الاستملاء“

کالا کافران کتابوں میں ثابت کیا گیا ہے کہ ایسے عقائد رکھنے والے کالے کافر ہیں ان کا نکاح کوئی نہیں سب زانی ہیں۔

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک صحت اعتقاد کے ساتھ یا شیخ عبد القادر جیلانی اور اس قسم کے تمام الفاظ کا کہنا جائز ہیں۔ جو شخص کہنے والوں کو کافر، مرتد، ملعون، جہنمی اور زانی قرار دیتا ہے وہ اکابر اولیاء امت کی شان میں گستاخی کر کے خود ملعون، جہنمی اور زانی ہے۔

۲۲۔ دیوبندیوں کا مذہب

علماء دیوبند کے نزدیک بزرگان دین کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کی مخلوق مان کر اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوت تسلیم کر کے انہیں اپنا سفارشی سمجھنے والے اور ان کی مذہب رو نیا کرنے والے (گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کے تمام مسلمان، اولیاء علماء، مجتہدین، صالحین) سب کافرو مرتد اور ابو جہل کی طرح مشرک ہیں۔ تقویۃ الایمان ص ۸ پر مرقوم ہے

”کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور مذہب رو نیا کرنی اور اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و مشرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابو جہل اور وہ مشرک میں برابر ہے۔“

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک ایسے لوگوں کو کافر و شرک کہنا خود کفر و شرک کے وبال میں مبتلا ہونا ہے۔ مقررین بارگاہِ خداوندی کے لئے مقید بالاذن تصرف طاقت و قدرت اور سفارش ثابت کرنا حق اور درست ہے اور اس کا انکار موجب ضلال اور باعث نکال ہے۔

۲۲۔ دیوبندیوں کا مذہب

اکابر علماء دیوبند کے حسب ذیل عقائد و مسائل مندرجہ ذیل عبارات و حوالہ جات منقول میں ملاحظہ فرمائیں

- ۱۔ رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا عقیدہ رکھنا صریح شرک ہے۔
- ۲۔ عرس کا التزام کرے یا نہ کرے بہر حال ناجائز ہے۔
- ۳۔ تاریخ معین پر قبروں پر جمع ہونا بغیر لغویات کے بھی گناہ ہے۔
- ۴۔ قبیح سنت اور دیندار کو وہابی کہتے ہیں۔
- ۵۔ تیجہ وغیرہ ناجائز ہے۔ قرآن شریف و کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا اور چنے تقسیم کرنا سب ناجائز ہے۔
- ۶۔ چالیسواں اور گیارہویں بھی بدعت ہے۔
- ۷۔ کھانے یا شیرینی وغیرہ پر فاتحہ پڑھنا بدعت اور گمراہی ہے اور ایسا کرنے والے سب بدعتی اور گمراہ ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹۹ پر ہے

۱۔ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔ فقط

۲۔ عرس کا التزام کرے یا نہ کرے بدعت اور ناجائز ہے۔ (ص ۴۳۰)

۳۔ تعین تاریخ سے قبروں پر اجتماع کرنا گناہ ہے خواہ اور لغویات ہوں یا نہ ہوں۔ (ص ۴۳۰)

۴۔ اس وقت اور ان اطراف میں وہابی قبیح سنت اور دیندار کو کہتے ہیں۔ (ص ۴۰۵)

نیز فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۵۰ پر ہے

۵۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ فی زمانہ رواج ہے کہ جب کوئی مرجع جاتا ہے تو اس کے عزیز و اقارب اس روز یا دوسرے یا تیسرے روز یا کسی روز جمع ہو کر مسجد یا کسی اور مکان میں قرآن شریف اور کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھ کر بلا تعین شمار ثواب اس پڑھے ہوئے کا متوفی کو بخشتے ہیں اور چنے وغیرہ تقسیم کرتے ہیں تو اس طرح جمع ہونا اور قرآن مجید وغیرہ پڑھنا اور پڑھوانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب تو جروا فی یوم الحساب حرین بمہر فرمائیں۔

الجواب: صورت مسئلہ کا یہ ہے کہ مجتمع ہونا عزیز و اقارب وغیرہم کا واسطے پڑھنے قرآن مجید کے یا کلمہ طیبہ کے جمع ہو کر روز وفات میت کے یا دوسرے روز یا تیسرے روز بدعت و مکروہ ہے۔ شرع شریف میں اس کی کچھ اصل نہیں۔

اسی طرح فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۵۶ پر ہے

۶۔ سوال: مرنے کے بعد چالیس روز تک روٹی ملا کو دیتا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: چالیس روز تک روٹی کی رسم کر لینا بدعت ہے۔ ایسے ہی گیارہویں بھی بدعت ہے۔ بلا پابندی رسم و قیود ایصال ثواب مستحسن ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد گنگوہی

اس کے علاوہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۴۹ پر ہے

۷۔ مسئلہ: فاتحہ کے پڑھنا کھانے یا شیرینی پر بروز جمعرات کے درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فاتحہ کھانے یا شیرینی پر پڑھنا بدعت ضلالت ہے، ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ فقط رشید

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت و جماعت کے عقائد حسب ذیل ہیں

۱۔ باعلام خداوندی رسولوں کے لئے علم غیب حاصل ہونے کا عقیدہ عین ایمان ہے۔

۲۔ اہل سنت کے نزدیک بغیر وجوب التزام کے عقیدہ کے التزام کے ساتھ عرس کرنا جائز ہے اور بلا التزام بھی جائز ہے۔

۳۔ تاریخ معین پر حرارات اولیاء اللہ پر مسلمانوں کی حاضری اور بزرگوں کی روحانیت سے فیض حاصل کرنا اہل سنت کے عقائد کی رو سے نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے بشرطیکہ وہاں فسق و فجور اور معصیت نہ ہو۔

۴۔ اہل سنت کے نزدیک محمد بن عبد الوہاب کے قبعین کو وہابی کہتے ہیں جن کے عقائد کی رو سے صرف وہی لوگ مسلمان ہیں جو ان کے ہم مسلک اور ہم مشرب ہوں باقی تمام مسلمانوں کو وہ کافر و شرک اور مباح الدم کہتے ہیں۔

۵۔ اہل سنت کے نزدیک تیجہ وغیرہ اور قرآن شریف و کلمہ طیبہ و درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب ارواح مومنین کو پہنچانا اور چنے تقسیم کرنا سب جائز اور موجب رحمت و برکت ہے بشرطیکہ یہ امور خلوص اعتقاد اور نیک نیتی سے کئے جائیں۔

۶، ۷۔ چالیسواں، گیارہویں شریف اور کھانے یا شیرینی وغیرہ پر فاتحہ پڑھنا سب جائز اور باعث اجر و ثواب ہے اور ایسا کرنے والے مسلمان صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت ہیں۔ ان کاموں کو بدعت قرار دینا اور ان کاموں کے کرنے والے سنی مسلمان کو بدعتی کہنا سخت گناہ اور بدعت و ضلالت ہے۔

۲۴۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی صاحبان کے نزدیک بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۴۷ پر ہے

سوال: بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مکروہ تحریمہ ہے۔ (فی در المختار باب الامتہ) واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

اور اسی فتاویٰ رشیدیہ کے صفحہ ۶۵ پر ہے

سوال: جمعہ کی نماز جامع مسجد میں باوجودیکہ امام بدعتیہ ہے، پڑھے یا دوسری جگہ پڑھ لے؟
الجواب: جس کے عقیدے درست ہوں اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے۔

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ عرس و میلاد کرنے والوں اور کھانے یا شیرینی وغیرہ پر فاتحہ پڑھنے والوں اور گیارہویں کرنے والوں کو بدعتی کہنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمہ جاننا سخت گناہ اور بدترین قسم کی کمرائی ہے۔
اہل سنت کے نزدیک فی زمانہ عرس و فاتحہ کرنے والوں ہی کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے ان کے مخالفین کے پیچھے جائز نہیں۔

۲۵۔ دیوبندیوں کا مذہب

اکابر حضرات علماء دیوبند کے نزدیک کوئی مجلس میلاد اور کوئی عرس کسی حال میں درست نہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۲۶ پر ارقام فرماتے ہیں
مسئلہ انعقاد مجلس میلاد بدون قیام بروایت صحیحہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا رقیمہ نیاز محمد امتیاز علی طالب علم مدرسہ بہنپور
جواب طلب مع حوالہ کتب۔ فقط۔
الجواب: انعقاد مجلس میلاد بہر حال ناجائز ہے۔ تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: درج ذیل عبارت پرانے نسخوں میں ہے موجودہ ایڈیشن میں نہیں ہے (ناشر)

اگر پڑھو گے حوالہ کتب معلوم ہو جائیں گے۔ نہ پڑھو گے تو تقلید سے عمل کرنا۔ فقط والسلام کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

سوال: جس عرس میں صرف قرآن شریف پڑھا جائے اور تقسیم شیرینی ہو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟ (صفحہ نمبر ۴۲۹)

الجواب: کسی عرس اور مولود شریف میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی ساعرس اور مولود درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

مسئلہ: محفل میلاد میں جس میں روایات صحیحہ پڑھی جائیں اور لاف و گزاف اور روایات موضوعہ اور کاذبہ نہ ہوں شریک ہونا کیسا ہے؟

الجواب: ناجائز ہے بسبب وجوہ کے۔ فقط رشید احمد (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۲۶)

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے مذہب میں مجلس میلاد پاک افضل ترین مندوبات اور اعلیٰ ترین مستحبات سے ہے اور اعراس بزرگان دین بھی اہل سنت کے نزدیک من جملہ مستحبات ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ”بزرگان دین کے عرس میں کوئی لغویت اور امر ممنوع نہ ہو تب بھی ناجائز

اور بدعت ہے“ وہ بزرگانِ دین کا سخت معاند اور ان کے فیوض و برکات سے محروم اور خائب و خاسر ہے۔

اسی طرح میلاد شریف کو بہر حال ناجائز و بدعت قرار دینا حتیٰ کہ سلام و قیام نہ ہو اور روایات موضوعہ نہ ہوں بلکہ صحیح روایتوں کے ساتھ میلاد شریف پڑھا جائے تب بھی اسے ناجائز اور بدعت و حرام کہنا اہل سنت کے نزدیک بارگاہِ رسالت سے بغض و عناد کی روشن دلیل ہے۔

۲۶۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبند علماء کے نزدیک بروایات صحیحہ محرم میں حضراتِ حسنین علیہما السلام کی شہادت کا بیان، شربت اور دودھ پلانا، سبیل لگانا سب حرام ہے۔ ملاحظہ فرمائیے فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۳۴

سوال: محرم میں عشرہ وغیرہ کے روز شہادت کا بیان کرنا بروایت صحیحہ یا بعض ضعیفہ بھی و نیز سبیل لگانا، چندہ دینا اور شربت، دودھ بچوں کو پلانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: محرم میں ذکر شہادت حسنین علیہما السلام کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو یا سبیل لگانا، شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا سب نادرست اور تخبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں۔

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے مسلک میں روایات صحیحہ کے ساتھ محرم وغیرہ میں حضراتِ حسنین علیہما السلام کا ذکر شہادت باعثِ رحمت و برکت ہے۔ اسی لئے شہداء کرام کو ایصالِ ثواب کے لئے شربت دودھ وغیرہ پلانا سب جائز اور مستحسن ہے۔

تخبہ بالروافض کی آڑ لے کر ان امورِ مستحسنہ کو ناجائز و حرام کہنا مسلمانوں کو حصولِ خیر و برکت سے محروم رکھنا ہے۔

۲۷۔ دیوبندیوں کا مذہب

اکابر علماءِ دیوبند کے مذہب میں ہندوؤں کے سودی روپے سے جو پانی پیاد (سبیل) لگائی جائے اس کا پینا مسلمانوں کے لئے جائز ہے۔ دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ صفحہ نمبر ۴۷۴ پر ہے

سوال: ہندو جو پیاد پانی کی لگاتے ہیں سودی روپیہ صرف کر کے مسلمانوں کو اس کا پانی پینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اس پیاد سے پانی پینا مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

دیوبندی حضرات کے مسلک میں ہندوؤں کی ہولی اور دیوالی کی پوریاں وغیرہ مسلمانوں کے لئے کھانا حلال طیب ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۷۴ پر مرقوم ہے

مسئلہ: ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلین یا پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد یا حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: درست ہے۔ فقط

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک یہ امر اہل بیت اطہار خصوصاً سیدنا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ عداوتِ قلبی کی بین دلیل ہے کہ امام حسین علیہما السلام کی فاتحہ کے شربت کو تخبہ بالروافض کی آڑ لے کر حرام کہا جائے اور اس کے بالمقابل تخبہ بالہندو سے آنکھیں بند کر کے ہندوؤں کے شرکانہ تہوار ہولی، دیوالی کی پوری کچوری کو جائز و حلال قرار دیا جائے۔ نیز اہل سنت اس بات کو اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدترین دشمنی تصور کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کو ایصالِ ثواب کے لئے لگائی ہوئی سبیل کے پانی کو ناجائز سمجھا جائے اور اس کے مقابلہ میں ہندوؤں کے سودی روپے سے لگائے ہوئے پیاد کا پانی حلال طیب جائز اور پاک مانا جائے، مقامِ تعجب ہے کہ تخبہ بالروافض تو ملحوظ رہے اور تخبہ بالکفار والمشرکین بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ اہل انصاف غور فرمائیں کہ یہ عداوت حسین نہیں تو کیا ہے؟ العیاذ باللہ والیہ المشتکی۔

۲۸۔ دیوبندیوں کا مذہب

علماءِ دیوبند کے پیشوایانِ کرام کے مذہب میں زاعِ معروفہ (مشہور کو ا جو عام طور پر پایا جاتا ہے) کھانا ثواب ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۹۶ کو دیکھئے اس پر لکھا ہے

مسئلہ: جس جگہ زاعِ معروفہ کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے کو برا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کو کھانے والے کو کچھ ثواب ہو گا یا نہ؟ ثواب ہو گا نہ عذاب؟

الجواب: ثواب ہو گا۔ فقط رشید احمد

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ پاک غذا پاک لوگوں کے لئے ہے اور خبیث و ناپاک غذا خبیثوں اور ناپاکوں کے لئے ہے۔ زاع (مشہور کو) حرام اور خبیث ہے جس کا کھانا مومنین طہیدین کے لئے جائز نہیں۔ کو کھانے والے حرام خور اور عذابِ آخرت کے سزاوار ہیں۔

۲۹۔ دیوبندیوں کا مذہب

علماءِ دیوبند کی نظر میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی بانی اسلام ﷺ کے ”ثانی“ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے مرثیہ مصنفہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی مطبوعہ ماڈھورہ ص ۶

زباں پر اہل اہوا کی ہے کیوں اعلیٰ ہیل شاید
اٹھا دنیا سے کوئی بانی اسلام کا ثانی

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک حضور ﷺ لا ثانی وبے نظیر ہیں اور مرثیہ کا زیرِ نظر شعر حضور ﷺ کی شان میں توہین و تنقیص ہے۔ اس شعر میں

مولوی رشید احمد گنگوہی کو بانی اسلام کا ثانی کہا گیا ہے۔

”بانی اسلام“ سے مراد اللہ تعالیٰ ہو گا یا رسول اللہ ﷺ! لہذا مولوی رشید احمد گنگوہی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے ثانی ہوئے یا رسول اللہ ﷺ کے۔

ظاہر ہے کہ یہ گنتی اور شمار کا موقع نہیں۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو اللہ تعالیٰ یا رسول کریم ﷺ کا مثل قرار دے کر خدا اور رسول کی شان میں توہین کی۔

تعب ہے کہ اگر کسی جاہل آدمی کو مولوی اشرف علی تھانوی یا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا ثانی کہہ دیا جائے تو دیوبندیوں کے دل میں فوراً درد پیدا ہو گا کہ ”اف“ ہمارے مقتداؤں کی توہین ہو گئی لیکن یہ خود ایک مولوی کو رسول اللہ ﷺ کا ثانی کہیں تو انہیں توہین رسول کا قطعاً احساس نہیں ہوتا بلکہ ایسے توہین آمیز کلام کی تاویلات فاسدہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگانے لگتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۴۰۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندیوں کے نزدیک مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے حقیر اور چھوٹے غلاموں کا لقب ”یوسف ثانی“ ہے۔ دیکھئے مرثیہ مولوی محمود حسن صاحب ص ۱۱

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ کسی کو وصف عیب سے تعبیر کر کے یوسف ثانی اس کا لقب قرار دینا یوسف علیہ السلام کی شان میں توہین و تنقیص ہے۔ ”عبید سود“ کے معنی ہیں کالے رنگ کے حقیر اور چھوٹے غلام جن کو دوسرے لفظوں میں ”کالے غلام“ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اگر کسی نے کسی کو یوسف ثانی سے تعبیر کیا ہے تو اس کے حسن کو تسلیم کر کے اور اسے حسین قرار دے کر کہا ہے لیکن اس شعر میں تو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے غلاموں کو ”عبید سود“ کالے غلام کہہ کر اور ان کے محقر و مصغر ہونے کا اظہار کر کے پھر انہیں سیاہ فام ماننے کے بعد ان کا لقب ”یوسف ثانی“ رکھا ہے جس میں جمال یوسفی کی صریح توہین ہے۔ العیاذ باللہ!

۴۱۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی مسلک میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی مسیحائی سیدنا عیسیٰ ابن مریم کی مسیحائی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ دیکھئے مرثیہ مصنفہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی ص ۳۳

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا

اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ کسی نبی کے معجزات اور کمالات میں کسی غیر نبی کو نبی سے بڑھ چڑھ کر ماننا تو جہن نبوت ہے۔

اس شعر میں مردہ اور زندہ سے حقیقی مردہ اور زندہ مراد ہو یا مجازی ہر صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحائی سے مقابلہ کیا گیا ہے اور پھر مولوی رشید احمد صاحب کی مسیحائی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحائی پر ترجیح دی گئی ہے جو سیدنا مسیح ابن مریم کی شان میں گستاخی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

۴۲۔ دیوبندیوں کا مذہب

دیوبندی حضرات کے نزدیک کعبہ میں بھی گنگوہ کا رستہ تلاش کرنا چاہئے۔ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی اپنے تصنیف کردہ مرثیہ کے صفحہ نمبر ۱۳ پر ارشاد فرماتے ہیں

پھر میں تھے کعبہ میں پوچھتے گنگوہ کا رستہ
جو رکھتے اپنے مینوں میں تھے شوق و ذوق عرفانی

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت کے نزدیک کعبہ مطہرہ تمام دنیا کے انسانیت کا مرکز و مرجع اور سب کے لئے امن و عافیت کا گہوارہ ہے۔ مرد مومن کا دل خود بخود کعبہ کی طرف کھینچا ہے۔ خصوصاً عارف با ذوق پر کعبہ کے حقیقی حسن و جمال اور اس کے انوار و تجلیات کا انکشاف ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں جو لوگ کعبہ میں پہنچ کر بھی گنگوہ کا رستہ ڈھونڈتے ہیں وہ علم و عرفان اور ذوق و شوق سے قطعاً محروم ہیں۔ کعبہ میں پہنچنے کے بعد گنگوہ کا متلاشی ہونا یقیناً کعبہ مطہرہ کی عظمت شان کو گھٹانا ہے۔

ناظرین کرام! تصویر کے دونوں رخ آپ کے سامنے موجود ہیں۔ اب آپ کو اختیار ہے جسے چاہیں پسند فرمائیں۔ میں اپنے معبود حقیقی رب کائنات مجیب الدعوات جل مجدہ سے بھد تضرع و زاری دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! وہو یہدی الی صراط مستقیم و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ واولیاء ملتہ وعلماء امتہ اجمعین۔

تمت بالخیر

سید احمد سعید کاظمی

التبشير برد التحذير

اما بعد ایک کرم فرما مجھے ایک خط لکھا تھا جس میں چند سوالات درج تھے۔ ان میں سے بعض کے جوابات ”الحق لمبین“ میں پہلے ہی آ گئے تھے۔ اس لئے ان کا اعادہ بے فائدہ تھا۔ ایک سوال میری ذات سے متعلق تھا اور ایک کا تعلق کسی اصولی بحث سے نہ تھا۔ تاہم دونوں کے جوابات زیر نظر مضمون میں آ گئے ہیں۔ البتہ ایک سوال ایسا تھا کہ اس کی اہمیت کے پیش نظر مستقل حیثیت سے اس کا جواب لکھنا ضروری معلوم ہوا مگر سائل کا طرزِ مخاطب اس قدر جارحانہ تھا کہ جواب کی حیثیت سے اس پر کچھ لکھنا میری افتادِ طبع کے خلاف تھا۔ اس کے باوجود محض اظہارِ حق کی خاطر مجھے یہ مضمون لکھنا پڑا جس میں بحث کے تمام اصولی پہلوؤں کو میں نے اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اسی وجہ سے مضمون اتنا طویل ہو گیا کہ اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کر لی۔

اس سوال کا معنی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز پر یہ الزام ہے کہ ممدوح موصوف نے ”تخذیر الناس“ کے مختلف مقامات سے تین نامکمل فقرہوں کو لے کر ایک فقرہ بنالیا جس سے کفری مضمون پیدا ہو گیا۔ زیر نظر مضمون میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس مضمون میں ”تخذیر الناس“ کی چودہ (۱۴) غلطیاں ہدیہ ناظرین کی گئی ہیں اور ہر غلطی کے ضمن میں دلائل کے ساتھ تخذیر الناس کے مباحث کا رد کیا گیا ہے۔

آیہ کریمہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ میں استدراک کی توجیہات علمائے محققین کی تصریحات کی روشنی میں اس انداز سے کی گئی ہیں کہ تخذیر الناس کے تمام اوہام کا ابطال ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ چودہ سو برس میں آج تک کسی عالم دین نے آیہ مبارکہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ کی تفسیر کرتے ہوئے ”خاتم النبیین“ کے معنی ”آخر النبیین“ کو عوام کا خیال قرار دے کر بنائے خاتمیت تاخر زمانی کے سوا کسی اور چیز پر نہیں رکھی۔ نہ آج تک کسی نے نبوت کی تقسیم بالذات اور بالعرض کی ہے۔

اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ اثر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تاویل میں مانوٹوی صاحب کا مسلک جمہور امت مسلمہ کے قطعاً خلاف ہے۔ حتیٰ کہ بعض اکابر دیوبند نے بھی مانوٹوی صاحب کی اس تاویل سے بیزاری کی اظہار کیا ہے۔ چنانچہ دیوبند کے مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے ”فیض الباری“ میں ”تخذیر الناس“ کی تاویل کا ردِ مبلغ فرمایا ہے۔ جیسا کہ اس بیان کو پڑھنے سے معلوم ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ میری نیت اس تحریر سے اظہارِ حق کے سوا کچھ نہیں۔ واللہ المستعان وهو حسبی ونعم الوکیل وصلى الله تعالى على خير خلقه ونور عرشه سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعين۔

سید احمد سعید کاظمی غفرلہ

۲۷ جولائی ۱۹۶۳ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَسَلَامًا

وسیع المناقب اصلحکم اللہ تعالیٰ

السلام المستون

آپ کا طویل دل خراش مکتوب بذریعہ رجسٹری موصول ہوا جسے پڑھ کر جواب لکھنے کے لئے طبیعت آمادہ نہ ہوئی کیونکہ آپ کا جارحانہ طرزِ مخاطب اتنا تلخ تھا کہ اس کے احساس نے سنجیدگی کا ساتھ نہ دیا۔ پھر یہ کہ آپ کے اکثر سوالات ایسے تھے جن کے جوابات بارہا دیئے جا چکے ہیں۔ میں خود بھی ”الحق الامین“ میں ان کے جوابات لکھ چکا ہوں۔ بعض سوالات محض جذباتی تھے جن کا تعلق کسی اصولی بحث سے نہ تھا۔ مثلاً علماء بریلی نے قرآن و حدیث اور علوم دینیہ کی کوئی خدمت نہیں کی نہ کوئی تفسیر لکھی نہ حدیث میں کچھ لکھا نہ فنون میں کوئی کتاب لکھی حتیٰ کہ کوئی شرح یا حاشیہ تک لکھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ تمام کتب متداولہ پر ہمارے علماء کے شروح و حواشی پائے جاتے ہیں۔ وہی کتابیں آپ لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں وغیرہ وغیرہ۔

حقانیت کا معیار

حالانکہ ایک حق پسند انسان اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ حقانیت کا معیار یہ نہیں جو آپ پیش کر رہے ہیں بلکہ ادلہ شرعیہ اور کتاب و سنت کی تصریحات ہی حق کی کسوٹی ہیں۔ اگر ایک بہت بڑے مصنف کے خلاف کوئی شخص استنقارِ حق کا دعویٰ دائر کر دے تو اس کے جواب میں شرعی اور قانونی ثبوت ہی قبول کیا جائے گا۔ یہ نہیں کہ اس مصنف کی تصنیفات اس کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہو جائیں۔ حق و باطل کا فیصلہ دلیل سے ہوتا ہے، تصانیف سے نہیں ہوتا۔ پھر یہ کہ علماء بریلی اس حیثیت سے کہ وہ بریلی سے تعلق رکھتے تھے ہرگز ہمارے مقتداء نہیں بلکہ ان کا مقتداء ہونا اس مسلک کی بنا پر ہے جو سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے نزدیک حق ہے خواہ اس مسلک کے حامی بریلی میں ہوں یا دیوبند میں یا کسی اور جگہ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مسلک کے حامی علماء کون ہیں اور انہوں نے علمی دنیا میں کیا کارنامے انجام دیئے ہیں تو اس کے متعلق سر دست مجھے کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ آئندہ مباحث پڑھ کر آپ خود فیصلہ کر لیں گے کہ علمائے مفسرین و محدثین جنکے علمی کارناموں کا آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کس مکتبہ فکر کے ہم مسلک تھے۔

ایک تلخ حقیقت

اور اگر بریلی کی خصوصیت ہی آپ کے پیش نظر ہے تو بفصلہ تعالیٰ میں پورے وثوق کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ بریلوی علماء کسی میدان میں پیچھے نہیں رہے۔ مگر سوء اتفاق سے جاہ و منصب کے پرستاروں، خود ستائی اور شہرت کے متوالوں کی اجتماعی قوتیں جب نشر و اشاعت کے ذرائع پر حاوی ہو گئیں اور انہوں نے اپنے حریفوں کے خلاف ایک مضبوط اور مستقل محاذ قائم کر لیا تو ایسی صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ ان کے کسی مد مقابل کی علمی خدمات منظر عام پر آ سکیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے جس کی تفصیل ایک دفتر طویل کو چاہتی ہے۔

معتزلہ کا اہل سنت پر الزام

کچھ بھی سہی اتنی بات کا انکار تو کوئی انصاف پسند آدمی نہیں کر سکتا کہ اپنے مخالفوں کو نیچا دکھانے کیلئے اس قسم کے اوچھے ہتھیار ہمیشہ استعمال ہوتے چلے آئے ہیں جس زمانہ میں معتزلہ کے علمی کارناموں کا دور دورہ تھا۔ اہل سنت کو اس طرح مورد الزام قرار دیا جاتا رہا۔

غیر مقلدین کا امام اعظم پر الزام

غیر مقلدین سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف آج تک یہی کہتے ہیں کہ امام صاحب نے نہ کوئی تفسیر لکھی نہ حدیث ہی کی کوئی خدمت کی۔ صرف سترہ (۱۷) حدیثیں انہیں یاد تھیں۔ انہوں نے ساری عمر قیاس اور رائے کی وادیوں میں گزاری۔

ظاہریہ، شوافع اور حنبلیہ کا علمائے احناف پر الزام

متعصب قسم کے ظاہریہ، شوافع اور حنبلیہ وغیرہ علماء احناف کے خلاف یہی کہتے رہے کہ یہ لوگ اصحاب الرائے ہیں۔ نہ انہوں نے کوئی تفسیر لکھی نہ حدیث۔ محض فقہی مسائل میں الجھے رہے بلکہ اس زمانہ میں مرزائی بھی اہل حق کے خلاف اس قسم کے اوچھے ہتھیار استعمال کرنے سے باز نہیں آتے۔ یورپ اور امریکہ ممالک میں تبلیغ اسلام کے بلند بانگ مدعی، انگریزی زبان میں بزم خود تفسیر قرآن لکھنے کے کارناموں کو بیان کر کے زمین و آسمان کے قلابے ملا تے اور اہل حق کو نیچا دکھانے کے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا کوئی حق پسند انسان ان باتوں سے متاثر ہو کر حق و باطل کے اصل معیار سے منحرف ہو سکتا ہے؟

تحریک ختم نبوت میں گرفتار کیوں نہیں ہوئے؟

ایک سوال خاص میری ذات کے متعلق بھی کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تحریک ختم نبوت میں آپ گرفتار کیوں نہیں ہوئے۔ اگرچہ یہ بات اب بے وقت ہے مگر جواباً تنا ضرور عرض کروں گا کہ جہاں تک عقیدہ ختم نبوت کا تعلق ہے میرا یہ مضمون آپ کے سامنے ہے جس کو بغور پڑھنے کے بعد آپ خود فیصلہ کر لیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونا کس کا عقیدہ ہے؟ رہا تحریک کے زمانہ میں گرفتاری کا مسئلہ تو اس کا جواب تو آپ کو اس وقت کے مفتیان حکومت سے پوچھنا چاہئے تھا۔ میں تو صرف اتنی بات جانتا ہوں کہ جب مجلس عمل کے ارکان مولوی خیر محمد صاحب جالندھری اور مولوی محمد شفیع صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم وغیرہ حضرات نے مجھے ملتان کی تحریک کا صدر بنایا تو میں نے اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے اپنے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیا جس کی دلیل یہ ہے کہ ہر جگہ یہ تحریک ختم ہونے کے باوجود بھی ملتان میں نہایت پر امن طریقہ سے آخر تک چلتی رہی لیکن چونکہ میں نے امن عامہ کو بھی برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی تھی اس لئے مجھے گرفتار نہیں کیا گیا۔

قابل غور بات

قابل غور بات یہ ہے کہ صدر کی کارگزاری تو ارکان عاملہ کے فیصلہ کے مطابق ہی ہوا کرتی ہے۔ اس صورت میں اگر میرا گرفتار نہ ہونا آپ کے نزدیک موجب اعتراض ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مولوی خیر محمد صاحب اور مولوی محمد شفیع کے گرفتار نہ ہونے پر آپ نے کیوں اعتراض نہیں کیا؟

صرف یہ نہیں بلکہ مرکزی مجلس عاملہ کا مرکزی نقطہ تو آپ کے مولوی احتشام الحق تھانوی اور مولوی مفتی محمد شفیع دیوبندی تھے۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ ان کے گرفتار نہ ہونے میں کیا راز تھا؟

اتنی نہ بڑھا پاکئی دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبائلیہ کا حکایت دیکھ

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے دل خراش طرزِ مخاطب اور فرسودہ سوالات کے پیش نظر قلم اٹھانے کو دل نہ چاہتا تھا مگر اس کے باوجود آپ کو جواب دینے کی غرض سے نہیں بلکہ حق کو واضح کرنے کے لئے صرف ایک سوال کا جواب حوالہ قلم کرتا ہوں جو باوجود فرسودہ ہونے کے اہمیت رکھتا ہے اور باب عقائد میں اسے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

لیکن یہ عرض کردوں کہ میں بہت عظیم الفرصت ہوں اس لئے آپ میری اس تحریر کو پہلی اور آخری تحریر تصور فرمائیں۔ اگر آپ نے انصاف کی نظر سے میرا یہ مضمون پڑھا تو ان شاء اللہ دوبارہ کچھ لکھنے کی آپ کو ضرورت پیش نہ آئے گی۔ البتہ تعصب سے کام لیا گیا تو کسی مرحلہ پر بھی آپ مطمئن نہیں ہو سکتے۔

مختصر یہ کہ اگر اس تحریر کے بعد آپ مزید وضاحت کے طالب ہوں تو خط لکھنے کی بجائے آپ خود میرے پاس تشریف لے آئیں، ان شاء اللہ تعالیٰ زبانی معروضات سے دریغ نہ کروں گا مگر بار بار تحریر کے لئے میرے پاس وقت نہیں لہذا آئندہ اس سلسلہ میں کسی تحریر کی آپ مجھ سے توقع نہ رکھیں۔

میں نے اپنے اس مضمون میں بحث کے اہم ترین پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ نے اسے بغور پڑھ لیا تو مجھے امید ہے کہ آپ پر اپنے بقیہ سوالات جن کے جوابات ”الحق المبین“ میں آگئے ہیں، کی حقیقت بھی منکشف ہو جائے گی اور آپ سمجھ جائیں گے کہ ان کا اعادہ تصبیح اوقات کے سوا کچھ نہیں۔ اظہارِ حق کے لئے یہی ایک مضمون کافی ہے۔

وما توفیقی الا باللہ

سوال کا خلاصہ اور اس کا جواب

آپ کے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے تحذیر الناس کے تین بے ترتیب اور نامکمل فقرہ کو مسلسل کلام میں ایک فقرہ بنا کر کفری مضمون پیدا کر لیا۔ اس کے متعلق میری گزارش ہے کہ

یہ صحیح ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز نے تحذیر الناس کی تین عبارتوں کو مسلسل کلام میں بیان فرمایا ہے لیکن حضرت موصوف پر یہ الزام سراسر غلط ہے کہ انہوں نے تمام فقرہ کو مختلف صفحات سے لے کر ایک ہی فقرہ بنا ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ حسام الحرمین میں تحذیر الناس کی تین مستقل عبارتوں کا خلاصہ مسلسل کلام میں بیان کر دیا گیا ہے۔ حسام الحرمین کی عبارت حسب ذیل ہے

قاسم النانو توی صاحب تحذیر الناس وهو القاتل فیہ لو فرض فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم بل لو حدث

بعده صلى الله عليه وسلم بنى جديد لم يخل ذالك بخاتمته وانما يتخيل العوام انه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين بمعنى اخر النبيين مع انه لا فضل فيه اصلاً عند اهل الفهم. (حسام الحرمین ص ۱۰۰)

تخذیر الناس کی تین مستقل عبارتوں کا خلاصہ

اس عبارت میں تذہیر الناس کی تین مستقل عبارتوں کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ تین عبارتیں حسب ذیل ہیں

۱۔ ”غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔“ ص ۱۳

۲۔ ”ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا کہ اس پیچہ ان نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ ﷺ اور کسی کو افراد مقصودہ بالخلق میں سے مماثل نبوی ﷺ نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“ (ص ۲۳)

۳۔ ”بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تا کہ فہم جواب میں کچھ وقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ فرمایا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ ص ۳

عبارت امیں لفظ خاتم کو جس معنی میں تجویز کر کے یہ کہا گیا کہ ”اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب آپ کا خاتم ہونا باقی رہتا ہے۔“ وہی معنی مرزائی تجویز کرتے ہیں اور یہ ایسے معنی ہیں جنہیں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک کسی نے تجویز نہیں کیا۔

اعتراض غلط ہے

آپ کا یہ اعتراض کہ حسام الحرمین میں تین مختلف صفحات سے بے ترتیب تمام فقرہوں کو لے کر ایک ہی فقرہ بنا ڈالا قطعاً غلط ہے۔ ہم نے تذہیر الناس کے وہ تینوں بے ترتیب فقرے مختلف صفحات سے خط کشیدہ صورت میں نقل کر دیئے ہیں اور ساتھ ہی زائد عبارت بھی نقل کر دی ہے تاکہ ہر فقرہ کا تمام یا تمام ہونا اچھی طرح واضح ہو جائے۔ نیز ان کے مضمون کا وہ خلاصہ بھی ذہن نشین ہو جائے جسے حسام الحرمین میں بیان کیا گیا ہے۔

تینوں فقرے مستقل ہیں

ہر منصف حراج آدمی تذہیر الناس کے منقولہ بالا تینوں حوالوں کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ یہ تینوں مستقل فقرے ہیں۔ ص

۱۳ والے فقرے کا صاف و صریح مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی اگر کوئی نبی پیدا ہو جاتا تب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاتم النبیین ہونے میں کچھ فرق نہ آتا۔ ”بالفرض“ کے لفظ سے ”پیدا“ ہونے کے معنی نکلتے ہیں۔ کیونکہ پہلے انبیاء میں کسی نہ کسی نبی کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اقدس میں ہونا تو امر واقعی ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام۔ امر واقعی کو ”بالفرض“ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اس لئے زمانہ نبوی میں کہیں کسی اور نبی کا ہونا مطلقاً ”ہونے“ کے معنی نہیں دیتا بلکہ پیدا ہونے کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک مستقل مضمون ہے جسے مستقل فقرہ میں صاحب تحذیر الناس نے بیان کیا ہے۔

حضور ﷺ کے بعد جدید نبی

ص ۲۳ والے دوسرے فقرے کا واضح اور روشن مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد بھی اگر کوئی جدید نبی مبعوث ہو جائے تب بھی حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ یہ بھی ایک مستقل مفہوم ہے جسے مکمل عبارت میں صاحب تحذیر الناس نے بیان کیا ہے۔

ص ۳۰ والے تیسرے فقرے کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ ”تاخر زمانی میں فضیلت ماننا اور خاتم النبیین کے یہ معنی سمجھنا کہ حضور ﷺ سب سے پچھلے نبی ہیں، عوام کا خیال ہے، سمجھدار لوگوں کے نزدیک اس میں کچھ فضیلت نہیں۔ لہذا یہ معنی غلط ہیں کیونکہ اگر یہ معنی صحیح ہوں تو مقام مدح میں اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین فرمانا غلط ہو جائے گا۔“ یہ مضمون بھی مکمل ہے جسے مستقل عبارت میں لکھا گیا ہے۔

تینوں عبارتوں کا مطلب

ان تینوں عبارتوں اور ان کا واضح مطالبہ کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد یہ کہنا کہ مکمل اور بے ترتیب فقروں کو جوڑ کر کفریہ معنی پیدا کئے گئے ہیں، ہر اس ظلم اور زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟ تحذیر الناس کی ان تینوں عبارتوں کو ترتیب سے پڑھا جائے یا بے ترتیب، ایک عبارت کو پڑھا جائے یا تینوں کو، ہر ایک کا وہی مطلب ہوگا جو بیان کیا جا چکا ہے اور یہ تینوں عبارتیں اسلام کے تین اصولی عقیدوں کے خلاف ہیں۔

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں کبھی کسی نبی کا پیدا ہونا اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے مگر تحذیر الناس کی پہلی عبارت میں صاف مذکور ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی (پیدا) ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ ص ۳

۲۔ دوسری عبارت میں واضح طور پر مذکور ہے کہ ”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ ص ۳۰ حالانکہ بعد زمانہ نبوی ﷺ کسی نبی کے پیدا ہونے سے خاتمیت محمدی میں ضرور فرق آئے گا۔ حضور کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا اسلام کے بنیادی عقیدہ کے قطعاً مخالف ہے۔

۳۔ تیسری عبارت میں بھی صاف صاف مذکور ہے کہ ”عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدیم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت

نہیں پھر مقام مدح میں ”وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ غرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ ص ۳

ہر مسلمان قطعاً یقیناً جانتا ہے کہ حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا بلاشبہ اسی معنی میں ہے کہ حضور ﷺ کا زمانہ انبیاء سابقین کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ یہ عقیدہ اور اسی طرح پہلے دونوں عقیدے اسلام کے ان بنیادی عقائد میں سے ہیں جن کا منکر مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اعلیٰ حضرت پر الزام غلط ہے

ہم نے واضح کر دیا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام قطعاً بے بنیاد ہے کہ انہوں نے تحذیر الناس کے تین نامکمل غیر مرتب فقرہوں کو ملا کر ایک کفریہ مضمون پیدا کر دیا۔ نظر انصاف دیکھنے والا فوراً کہے گا کہ یہ الزام دروغ بے فروغ ہے بلکہ تحذیر الناس کی ہر عبارت اپنے مضمون میں مکمل اور مستقل ہے اور عینوں میں سے ہر ایک عبارت اسلام کے اصولی اور بنیادی عقیدہ کے خلاف غیر اسلامی نظریہ کی حامل ہے۔

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

حسام الحرمین کی عبارت پر دوسرا اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ تحذیر الناس کی عبارت یہ ہے کہ ”اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدیم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔“

لیکن حسام الحرمین میں اس کا عربی ترجمہ یوں کیا گیا کہ ”لا فضل فیہ اصلاً عند اہل الفہم“ ”بالذات“ کا لفظ اڑا دیا گیا جس سے تحذیر الناس کی عبارت میں کفری معنی پیدا ہو گئے۔ مگر اعتراض کرنے والوں نے یہ نہ دیکھا کہ اسی تحذیر الناس میں اسی عبارت کے آخر میں یہ بھی موجود ہے کہ

”پھر مقام مدح میں ”وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ غرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔“

اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے آخری نبی ہونا معاذ اللہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کو حضور کی مدح و تعریف میں بیان کیا جائے تو مطلقاً اس وصف مبارک میں فضیلت ہونے کا انکار ہوا۔ ایک عام انسان بھی جانتا ہے کہ مقام مدح میں ذکر کرنے کے لئے کسی وصف کا محض فضیلت ہونا کافی ہے عام اس سے کہ وہ بالذات ہو یا بالعرض۔ دیکھئے نا نوتوی صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماسوا تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو بالذات نہیں بلکہ بالعرض مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں ان کے وصف نبوت کا ذکر مقام مدح میں جایجا وارد ہوا ہے جس کا انکار نا نوتوی صاحب بھی نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا کہ مقام مدح میں کسی وصف کے ذکر کی صحت اس کے بالذات ہونے پر موقوف نہیں بلکہ مطلقاً فضیلت ہونا بھی صحت ذکر کے لئے کافی ہے۔ جب نا نوتوی صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہونا محض عوام کا خیال ہے اور وہ اس صورت میں یعنی خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونے کی تقدیر پر لفظ خاتم النبیین کو مقام مدح میں بیان کئے جانے کو صحیح نہیں مانتے تو صاف ظاہر ہو گیا کہ ان کی عبارت میں بالذات کا

لفظ بالکل مہمل اور بے معنی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے آخر النہیین ہونے میں ان کے نزدیک کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں، نہ بالذات نہ بالعرض۔ ورنہ وہ آخر النہیین کے معنی میں لفظ ”خاتم النہیین“ کے ذکر کو مقام مدح میں بلاتامل صحیح قرار دیتے۔ یہ ادعائے عدم صحت اس حقیقت پر آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ صاحب تحذیر الناس کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری نبی ہونے میں کوئی اصلاً فضیلت نہیں۔ لہذا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اردو عبارت کا جو مطلب عربی میں بیان فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ انہوں نے تحذیر الناس کی ہر سہ عبارات کے مطالب و معانی کو نقل کیا ہے۔ الفاظ و کلمات کی نقل کا حسام الحرمین میں کسی جگہ دعویٰ نہیں فرمایا۔ اگر کوئی شخص حسام الحرمین میں نقل الفاظ کے دعویٰ کا مدعی ہے تو وہ اس پر دلیل لائے ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ نقل الفاظ و کلمات کا دعویٰ ثابت نہ کر سکے گا اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ نقل بالمعنی کے لئے الفاظ و کلمات کو بعینہا نقل کرنا قطعاً ضروری نہیں۔ لہذا حسام الحرمین میں بالذات کا لفظ نہ ہونا ہرگز خیانت پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

مختصر یہ کہ حسام الحرمین میں تحذیر الناس کی مختلف مقامات سے جو تین عبارات نقل کی گئی ہیں وہ نا تمام فقرے نہیں ہیں بلکہ مستقل عبارات ہیں پورے پورے جملے ہیں اور ان میں سے ہر ایک جملہ بجائے خواہ ایک غیر اسلامی عقیدے کو بیان کرتا ہے۔ ان کی ترتیب بدل جانے سے ان کے مطالب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

وصف نبوت بالذات و بالعرض اور ختم ذاتی و زمانی

ساری امت مسلمہ کے نزدیک حضور ﷺ کے حق میں ختم زمانی کے معنی تو ظاہر ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تشریف لائے اور حضور ﷺ کا زمانہ سب نبیوں کے بعد ہوا۔ نا تو تو ہی صاحب اس ختم زمانی میں کچھ فضیلت نہیں مانتے۔ حتیٰ کہ مقام مدح میں اس کا ذکر ان کے نزدیک صحیح نہیں۔ جیسا کہ تحذیر الناس کی عبارت ص ۳ سے ہم نقل کر چکے ہیں۔

چہ زمینوں میں چہ خاتم النبیین

اصل بات یہ ہے کہ اثر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تسلیم کر لینے کے بعد اس کی توجیہ کرتے ہوئے ہمارے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بقیہ چہ زمینوں میں جو چہ خاتم النبیین نا تو تو ہی صاحب نے تجویز کئے ظاہر ہے کہ اس کے پیش نظر اثر مذکور دو وجہ سے آیہ کریمہ ”وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ“ کے مخالف قرار پاتا ہے۔ ایک یہ کہ اس آیت میں ”و خاتم النبیین“ کے معنی ساری امت کے نزدیک ”آخر النبیین“ ہیں جس کا مفاد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت دنیوی کا زمانہ سب نبیوں کی بعثت کے بعد ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ جس طرح قبلیت ”بعدیت“ کے معارض ہے اسی طرح ”معیت“ بھی ”بعدیت“ کے متافی ہے۔ لہذا کسی نبی کا حضور ﷺ کے بعد یا حضور ﷺ کی معیت میں مبعوث ہونا دونوں باتیں حضور ﷺ کے ”خاتم النبیین“ بمعنی ”آخر النبیین“ ہونے کے خلاف ہیں۔

دوسرے یہ کہ مقام مدح میں وصف مدح کا مدوح کے ساتھ خاص ہونا ضروری ہے۔ جب اثر مذکور کو صحیح مان کر ہمارے حضور ﷺ

کے ساتھ خرید چھ خاتم النبیین تسلیم کر لئے تو ”خاتم النبیین“ ہونا ہمارے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وصف خصوصی نہ رہا۔ لہذا آیت کریمہ ”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ باوجود مقام مدح میں وارد ہونے کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح نہ رہی۔

ایک نیا راستہ: نبوت کی تقسیم

ان دونوں باتوں کا مقتضایہ ہے کہ اثر مذکور معطل قرار دے کر ساقط الاعتبار کر دیا جاتا یا اس کی ایسی تاویل کی جاتی کہ مذکورہ بالا دونوں خرابیوں کا انسداد ہو جاتا، جیسا کہ محققین محدثین نے کہا ہے لیکن مصنف تحذیر الناس نے ایک نیا راستہ نکالا۔ اثر مذکور کی بجائے آیہ کریمہ ”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ کو اپنی تاویلات فاسدہ کا تختہ مشق بنالیا۔ وصف نبوت کو ”بالذات“ اور ”بالعرض“ کی طرف تقسیم کیا۔ دیکھئے وہ کہتے ہیں

”آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوائے آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض ہیں۔“ (تحذیر الناس ص ۴)

اور آیہ کریمہ ”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ کے معنی بیان کرتے ہوئے صاف کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا بایں معنی کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابقین کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں، عوام کا خیال ہے۔ بنائے خاتمیت تاخر زمانی کے بجائے نبوت بالذات کو قرار دیا۔

نبوت بالذات کو بنائے خاتمیت قرار دینا باطل ہے

بالذات اور بالعرض کی تقسیم شرعاً باطل ہے تو وصف نبوت بالذات کو بنائے خاتمیت قرار دینا بدہمت باطل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وصف ذاتی اور اصلی وصف عرض اور غیر اصلی سے افضل ہوتا ہے۔ لہذا ذاتی نبوت عرضی نبوت سے افضل قرار پائے گی۔ جیسا کہ خود صاحب تحذیر الناس نے تسلیم کیا ہے۔ اس تقدیر پر نفس نبوت میں تفصیل کا قول کرنا پڑے گا جو قرآن وحدیث اور علمائے امت کے مسلک کے منافی ہے۔ دیکھئے قرآن کریم میں ہے ”لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ“ اس آیہ کریمہ میں عدم تفریق من حیثیت النبوة والرسالة ہے۔

روح المعانی پارہ ۳ میں ہے

”لان المعبر عدم التفریق من حیث الرسالة دون سائر الحیثیات“ ۱۷ اور تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۵۶۹ میں ہے

”بل معنى الآية لا نفرّق بين أحد من رُسُلِهِ وبين أحد من غَيْرِهِ فى النبوة“ ۱۸

اور ابوالسعود دہباشی الکبیر جلد ۲ ص ۵۷۳ میں ہے

”لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ“ لان المعبرة عدم التفریق من حیث الرسالة دون سائر الحیثیات الخاصة۔ ۱۹

نبوت اور رسالت میں ذاتی و عرضی تفریق باطل ہے

مفسرین کرام کی عبارات کی روشنی میں آیہ کریمہ کا مفہوم صاف طور پر واضح ہو گیا کہ نبوت اور رسالت میں ذاتی اور عرضی کی تفریق اور اس بنا پر ادعائے تفضیل قطعاً باطل ہے۔

نفس نبوت میں تفضیل ممنوع ہے

اسی طرح حدیث شریف سے بھی ثابت ہے کہ نفس نبوت میں تفضیل ممنوع ہے۔ دیکھئے حدیث شریف میں وارد ہے
لا تخیرونی علی موسیٰ۔ الحدیث (مرفوع عن ابی ہریرہ بخاری جلد اول جزو ۹ باب الخصومات ص ۳۲۵)
یعنی شرح بخاری میں ہے

الخامس انه نهى عن التفضيل في نفس النبوة لا في ذوات الانبياء عليهم السلام وعموم رسالتهم وزيادة
خصائصهم وقد قال تعالى تلك الرسول فضلنا بعضهم على بعض. (یعنی جلد ۱ ص ۲۵۱ طبع جدید)
اس حدیث کے تحت حافظ علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں

وقيل النهي عن التفضيل انما هو في حق النبوة نفسها كقوله تعالى "لَا تَفَرِّقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ" ولم ينه عن
تفضيل بعض الذوات على بعض لقوله تعالى "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُم عَلَى بَعْضٍ". ۱ ھ (فتح الباری جلد ۶ ص
۳۴۶ طبع مصر)

علامہ قسطلانی بھی شرح بخاری میں حدیث ”ما ينبغي لاحد ان يقول خيرا من ابن متي“ کے تحت انہی الفاظ میں رقم طراز
ہیں۔ دیکھئے قسطلانی کتاب التفسیر سورۃ صافات جلد سابع ص ۳۱۵
”ای فی نفس النبوة اذ لا تفاضل فیہا نعم بعض النبین افضل من بعض کما هو مقرر ۱ ھ“
نیز اسی صفحہ پر آٹھ طر کے بعد فرماتے ہیں

”ونفس النبوة لا تفاضل فیہا اذ کلهم فیہا علی حد سواء کما مر“

اسی طرح بخاری شریف جلد اول ص ۴۸۴ باب وفات موسیٰ علیہ السلام کے حاشیہ میں حدیث ”لا تخیرونی علی موسیٰ“ پر
مرقوم ہے

”قوله لا تخیرونی علی موسیٰ وقيل النهي عن التفضيل انما هو في حق النبوة نفسها لقوله تعالى "لَا تَفَرِّقْ
بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ" لا في ذوات الانبياء وعموم رسالتهم لقوله تعالى "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُم عَلَى
بَعْضٍ". ۱ ھ

نیز حاشیہ بخاری میں حدیث ”ولا اقول ان احدا افضل من يونس بن متي“ جلد اول ص ۴۸۵ پر مسطور ہے

”قوله لا اقول ان احدا افضل ۱ ھ ای لا اقول ان احدا خیر من يونس من تلقای نفسی ولا افضل علیہ احدا

من حیث النبوة“ ۱ ھ

عبارات منقولہ کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر سامنے آگئی کہ ہمارے آقائے نامدار علیہ السلام سے لے کر حضرت

آدم علیہ السلام تک کسی نبی کی نبوت میں دوسرے نبی کی نبوت کے بالمقابل کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ نہ کسی نبی کا وصف نبوت کسی دوسرے نبی کے وصف نبوت سے کم و بیش ہو سکتا ہے ”لا تفضیل فی النبوة“ نفس نبوت میں قطعاً کوئی تفضیل نہیں۔ البتہ ذوات انبیائے کرام و رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں خصوصیات کی بنا پر ضرور تفضیل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ”تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ“ لہذا صاحب تحذیر الناس نے اپنے مذہب جدیدہ کی عمارت جس بنیاد پر قائم کی تھی وہ بنیاد ہی ختم ہو گئی۔ اب عمارت کی بھا کیونکر متصور ہو سکتی ہے؟

ایک اعتراض کا جواب

”الفرقان“ وغیرہ میں کم فہمی یا مغالطہ کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ ہمارا تمہارا دونوں کا متفق علیہ مسلک ہے کہ کسی کو کوئی کمال رسول کریم ﷺ کے واسطے کے بغیر نہیں ملا اور نبوت بھی کمال ہے۔ وہ حضور ﷺ کے واسطے کے بغیر کسی کو کیونکر مل سکتی ہے؟ لہذا مانا پڑے گا کہ ہر نبی کو وصف نبوت بواسطہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دیا گیا اور بالذات اور بالعرض سے یہی مراد ہے۔

اس کے جواب میں گزارش کروں گا کہ یہ ایک عجیب قسم کا مغالطہ ہے جس میں جہلاً تو متاثر ہو سکتے ہیں مگر ذی علم انسان کی نظر میں اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ نانوتوی صاحب نے حضور ﷺ کو وصف نبوت کے ساتھ بالذات موصوف مانا ہے جس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے تحذیر الناس میں لکھا ہے

”تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے ملکتب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر ملکتب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے معلوم ہے کسی غیر سے ملکتب اور مستعار نہیں ہوتا۔“ (تحذیر الناس ص ۳)

آگے چل کر لکھتے ہیں

”الغرض یہ بات بدیہی ہے کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہو جاتا ہے چنانچہ خدا کے لئے کسی اور خدا کے نہ ہونے کی وجہ اگر ہے تو یہی ہے۔“ (تحذیر الناس ص ۳)

ان دونوں عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ نانوتوی صاحب کے نزدیک وصف ذاتی سے وہ وصف مراد ہے جس پر وصف عرضی کا قصہ ختم ہو جائے جیسا کہ انہوں نے خدا کے لئے کسی اور خدا کے نہ ہونے کی یہی وجہ بیان کی ہے۔

لیکن امت مسلمہ کے نزدیک حصول کمال میں حضور ﷺ کے واسطہ ہونے سے یہ مراد نہیں کیونکہ حضور ﷺ ہر کمال کے حصول میں واسطہ ہیں خواہ وہ نبوت ہو یا غیر نبوت۔ حتیٰ کہ حصول ایمان میں بھی حضور ﷺ واسطہ ہیں۔ نانوتوی صاحب بھی اسی کے قائل ہیں۔

چنانچہ انہوں نے تحذیر الناس میں ارقام فرمایا

”اور یہ بات اس بات کو مستلزم ہے کہ وصف ایمانی آپ میں بالذات ہو اور مومنین میں بالعرض۔“ (تحذیر الناس ص ۱۲)

مگر آج تک کسی نے نہیں کہا کہ معاذ اللہ ایمان، علم، عمل، ایقان، ہدایت و تقویٰ کا سلسلہ حضور ﷺ پر ختم ہو گیا اور حضور ﷺ کے بعد کوئی مومن نہیں ہوا نہ صالح نہ متقی نہ مہتد، العیاذ باللہ بلکہ یہ سب اوصاف و کمالات اب بھی جاری ہیں اور آئندہ بھی جاری رہیں گے اور نبوت کے جاری نہ ہونے کی یہ وجہ آج تک کسی نے بیان نہیں کی کہ حضور ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام میں اس وصف کے عرضی ہونے کی وجہ سے موصوف بالعرض کا سلسلہ موصوف بالذات پر ختم ہو گیا بلکہ محض اس لئے کہ آیہ کریمہ ”وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ اور اسی طرح احادیث متواترہ المعنی حضور ﷺ کے آخری انبیئین ہونے پر دلالت قطعیہ کے ساتھ دال ہیں۔ ورنہ اگر وصف ذاتی کی بنا پر امت مسلمہ حضور ﷺ کی ذات مقدسہ پر سلسلہ نبوت ختم ہونے کی قائل ہوتی تو اسے بقیہ تمام اوصاف کو بھی اسی اتصاف ذاتی کی وجہ سے حضور ﷺ پر ختم کرنا پڑتا یعنی اس امر کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کہ نبوت کے ساتھ ایمان و ایقان، عمل و ہدایت و تقویٰ وغیرہ تمام اوصاف حسنہ بلکہ سب کمالات حضور ﷺ پر ختم ہو گئے۔ اب حضور ﷺ کے بعد معاذ اللہ نہ کوئی مومن ہے نہ متقی، نہ صالح نہ عالم۔ کیونکہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو گیا۔ مگر ایسی بات کا تسلیم کرنا تو درکنار اس کا تصور بھی اسلامی ذہن کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

واسطہ کمال نبوت ہونا اور نبوت سے
بالذات متصف ہونا ایک بات نہیں

معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کے مسلک کے مطابق حضور ﷺ کا واسطہ کمال نبوت ہونا اور صاحب تحذیر الناس کے قول کے مطابق حضور کا کمال نبوت ہے متصف بالذات ہونا ایک بات نہیں، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نا تو تو ہی صاحب کے قول پر نفس کمال نبوت میں تفضل کا قول کرنا پڑتا ہے جس کا بطلان ہم ابھی کتاب و سنت اور اقوال مفسرین و محدثین سے بیان کر چکے ہیں اور امت مسلمہ کے مسلک کی روشنی میں حضور کی ذات مقدسہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جس کی حقانیت پر آیہ کریمہ ”بَلِّغْ الرُّسُلَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ“ شاہد عدل ہے۔

الحمد للہ! اس بیان کی روشنی میں ”الفرقان“ کا یہ اعتراض صائب منشور ہو گیا اور حقیقت واقعیہ واضح ہو کر سامنے آ گئی۔

موصوف بالذات کے لئے تاخر زمانی کا لزوم

البتہ اس مقام پر پرستاران تحذیر کو سوچنا پڑے گا کہ موصوف بالذات پر موصوف بالعرض کے سلسلہ کو ختم کر کے تاخر زمانی کے لزوم کا قول کیسے قبیح نتائج منہج ہوتا ہے۔ اس قول کی بنا پر سد باب نبوت ہی کے لزوم پر بات ختم نہیں ہوتی بلکہ ایمان و ایقان، علم و عمل، ہدایت و تقویٰ غرض ہر خوبی اور ہر کمال کا دروازہ بند ہونا لازم آتا ہے اور نبی کریم ﷺ کے بعد جس طرح کسی نبی کے آنے کے استحالہ کا لزوم مانا گیا ہے اسی طرح مومن صالح متقی مہتد کے وجود کو بھی حضور کے بعد محال ماننا پڑتا ہے کیونکہ تحذیر الناس کا بنیادی نکتہ ہی یہ ہے کہ موصوف بالذات کے لئے تاخر زمانی لازم ہے۔

تخذیر الناس کی متنازعہ عبارات کے مطالب کی توضیح کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے یہ بتائیں کہ رسالہ تخذیر الناس کس مسئلہ پر لکھا گیا ہے۔ بنا بریں گزارش ہے کہ اس رسالہ تخذیر الناس کی بنیاد ایک استفتاء پر ہے جو قول منسوب الی عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق مانو تو وی صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے اور انہوں نے اس کے جواب میں رسالہ تخذیر الناس تحریر کیا۔ وہ قول مذکور حسب ذیل ہے

ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض ادم کما مکم ونوح کنو حکم و ابراہیم کابراہیمکم وعیسیٰ کعیساکم ونبی کبیکم۔ (تخذیر ص ۳)

(ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ نے سات زمیںیں پیدا کیں۔ ہر زمین میں آدم ہے تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہے تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم کی طرح اور عیسیٰ ہے تمہارے عیسیٰ کی طرح اور نبی ہے تمہارے نبی کی طرح

(علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ناقل)

☆ کتاب اللہ کوتاویلات کا تختہ مشق بناؤالا

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ ساتوں زمینوں میں ایک ایک نبی بلکہ خاتم النبیین پایا جاتا ہے۔ لہذا ہمارے رسول کریم خاتم النبیین کے علاوہ چھ خاتم بقیہ چھ زمینوں میں حرید ثابت ہوئے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول کی صحت علمائے محدثین کا اختلاف ہے۔ مگر صاحب تخذیر الناس نے اسے صحیح مان کر جواب لکھا ہے۔ چونکہ اس روایت کا مضمون آیہ کریمہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ“ کے خلاف ظاہر ہوتا تھا اس لئے صاحب تخذیر الناس نے اس بات کی کوشش کی کہ اس ظہور مخالف کو کس طرح دور کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے بجائے اس کے کہ وہ اس مختلف قول میں کوئی تاویل کرتے انہوں نے قرآن کریم کی آیہ کریمہ اور کتاب اللہ کی نص صریح کو اپنی تاویلات کا تختہ مشق بناؤالا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ”بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ”وَلٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ“ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ انہیں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ خل نہیں، کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اور دل کو ذکر نہ کیا۔ دوسرے رسول اللہ ﷺ کی جانب نقصان قدراحتمال ہے کیونکہ اہل کمال کے کمالات کا ذکر کیا

کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔ باقی یہ احتمال کہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے۔ البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔ پر جملہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ“ اور جملہ ”وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ میں کیا تناسب تھا جو ایک دوسرے کو عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو مستدرک قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب منظور ہی تھا تو اس کے لئے بیسیوں موقع تھے بلکہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آ جاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔“ (تحدیر الناس ص ۴۳)

اس عبارت میں صاحب تحدیر الناس نے مندرجہ ذیل غلطیاں کی ہیں جن کا ارتکاب مضمون آیت کے بالکل خلاف اور اسلامی عقائد کے صریح منافی ہے۔

تحدیر الناس میں نانوتوی صاحب کی غلطیاں

غلطی نمبر ۱ ☆ نانوتوی صاحب نے ایک ایسی روایت کی حمایت میں جس کی صحت محدثین کی نظر میں محل نظر ہے اور اس کا ظاہر مفہوم بھی آیہ قرآنیہ کے اجماعی مفہوم کے خلاف ہے، کلام الہی میں تاویلات فاسدہ کیں۔

غلطی نمبر ۲ ☆ قرآن میں لفظ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین مراد لینا عوام کا خیال بتایا۔

غلطی نمبر ۳ ☆ اہل فہم کے نزدیک تاخر زمانی کے وصف کو اس قابل نہ مانا کہ اسے مقام مدح میں ذکر کیا جائے۔

غلطی نمبر ۴ ☆ تاخر زمانی کو تقدیر پر آیہ کریمہ کے دونوں جملوں کو غیر مربوط اور استدراک کو غیر صحیح قرار دیا جو اللہ تعالیٰ کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔

غلطی نمبر ۵ ☆ آیہ کریمہ میں لفظ خاتم النبیین کو بمعنی آخر النبیین تسلیم کرنے پر اللہ تعالیٰ کے حق میں معاذ اللہ زیادہ گوئی کا وہم پیدا کیا۔

غلطی نمبر ۶ ☆ آیہ کریمہ میں لفظ خاتم النبیین سے آخر النبیین مراد لینے کی صورت میں معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کی جانب نقصان قدر کا احتمال قائم کیا۔

غلطی نمبر ۷ ☆ حضور ﷺ کے وصف آخر النبیین و دیگر اوصاف مثلاً حسب نسب اور سکونت وغیرہ میں کوئی فرق نہ جانا گویا نانوتوی صاحب کے نزدیک آخر النبیین ہونے کے وصف اور ہاشمی قریشی یا مکی مدنی ہونے کی صفت معاذ اللہ کوئی فرق نہیں حالانکہ ہاشمی قریشی یا مکی مدنی ہونے کی صفت تو بعض مشرکین کفار اور منافقین کے لئے بھی ثابت تھی مگر اس کے باوجود نانوتوی صاحب کو ان اوصاف اور

خاتم النبیین ہونے کی صفت میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔

غلطی نمبر ۸ ☆ آیہ کریمہ ”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ میں بنائے خاتمیت ختم ذاتی کو قرار دیا اور تاخر زمانی کو مبناء خاتمیت تسلیم نہ کیا حالانکہ عہد رسالت سے لے کر آج تک کسی مفسر نے تاخر زمانی کے سوا کسی اور بات کو بنائے خاتمیت قرار نہیں دیا۔

غلطی نمبر ۹ ☆ نبوت کو بالذات اور بالعرض کی طرف تقسیم کیا۔ مانوتوی صاحب کی یہ اتنی بڑی جرأت ہے جو چودہ سو برس کے عرصہ میں کسی مسلمان نے نہیں کی۔

غلطی نمبر ۱۰ ☆ مانوتوی صاحب کے نزدیک کلام الہی ”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ کا سوق رسول اللہ ﷺ کے تاخر زمانی کے بیان کرنے کے لئے نہیں ہوا بلکہ سوق کلام خاتمیت ذاتیہ کے لئے ہوا جس کا مفاد یہ ہے کہ آیت کریمہ ”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ مانوتوی صاحب کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آخر النبیین ہونے کے بعد معنی میں نص نہیں۔

غلطی نمبر ۱۱ ☆ مانوتوی صاحب کے نزدیک ختم زمانی کے لئے تاخر ذاتی لازم ہے حالانکہ یہ بات بدہمت باطل ہے۔ جیسا کہ ان شاء اللہ اس پر تنبیہ کی جائے گی۔

غلطی نمبر ۱۲ ☆ مانوتوی صاحب نے آیہ کریمہ ”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ کی تفسیر کرتے ہوئے خرق اجماع کیا اور وہ تقریر کی جس کی طرف علماء امت میں سے کسی کا ذہن منتقل نہ ہوا تھا۔

غلطی نمبر ۱۳ ☆ مانوتوی صاحب کے نزدیک ختم زمانی کے مقابلہ میں ختم ذاتی حضور ﷺ کے شایان شان ہے، ختم زمانی نہیں۔

غلطی نمبر ۱۴ ☆ اس بحث میں مانوتوی صاحب نے ایک دعویٰ کی دلیل بیان کرتے ہوئے ص ۵ پر لکھا کہ

”انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل سو اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔“

اس عبارت میں مانوتوی صاحب نے انبیاء علیہم السلام کا اپنی امت سے ممتاز ہونا صرف علم میں منحصر فرمایا ہے۔ باقی رہے اعمال تو ان میں امتی کے مساوی ہو جانے بلکہ بڑھ جانے کو بھی تسلیم کر لیا ہے اور لفظ ”بظاہر“ محض بظاہر ہے۔ کیونکہ لفظ ”ہی“ کے ساتھ حصر ہو چکا جس میں مساویہ کو رکھی گئی ہوتی ہے تو اس کے ضمن میں امتیازی فی العمل کی نفی ہو چکی۔ اب لفظ ”بظاہر“ سے کیا فائدہ ہوا؟ یہاں یہ لفظ ”بظاہر“ ایسا ہی مہمل اور بے معنی ہے جیسا کہ ص ۳ کی عبارت میں لفظ ”بالذات“ بے معنی اور مہمل تھا۔

ہمیں الزام دینے والے اپنے گریبان میں منہ ڈالیں

لوگ ہم پر الزام عائد کرتے ہیں کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے بارے میں حدود شرعی کتاب و سنت کے ارشادات و علمائے امت کی تصریحات سے بے نیاز ہو کر جو کچھ ان کے دل میں آتا ہے کہہ دیا کرتے ہیں اور کبھی اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ قرآن و حدیث اور سلف صالحین نے اس مسئلہ میں کیا فیصلہ کیا ہے لیکن میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہمیں مورد الزام قرار دینے والے ذرا اپنے گریبانوں میں منہ

ڈال کر دیکھیں کہ ان کے سب سے بڑے مقتدا (بزع ایشان قاسم العلوم والخیرات) مانو تووی صاحب نے کیا گل کھلائے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تحذیر الناس لکھتے وقت مانو تووی صاحب کے پیش نظر حضور ﷺ کے فضل و کمال کے اثبات سے زیادہ اپنے کمال علمی کا اظہار تھا جس کا نتیجہ ان اغلاط کی صورت میں ظاہر ہوا۔ پرستارانِ تحذیر کے اس ادعا سے اختلاف کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ مانو تووی صاحب نے یہ رسالہ حضور ﷺ کے کمالِ فضل کو ثابت کرنے کی غرض سے لکھا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ غرض پوری بھی ہوئی یا نہیں۔ میں عرض کروں گا کہ ہرگز یہ غرض پوری نہیں ہوئی۔ مانو تووی صاحب نے اپنے قیاساتِ فاسدہ کو معیارِ فضیلت سمجھا ہے جس کی بنا پر ختم ذاتی کی دواراز کا تاویل میں انہیں جانا پڑا اور نبوت کی تقسیم بالذات اور بالعرض کی جرأتِ عظیمہ سے کام لینے پر وہ مجبور ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ فضیلت صرف اس وصف میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے موجبِ فضیلت قرار دیا۔ قرآن و حدیث کو لا کھ بار پڑھ جائے ختم ذاتی اور نبوت بالذات کا کوئی ذکر آپ کو نہ ملے گا۔ نہ عہد رسالت سے لے کر آج تک کسی مفسر و محدث یا متکلم و مجتہد نے ان باتوں کا ذکر کیا۔ جس چیز کو قرآن و حدیث اور سلف صالحین نے فضیلت قرار نہیں دیا۔ مانو تووی صاحب اسے مدارِ فضیلت اور بنائے خاتمیت قرار دیتے ہیں۔ یہ کتاب و سنت و ارشاداتِ سلف صالحین کی طرف سے آنکھیں بند کر کے حد و شرع سے تجاوز کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

تحذیر الناس کی چودہ غلطیاں

سطحی نظر ڈالنے سے مذکور ہوا چودہ غلطیاں سامنے آئیں۔ بہ نظر غائر دیکھنے سے نامعلوم اور کتنی اغلاط نکلیں گی اس کے بعد ہر غلطی پر اس کے مناسب روشنی ڈالتا ہوں تاکہ حقیقت حال بے نقاب ہو کر سامنے آجائے۔

غلطی نمبر ۱☆ اس کے متعلق میں عرض کرتا ہوں کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے تب بھی وہ ایک ظنی قول ہو گا جو آیہ کریمہ ”وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ“ کے ظاہر معنی کے منافی ہے اور آیہ کریمہ قطعی ہے۔ ظنی کی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے قطعی میں تاویل کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ پھر تاویل بھی ایسی جو انتہائی رکیک بلکہ دلیل قطعی کے مدلول قطعی کے بالکل مخالف

محققین صوفیہ کی تاویل

محققین صوفیہ نے بھی روایت مذکورہ کو قولِ خداوندی ”وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ“ کے ساتھ ملا کر دیکھا تو انہوں نے دونوں کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قولِ خداوندی میں تاویل کو جائز نہیں رکھا بلکہ اس روایت میں تاویل کی اور اسے عالم شہادت کی بجائے عالم مثال پر محمول کیا اور یہ کہا کہ جس آدم، نوح، ابراہیم، عیسیٰ اور نبی کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بقیہ چھ زمینوں میں ہونا اس روایت میں مذکور ہے وہ ہماری اس زمین کے آدم، نوح، ابراہیم، عیسیٰ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین و بارک وسلم کے غیر نہیں بلکہ ان مقدسین کے حقائق مثالیہ ہیں اور یہ کہ یہاں کاف حرف تشبیہ زائد ہے جیسا کہ ”لیس کمثلہ شیء“ میں کاف کے بارے میں

ایک قول اس کے زائد ہونے کا کتب نحو میں مذکور ہے مگر ناتوتوی صاحب کو اپنی جودت طبع کا مظاہرہ کرنا مقصود تھا اس لئے انہوں نے ظنی کے مقابلہ میں قطعی کو اپنی تاویلات کا تختہ مشق بنالیا۔

غلطی نمبر ۲ ☆ اس کے متعلق گزارش ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی خاتم النبیین کی تفسیر میں ”لا نبی بعدی“ فرما کر لفظ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین متعین فرمادیئے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہے کہ ”انا خاتم النبیین لا نبی بعدی“ اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب بالاتفاق خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہی سمجھتے رہے جس کا انکار ملحدین کے سوا کوئی کلمہ گو مدعی اسلام نہیں کر سکتا اور آج تک امت مسلمہ کا اجماع اسی بات پر ہے کہ قول خداوندی ”وَلَا يَكُن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہی بغیر کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے۔ جیسا کہ ”ختم النبوة فی الآثار“ مرتبہ مفتی محمد شفیع صاحب حال مقیم کراچی کے ص ۹ پر شفا قاضی عیاض سے نقل کر کے اس کا اردو ترجمہ بھی مؤلف نے خود ہی کر دیا ہے جو پرستارانِ تحذیر پر حجت قویہ ہے۔ دیکھئے وہ لکھتے ہیں

”لانه اخبر انه صلى الله تعالى عليه وسلم خاتم النبیین ولا نبی بعده و اخبر عن الله تعالى انه خاتم النبیین واجمعت الامة على حمل هذا الكلام على ظاهره وان مفهوم المراد به دون تاویل ولا تخصیص فلا شك فی كفر هؤلاء الطوائف كلها قطعاً اجماعاً سمعاً۔“

(ترجمہ) اس لئے کہ آپ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام بالکل اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہی بغیر کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے۔ پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شک نہیں جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔“

ایسی صورت میں خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کو عوام کا خیال قرار دینا معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ اور اس وقت تک ساری امت کو عوام میں شمار کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک عجیب قسم کا مغالطہ

اس مقام پر ناتوتوی صاحب کی کسی دوسری کتاب سے حسب ذیل عبارت پیش کر کے ایک عجیب قسم کا مغالطہ دیا جاتا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے

”جز انبیاء کرام علیہم السلام یا را سخان فی العلم ہمد عوام اند“

”مدیر الفرقان“ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے

”باب تفسیر میں سوائے انبیاء علیہم السلام اور را سخان فی العلم کے سب عوام ہیں۔“

لیکن اس کا مطلب صاف واضح ہے کہ تفسیر کے باب میں انبیاء علیہم السلام اور راہنہ فی العلم کے سوا کسی کا قول معتبر نہیں۔ اس عبارت میں لفظ ”عوام“ انبیاء علیہم السلام اور راہنہ فی العلم کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ہی دونوں کے اقوال مبارکہ باب تفسیر میں حجت ہیں اس لئے یہاں لفظ ”عوام“ سے قطعاً وہی لوگ مراد ہیں جن کا قول باب تفسیر میں لائق التفات نہیں۔ بخلاف عبارت تحذیر کے وہاں لفظ ”عوام“ اہل فہم کے مقابلہ میں لایا گیا ہے اس لئے اس کے معنی کم فہم اور نا سمجھ لوگوں کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ ”الاشیاء تبین باضدادھا“ چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔

عام محاورہ میں بھی لفظ ”عوام“ اگر حکومت کے مقابلہ میں بولا جائے تو اس سے صاف طور پر رعایا کے افراد مراد ہوں گے۔ عام اس سے کہ وہ افراد علماء و راہنہ ہوں اور عارفین صالحین یا ان پڑھ جاہل اور اشرار و مفسدین لیکن یہی لفظ ”عوام“ اگر علماء کے مقابلہ میں بولا جائے تو اس سے صرف غیر عالم افراد مراد ہوں گے خواہ وہ لوگ ارباب حکومت ہوں یا ان کے ماسوا۔

پیش کردہ عبارت کا مفاد

بنابر اس پیش کردہ عبارت کا مفاد یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ لفظ ”عوام“ جس کلام میں بھی وارد ہو وہاں انبیاء کرام اور راہنہ فی العلم کے ماسوا مراد ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ کے معانی ان کے مقابلات سے واضح ہو جایا کرتے ہیں اور مقابلات کے بدل جانے سے مرادی معنی بدل جاتے ہیں لہذا ایک کا قیاس دوسرے پر قیاس مع الفارق ہے۔ معلوم ہوا کہ ص ۳۳ والی عبارت میں لفظ ”عوام“ سے محض نا سمجھ لوگ مراد ہیں اور بس۔ علاوہ ازیں میں عرض کروں گا کہ جب نانوتوی صاحب باب تفسیر میں انبیاء علیہم السلام اور راہنہ فی العلم کے سوا سب کو عوام کہتے ہیں تو وہ خود بھی عوام میں شامل ہوئے ایسی صورت میں خاتم النبیین کی تفسیر میں نانوتوی صاحب کا ختم ذاتی کا قول کیونکر قابل التفات ہو سکتا ہے؟

نانوتوی صاحب کے نزدیک سب عوام ہیں

اس بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ نانوتوی صاحب کے نزدیک لفظ ”خاتم النبیین“ کو ”آخر النبیین“ میں لینے والے نا سمجھ عوام ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خاتم النبیین کو آخر النبیین کے معنی میں کس کس نے لیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ حسب زعم نانوتوی صاحب وہ نا سمجھ عوام کون لوگ ہیں؟ تو ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ و خلفائے راشدین صحابہ کرام اہل بیت اطہار ائمہ مجتہدین علماء راہنہ سب نے لفظ خاتم النبیین کو آخر النبیین کے معنی میں لیا ہے۔ لہذا جمعیت رسول اللہ ﷺ تمام اختیار امت بلکہ کل امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام الخیۃ معاذ اللہ نا سمجھ عوام میں داخل ہو گئے۔

حیرت ہے کہ صاحب تحذیر الناس نے اس تاویل کے وقت اس بات کا بھی خیال نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی عوام میں شامل ہو جائے گی۔

اس مقام پر ایک اور مغالطہ کا دور کرنا بھی ضروری ہے وہ یہ کہ ”نانوتوی صاحب نے خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین لینے کو عوام کا خیال نہیں کہا بلکہ لفظ خاتم النبیین کو آخر النبیین کے معنی میں منحصر کرنے کو عوام کا خیال کہا ہے۔“ میں عرض کروں گا کہ اول تو عبارت تحذیر میں حصر کا کوئی کلمہ نہیں دوم یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک کسی نے اس آیہ کریمہ میں خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے سوا کئے ہی نہیں۔ اس لفظ کے بس یہی ایک معنی منقول متواتر ہیں۔ جب تک کوئی اور معنی منقول ثابت نہ ہو جائیں ان ہی معنی میں آیہ کریمہ کی قطعی مراد منحصر رہے گی اور کوئی ایسے معنی جو اس معنی یا اس کی قطعیت کے خلاف ہوں ہرگز صحیح نہ ہوں گے۔

لفظ خاتم النبیین کی توجیہات

ہاں یہ ممکن ہے کہ لفظ خاتم النبیین کی بے شمار ایسی توجیہات نکلتی رہیں جو اس کے مدلول قطعی معنی متواتر کی مؤید اور اس کے موافق ہوں۔ کیونکہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف مطالب لاتعداد لا تخصی کا حامل ہے لیکن معنی منقول متواتر کو عوام کا خیال قرار دے کر اس لفظ کو ایسے معنی پر حمل کرنا جو کتاب و سنت کی روشنی میں باطل ہیں کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

اگر نانوتوی صاحب لفظ خاتم النبیین کے معنی منقول متواتر آخر النبیین کو قطعی مان کر لفظ خاتم النبیین کی کوئی ایسی توجیہ کرتے جو فی الواقع معنی آخر النبیین کے منافی نہ ہوتی تو ہمیں نانوتوی صاحب سے قطعاً کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کی بجائے لفظ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین مراد لینے کو عوام کا خیال قرار دے کر دین کے معاملہ میں انتہائی بے باکی اور جرأت سے کام لیا ہے۔

لفظ خاتم النبیین کا آخر النبیین کے معنی میں حصر اور پھر اس پر اجماع امت

باوجودیکہ تحذیر الناس کی اس پوری عبارت میں حصر کا کوئی کلمہ مذکور نہیں لیکن اسے فرص کر لینے کے بعد بھی حامیان تحذیر کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور نانوتوی صاحب اس الزام سے ہرگز نہیں بچ سکتے جو ان کے کلام کی روشنی میں ان پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم شفا قاضی عیاض کی عبارت اور ختم البدوۃ فی الآثار میں اس کے ترجمہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ خاتم النبیین اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور اس سے بلا تاویل و تخصیص وہی معنی مراد ہیں جو ظاہر لفظ سے سمجھے جاتے ہیں اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہونا قطعی اور اجماعی امر ہے اسی طرح اس لفظ خاتم النبیین کا آخر النبیین کے معنی میں ہونا بھی ساری امت کے نزدیک قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔

رہا یہ امر کہ شفا شریف اور ختم البدوۃ فی الآثار کی عبارت میں حصر بالنسبۃ الی تاویل الملاحدہ ہے تو اس جواب کی حیثیت خرط القتاد سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ خاتمیت کی تقسیم ختم زمانی اور ذاتی کی طرف آج تک کسی مفسر نے نہیں کی بلکہ لفظ خاتم النبیین کی تاویل ایسی خاتمیت ذاتیہ کے ساتھ کر کے مرزائی رسول اللہ ﷺ کے آخر النبیین ہونے کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ مدیر الفرقان نے بھی خاتم الاطباء کی مثال

پیش کی ہے معلوم ہوا کہ خاتمیت ذاتیہ کی تاویل بھی تاویلاتِ ملاحظہ میں داخل ہے۔ ان سب کی نفی اس حصر کے ضمن میں یقیناً آگئی۔ لہذا نانوتوی صاحب پر جو الزام تھا وہ بدستور باقی رہا۔

مولانا احمد حسن کانپوری اور علامہ بحر العلوم لکھنوی کی عبارت کا جواب

اس مقام پر مولوی منظور احمد صاحب نعمانی نے الفرقان میں مولانا روم علیہ الرحمہ کی مثنوی شریف کے دو شعر اور علامہ بحر العلوم شارح مثنوی و مولانا محمد حسن کانپوری محشی مثنوی شریف کی عبارت صاحب تحذیر الناس کے بیان کئے ہوئے معنی خاتم النبیین (خاتم بالذات) کی تائید میں پیش کی ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آیہ ”و خاتم النبیین“ کے معنی کو آخر النبیین میں منحصر سمجھنا غلط ہے۔ چنانچہ الفرقان جلد ۴ ص ۵۶ پر لکھتے ہیں

”علامہ لکھنوی بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ”فتح الرحمن“ سے نقل ہیں ”مقتضائے ختم رسالت دو چیز است یکی آنکہ بعدری رسول نباشد دیگر آنکہ شرع آں عام باشد۔“ (دافع الوسواس ص ۲۲)

جواباً عرض ہے کہ اس عبارت میں لفظ خاتم النبیین کے معنی حصر کو نہیں توڑا گیا بلکہ دو چیزوں کو ختم رسالت کا مقتضا بتایا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب ”خاتم النبیین“ کے معنی ”آخر النبیین“ ہوں گے تو اس کا مقتضا یقیناً یہی ہوگا کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہ آئے اور حضور ﷺ کے بعد کسی نبی یا رسول کے آنے کا مقتضا یہی ہے کہ حضور ﷺ کی شرع عام ہو۔ لہذا اس عبارت سے نانوتوی صاحب کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔

مثنوی شریف کے دو شعروں کا جواب

رہے وہ دو شعر جو مثنوی شریف سے نقل کئے گئے ہیں تو ان کے مضمون سے بھی صاحب تحذیر الناس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مولانا علیہ الرحمہ نے یہ نہیں فرمایا کہ آیہ کریمہ میں لفظ ”خاتم النبی“ کو بمعنی ”آخر النبیین“ لیا عوام کا خیال ہے نہ قرآن کے لفظ ”خاتم“ کی تفسیر خاتم ذاتی سے کی بلکہ مولانا روم کے اس شعر میں کہ

بہر ایں خاتم شدہ است او کہ بجود
مثل اونے بود نے خواہند بود

لفظ خاتم کے ساتھ حضور ﷺ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے صرف اتنی بات فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں روح پاک محمد ﷺ پر اپنی بخشش اور کمال صفت کو ختم کر دیا۔ روح پاک کے بعد نہ زمانہ ماضی میں کسی کو یہی جود و کمال دیا گیا اور نہ قیامت تک دیا جائے گا۔

ذرا غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا علیہ الرحمہ نے لفظ خاتم کو ختم زمانی ہی کے معنی میں لیا ہے کیونکہ مصرعہ

مثل اونے بود نے خواہند بود

کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں روح محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بخشش اور کمال صنعت کی فضیلت دینے کے بعد کسی کو یہ فضیلت عطا نہیں فرمائی نہ آپ کے بعد کسی کو عطا فرمائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کا مثل ہوا ہے نہ ہوگا۔ ماضی اور مستقبل میں بعدیت کے معنی تاخر زمانی نہیں تو اور کیا ہے؟

اب دوسرا شعر ملاحظہ فرمائیے

چونکہ در صنعت بروے استاد دست
نے تو کوئی ختم صنعت بروے است

پہلے شعر میں کہی ہوئی بات کے لئے مولانا علیہ الرحمۃ نے اس شعر میں ایک مثال پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اپنے فن کا کمال رکھنے والے استاد کو کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ کمال تم پر ختم ہے یعنی تمہارے سوا کسی کو نہیں دیا گیا ایسے ہی حضور ﷺ ہر کمال علمی و عملی میں گویا استاد کامل ہیں اور یہ کمال حضور کو دیئے جانے کے بعد کسی کو نہیں دیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کمال کے خاتم ہیں۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غیر میں کسی جمال کی کوئی جھلک پائی جائے یا کسی کے لئے کمال محمدی کا کوئی ایسا فیضان ثابت کیا جائے جس کا اثبات کسی دلیل شرعی کے خلاف نہ ہو تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی ذات مقدسہ اس کا مبداء اور اصل منشاء ہے۔ اس مضمون کو تحذیر الناس کے مضمون سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ کیونکہ یہاں خاتم کے معنی منقول متواتر میں قطعاً کوئی تصرف نہیں کیا گیا نہ اس مضمون میں کوئی ایسی بات ہے جو خاتم النبیین کے معنی منقول متواتر (آخر النبیین) کی قطعیت کے منافی ہو۔

شراحین مثنوی کی تصریحات حق ہیں

ہاں اس میں شک نہیں کہ مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ و دیگر شارحین مثنوی و اکابر علمائے اعلام نے بے شمار مقامات پر اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ کسی کو کوئی کمال حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدسہ اس کے لئے واسطہ اور وسیلہ نہ ہو۔ یہ تمام تصریحات کتاب و سنت کی روشنی میں عین حق و صواب ہیں لیکن اس سے حضور ﷺ کے تاخر زمانی یا اس کی قطعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بخلاف اس تحذیر الناس کے کہ اس میں تاخر زمانی کو عوام کا خیال کہہ کر لفظ خاتم النبیین کے مدلول قطعی کی قطعیت کو بجر و جبر کر دیا گیا اور تاخر زمانی کو برقرار رکھنے کے لئے کبھی دلالت التزامی کا سہارا لیا گیا، کبھی عموم و اطلاق کے زور سے الفاظ قرآن کی کھینچ تان کی گئی، کبھی مفہوم تاخر کو جنس اور اس تاخر زمانی ورتبی کو اس کے لئے انواع قرار دیا گیا، کبھی مشترک کا قول کیا گیا، کبھی حضور ﷺ کے بعد مدعی نبوت کی تکفیر کے لئے اجماع کا سہارا ڈھونڈا گیا۔ غرض یہ سب پا پڑ اس لئے بیلے پڑے کہ ختم زمانی کو اصل دلیل آیہ کریمہ ”وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ“ کے معنی منقول متواتر کو انہوں نے خیال عوام قرار دے دیا۔

قرآن صرف الفاظ نہیں بلکہ معنی بھی قرآن ہیں

حالانکہ یہ امر بدیہی ہے کہ قرآن صرف الفاظ کا نام نہیں بلکہ ”القرآن اسم للنظم والمعنی جمیعاً“ قرآن لفظ و معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ قرآن کے معنی متواتر بھی اسی طرح قرآن ہیں جس طرح الفاظ متواتر قرآن ہیں۔ ہمیں نا تو توئی صاحب سے یہ شکوہ نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے تاخر زمانی تسلیم نہیں کی، یا یہ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد مدعیان نبوت کی تکذیب و تکفیر نہیں کی۔ انہوں نے یہ سب کچھ کیا مگر قرآن کے معنی منقول متواتر کو عوام کا خیال قرار دے کر اپنے سب کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ بنائے خاتمیت تاخر زمانی کے علاوہ اور بات پر رکھنا اصولی طور پر ختم نبوت کی بنیاد کو اکھاڑنا ہے خواہ لاکھ دفعہ حضور کے بعد مدعی نبوت کی تکفیر کی جائے۔

فضیلت نبوی کے دوبالا ہونے کا جواب

رہا یہ امر کہ تحذیر الناس کی توجیہ پر رسول اللہ ﷺ کی فضیلت دوبالا ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ حریذ چھ خواتم کے خاتم قرار پاتے ہیں اور اگر اس توجیہ کو چھوڑ دیا جائے تو صرف اسی ایک طبقہ زمین کے لئے حضور خاتم ہوں گے اور ظاہر ہے کہ کسی بادشاہ کے لئے صرف ایک ملک کی ولایت ہونے سے چھ ملکوں کی ولایت ہونا چھ گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہمارے رسول ﷺ تمام جہانوں کے لئے رسول ہیں اور آپ کی نبوت و رسالت کل مخلوقات کے لئے عام ہے تو بقیہ چھ زمینوں میں بھی اگر حضور بذات خود ہی خاتم ہوں تو اس میں فضیلت اور بھی زیادہ ثابت ہوگی کہ باوجود ایک ہونے کے زمین کے ہر طبقہ میں خود ہی خاتم النبیین ہو کر رونق افروز ہیں۔ محققین محدثین نے صوفیا کرام کے اسی مسلک کو ترجیح دی ہے جسے ہم عنقریب فیض الباری کے حوالہ سے نقل کریں گے۔

صاحب تحذیر کا آیہ قرآنیہ کے معنی میں تصرف

صاحب تحذیر نے خاتم النبیین کے معنی میں جو تصرف کیا ہے اس کے ثبوت میں نہ کوئی آیہ قرآنیہ پائی جاتی ہے نہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث نہ کسی صحابی، تابعی، مجتہد، فقیرہ، محدث یا مفسر کا کوئی قول اس کے ثبوت میں موجود ہے بلکہ نفس نبوت میں تفصیل کی ممانعت ہم قرآن و حدیث اور اقوال مفسرین و محدثین سے ثابت کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود نا تو توئی صاحب کا نبوت کو بالذات اور بالعرض کی طرف تقسیم کر کے اثر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ذیل میں خاتمیت کے ایسے معنی بیان کرنا جو رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک ساری امت مسلمہ میں کسی نے نہیں کئے ”من أحدث فی امرنا هذا ما لیس منه فہو رد“ کا مصداق نہیں تو اور کیا ہے؟

نا تو توئی صاحب کا اعتراف

نا تو توئی صاحب نے تحذیر الناس ص ۲۰ میں خود اعتراف کیا ہے کہ اس مفہوم کی طرف بڑوں کا فہم نہیں پہنچا۔ یہ بات صرف میں نے کہی ہے (ملخصاً) اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اسی کا نام بدعت سیئہ ہے۔ دوسروں کو بلا وجہ بدعتی کہنے والے ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں۔

حدیث ”انی عند اللہ خاتم النبیین“ کا جواب

مولوی منظور احمد صاحب سنبھلی نے نانوتوی صاحب کی تائید میں خاتم النبیین کے معنی خاتم بالذات ثابت کرنے کے لئے حسب ذیل حدیث الفرقان میں لکھی ہے ”انسی عند اللہ خاتم النبیین وان ادم لمتجدد فی طینہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت خاتم النبیین ہو چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام کا خمیر بھی تیار نہ ہوا تھا۔“ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مولوی منظور احمد صاحب لکھتے ہیں

ظاہر ہے کہ اس وقت ختم زمانی کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں، اگر یہ معنی لئے جائیں کہ آپ اس وقت وصف نبوت کے ساتھ بالذات موصوف یعنی خاتم ذاتی تھے تو بغیر کسی دشواری کے معنی صحیح ہو جاتے ہیں۔ الفرقان بابت رجب ۵۶ھ ص ۱۳۵، ۱۳۶

جواباً گزارش کرتا ہوں کہ اگر مولوی منظور احمد صاحب نعمانی اس حدیث سے ختم ذاتی کا دعویٰ ثابت کرنے سے پہلے اپنے حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی نشر الطیب ملاحظہ فرما لیتے تو انہیں جرأت استدلال نہ ہوتی۔ ملاحظہ فرمائیے نشر الطیب میں ان کے مولانا اشرف علی تھانوی اسی حدیث عرباض بن ساریہ کو لکھ کر ایک شبہ کا جواب اپنے منہیہ میں اس طرح دیتے ہیں

”اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت ختم نبوت کے ثبوت بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی کیونکہ نبوت آپ کو چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور چونکہ آپ سب انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے اس لئے ختم نبوت کا حکم کیا گیا۔ سو یہ وصف تو خود تا آخر کو متفقہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ تا آخر مرتبہ ظہور میں ہے، مرتبہ نبوت میں نہیں۔ جسے کسی تحصیلداری کا عہدہ آج مل جائے اور تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر ظہور ہو گا کسی تحصیل میں جانے کے بعد“ ۱۲۱ منہ (نشر الطیب ص ۷)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حدیث مذکور میں رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا مرتبہ نبوت مراد ہے، مرتبہ ظہور میں نہیں اور ظاہر ہے کہ ختم زمانی کا تحقق مرتبہ ظہور ہی میں ہو سکتا ہے۔ لہذا سنبھلی صاحب کا استدلال ساقط ہو گیا۔ تعجب ہے کہ ان لوگوں کو اپنے گھر کا بھی پتا نہیں یا باوجود معلوم ہونے کے ناواقف لوگوں کو مغالطہ دے کر حق کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

غلطی نمبر ۳ ☆ اس غلطی کے متعلق میں عرض کروں گا کہ ہر اہل فہم بلکہ ادنیٰ سمجھ رکھنے والے کے نزدیک بھی حضور ﷺ کا آخر النبیین ہونا یقیناً ایسی فضیلت ہے جس کا مقام مدح میں ذکر کیا جانا بلاشبہ صحیح اور درست ہے۔ مقام مدح میں ذکر کرنے کے لئے کسی فضیلت کا ذاتی ہونا ہرگز ضروری نہیں بلکہ فضیلت بالعرض اور وصف اضافی کا ذکر کرنا بھی مقام مدح میں صحیح ہے۔ کما لا یخفی۔ یقین نہ ہو تو خود نانوتوی صاحب سے پوچھ لیجئے کہ وہ حضور ﷺ کے سوا تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالعرض مانتے ہیں لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں جا بجا ان کے وصف نبوت کا ذکر فرمایا ہے۔ ثابت ہوا کہ فضیلت بالعرض کا مقام مدح میں ذکر کرنا قطعاً یقیناً صحیح و درست ہے۔ ایسی صورت میں صاحب تحذیر الناس کا یہ کہنا کہ

”پھر مقام مدح میں ”وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ“ غرمانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟“

اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مؤلف رسالہ تحذیر الناس مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کے نزدیک حضور ﷺ کے

وصف خاتمیت زمانی میں قطعاً جزماً یقیناً کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں پائی جاتی ورنہ مقام مدح میں اس کے ذکر کو وہ ہرگز غیر صحیح قرار نہ دیتے کیونکہ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ ہر فضیلت بالذات ہو یا بالعرض مقام مدح میں اس کا ذکر کرنا صحیح ہے۔ لہذا واضح ہوا کہ جس چیز کا ذکر مقام مدح میں صحیح نہ ہو اس میں بالذات یا بالعرض کسی قسم کی کوئی فضیلت اصلاً نہیں پائی جاتی اور نانوتوی صاحب کا یہ قول کتاب و سنت اور اجماع امت کے منافی ہونے کی وجہ سے بلاشبہ قابل قبول بلکہ واجب الرد ہے۔

صاحب تحذیر کی توجیہ استدراک

غلطی نمبر ۴ چوتھی غلطی کے بارے میں عرض کروں گا کہ نانوتوی صاحب آیہ کریمہ ”وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ میں ختم زمانی کی تقدیر پر ان دونوں جملوں میں بے ربطی اور استدراک کے غیر صحیح ہونے کے مدعی ہیں جیسا کہ سابقاً طویل عبارت تحذیر الناس سے نقل کی گئی۔ نیز وہ ختم ذاتی ثابت کرنے کے لئے آیہ کریمہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ میں استدراک کی توجیہ اور عطف بین الجملتین پر کلام کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں

”مطلب آیہ کریمہ کا اس صورت میں یہ ہو گا کہ ابوہ معروف تو رسول اللہ ﷺ کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوہ معنوی امتیوں کی نسبت حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت تو لفظ خاتم النبیین شاید ہے اور امتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ میں غور کیجئے تو بے بات واضح ہے۔“

ص ۱۰۹

نانوتوی صاحب کی توجیہ کا جواب

اقول: اس کلام سے نانوتوی صاحب کا مقصد ختم ذاتی کا اثبات ہے جس کے پیش نظر انہوں نے استدراک اور عطف بیہ بین الجملتین کی توجیہ کرتے ہوئے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ“ سے جو وہم پیدا ہوا تھا کہ محمد ﷺ اپنی امت کے معنوی باپ نہیں اسے اللہ تعالیٰ نے ”وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ فرما کر اس طرح زائل فرمادیا کہ وہ رسول ہونے کی وجہ سے مومنین کے معنوی باپ ہیں۔ اس کے بعد ختم ذاتی ثابت کرنے کے لئے ”وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ ارشاد فرمایا اور اس جملہ سے حضور ﷺ کی ابوہ معنویہ انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ثابت فرمادی۔

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ نانوتوی صاحب پر مانتے ہیں کہ عطف و خاتم النبیین کا رسول اللہ پر ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے۔ لہذا جس طرح لفظ رسول اللہ سے حضور ﷺ کے معنوی باپ نہ ہونے کا وہم دور کیا گیا ہے اسی طرح و خاتم النبیین بھی کلام سابق سے پیدا ہونے والے کسی شبہ کو دور کر دے گا کیونکہ وہ بھی بوجہ عطف لکن کے تحت ہے لیکن اگر اسے ختم ذاتی کی دلیل ٹھہرا کر نانوتوی صاحب کی طرح یہے کہا جائے کہ و خاتم النبیین لا کر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی حضور ﷺ کی ابوہ معنویہ ثابت فرمادی تو رفع تو ہم سے اس جملہ کو کوئی تعلق نہ ہو گا۔ کیونکہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ“ سے انبیاء علیہم السلام کے لئے حضور ﷺ کی ابوہ کے منافی ہونے میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ جو شبہ متصور ہی نہ ہو اس کے دور کرنے کے کیا

معنی؟ یہ بات قائل غور ہے کہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابَا أَحَدٍ مِّنْ رَّبِّكَ لَكُمْ“ میں سننے والے کا ذہن انبیاء علیہم السلام کی طرف منتقل ہی نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں ان سے حضور ﷺ کی ابوۃ کے منشی ہونے کا وہم کیونکر پیدا ہوگا؟ خلاصہ یہ کہ جب کلام سابق میں یہ شبہ متصور ہی نہیں تو خاتم النبیین سے اس کے رفع کا قول کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

ہمارے نزدیک استدراک کی توجیہ

دلائل شرعیہ کی روشنی میں ہمارے نزدیک استدراک کی توجیہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابَا أَحَدٍ مِّنْ رَّبِّكَ لَكُمْ“ فرمایا تو اس کلام سے دو وہم پیدا ہوئے ایک یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی مرد کے جسمانی باپ نہیں تو روحانی باپ بھی نہ ہوں گے۔ دوسرا یہ کہ کسی رجل کے لئے آپ کا جسمانی باپ نہ ہونا آپ کے لئے موجب نقص ہوگا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ کسی مرد بالغ کا باپ نہ ہونا انقطاع نسل کا موجب ہے اور یہ عیب ہے اس لئے حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر عائشہ بن وائل نے حضور ﷺ کو معاذ اللہ ”اہتر“ کہا تھا جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ کوثر نازل فرمائی اور نبی کریم ﷺ نے ”کل نسب وصہر منقطع الانسبی وصہری“ فرما کر سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی نسل پاک کے باقی اور جاری رہنے کا اظہار فرمایا۔ پہلے وہم کو اللہ تعالیٰ نے ”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ“ سے رفع فرمایا، بایں طور کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور ہر رسول اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ وہ جسمانی نہ ہونے کے باوجود بھی روحانی باپ ہیں۔ دوسرے وہم کو ”وخاتم النبیین“ لا کردور فرمایا۔ اس طرح کہ محمد ﷺ کا کسی مرد کے لئے جسمانی باپ نہ ہونا کسی نقص کے باعث نہیں بلکہ ان کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ آخر النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بالخصوص آنحضرت ﷺ کا منصب یہ ہے کہ اگر حضور انور کا کوئی بیٹا جواب ہو تو وہ ضرور نبی ہو اور اس کا نبی ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہے اس لئے ان کے وصف خاتمیت کا مقتضا یہی ہے کہ وہ کسی صلی مرد کے باپ نہ ہوں اور یہ ”عدم ابوۃ“ کسی نقص پر نہیں بلکہ فضیلت خاتمیت پر مبنی ہے جس کی تائید حضرت ابن ابی اونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ”لو قضی ان یكون بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی عاش ابنہ ولكن لا نبی بعده“ سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ دیکھئے بخاری جلد ۲ ص ۹۱۴

اس توجیہ کی بنا پر لفظ خاتم النبیین سے فضیلت خاتمیت کے ساتھ حضور ﷺ کی عدم ابوۃ مذکورہ اور بیٹے کی بجائے بیٹی سے نسل پاک کے اجراء کی حکمت بھی معلوم ہوگئی۔

”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ.....“ میں استدراک کی دیگر توجیہات

ہماری اس تقریر سے استدراک کی توجیہ بھی صحیح ہوگئی اور عطف بنی الجملتین بھی بخوبی واضح ہو گیا اور کلام الہی میں بے ربطی کا وہم بھی نہ رہا۔ اس کے بعد ہم تحقیق حرید اور نا تو تو ی صاحب کے رد بلوغ کے لئے آیہ کریمہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابَا أَحَدٍ“ لایہ میں استدراک میں دیگر توجیہات کا خلاصہ علمائے مفسرین کے کلام سے نقل کرتے ہیں جو نا تو تو ی صاحب کی خود ساختہ توجیہ استدراک کے رد و ابطال

اور تحذیر الناس کے زہر کے لئے تریاق کا کام دیتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ علوم قرآن میں گہری نظر رکھنے والے حق پسند علماء بنظر انصاف ملاحظہ فرما کر اس حقیقت کو تسلیم کر لیں گے کہ نافوتوی صاحب کی توجیہ تفسیر بالرای سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ خلاصہ توجیہات حسب ذیل ہے، جسے ہم نے تفسیر روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۳۳۲ تا ۳۳۳ سے اخذ کیا ہے۔

پہلی توجیہ یہ ہے کہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ“ غرما کر جب اللہ تعالیٰ نے رجال کا طہین سے ہر فرد سے رسول اللہ ﷺ کی ابوہ حقیقیہ جسمانیہ شرعیہ کی نفی فرمادی تو اس کلام سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ جب وہ کسی کے باپ نہیں تو کسی پر ان کی تعظیم و توقیر بھی واجب نہ ہوگی اور افراد امت کے لئے رسول اللہ ﷺ پر شفقت اور خیر خواہی کا وجوب بھی منقش ہوگا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ ﷺ فرمایا کیونکہ رسول حقیقی باپ نہ ہونے کے باوجود بھی واجب التعظیم والتوقیر اور وصف رسالت کی وجہ سے مجازی باپ اور اپنی امت پر مامح اور شفیع ہوتا ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ کلام سابق میں رسول اللہ ﷺ کی نفی ابوہ سے شبہ پیدا ہوتا تھا کہ جب وہ باپ نہیں تو شاید رسول بھی نہ ہوں اس لئے کہ رسول کا امت کے لئے باپ ہونا مشہور بات تھی۔ اسی شہرت کی وجہ سے ایک قول کی بنا پر اوط علیہ السلام نے اپنے قول ”هؤلاء بناتى“ میں اپنی امت کی مومنات کو مراد لیا ہے۔ بنا بریں نفی ابوہ سے نفی رسالت کا وہم پیدا ہوتا تھا جس کا معنی یہ تھا کہ رسول کے لئے باپ ہونا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ”وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ“ فرما کر اس شبہ کو دور فرمادیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے باپ نہ ہونے کے باوجود بھی اللہ کے رسول ہیں۔

خاتم النبیین میں استدراک کی توجیہات

رہا اللہ تعالیٰ کا قول وخاتم النبیین تو اس کی بھی حسب ذیل توجیہات علماء مفسرین نے کی ہیں جن کا خلاصہ ہم اسی تفسیر روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۳۶ سے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

پہلی توجیہ یہ ہے کہ خاتم النبیین فرما کر حضور ﷺ کے کمال شفقت اور خیر خواہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ”وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ“ کے ساتھ امت کے حق میں رسول اللہ ﷺ کے لئے جس ابوہ کاملہ کو ثابت کیا گیا ہے وہ تمام رسولوں کی ابوہ پر فوقیت رکھتی ہے جو انہیں ان کی امتوں کے حق میں حاصل ہے اس لئے کہ جس رسول کے بعد کوئی رسول ہوگا۔ بعض اوقات اس کی شفقت و نصیحت اپنی غایت کو نہ پہنچ سکے گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ شفقت و نصیحت علی الامت کے بارے میں اپنے بعد میں آنے والے رسول پر بھروسہ کر لے جیسے کہ حقیقی باپ شفقت علی الاولاد سے متعلق بعض امور اپنے قائم مقام کے سپرد کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ”وخاتم النبیین“ فرمایا تو یہ بات واضح ہو گئی کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا جس پر بھروسہ کر کے اپنی امت کی نصیحت و شفقت میں حضور ﷺ کوئی کمی چھوڑ دیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ خاتم النبیین فرما کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ ابوہ محمد یہ قیامت تک مہمہ ہے۔ لہذا ان کی تعظیم و توقیر نہ

صرف بلا واسطہ مخاطبین پر واجب ہے بلکہ قیامت تک آنے والے ان کی اولاد اور اولاد سب پر اس تعظیم و توقیر کا وجوب ہے اور اسی طرح ان کی شفقت و نصیحت نہ صرف تمہارے لئے ہے بلکہ تا قیامت تمہاری نسلوں کے لئے ان کی خیر خواہی اور شفقت دائم و مستمر رہے گی۔ کیونکہ وہ آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ ”مِنْ رَجَالِكُمْ“ سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ابوہ رجالتکم سے منفی ہے رجالہ سے منفی نہیں یعنی اپنی امت کے مردوں میں سے کسی مرد کے باپ نہیں مگر ممکن ہے کہ اپنے مردوں میں سے کسی کے باپ ہوں۔ بایں طور کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے کوئی لڑکا پیدا ہو کر حد رجولیت تک پہنچ جائے اور حضور ﷺ اس کے باپ قرار پائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو لفظ خاتم النبیین لا کر رفع فرما دیا یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا منصب یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کا کوئی لڑکا پیدا ہو کر حد رجولیت تک پہنچے تو وہ ضرور نبی ہو۔ چونکہ حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں اس لئے وہ اپنے مردوں میں سے بھی کسی کے باپ نہیں ہو سکتے اور ان کا خاتم النبیین ہونا اس بات کے قطعاً منافی ہے کہ ان کا کوئی بیٹا مبلغ رجاں تک پہنچے اور وہ اپنی صلیبی اولاد میں سے کسی دو کے باپ قرار پائیں۔ اس تقدیر پر باپ سے صلیبی باپ مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اعتراض وارد نہ ہو کیونکہ وہ حضور ﷺ کے صلیبی بیٹے نہیں۔ اس شرط کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ابراہیم سدی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہد کو بھر دیا اور اگر وہ باقی رہتے تو ضرور نبی ہوتے لیکن وہ صرف اس لئے باقی نہ رہے کہ حضور ﷺ آخر الانبیاء ہیں۔ اسی طرح دوسری روایات میں بھی وارد ہوا۔

بخاری نے من طریق محمد بن بشر عن اسماعیل بن ابی خالد روایت کیا، ابو خالد کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ بچپن میں فوت ہو گئے اور اگر محمد ﷺ کے بعد کسی نبی کا ہونا قضاء الہی میں ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے ابراہیم زندہ رہتے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اور امام احمد نے من طریق وکیع عن اسماعیل حضرت ابن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں ”لو کان بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی مامات ابنہ“

اور اسی روایت کو ابن ماجہ وغیرہ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کیا اور بعض محدثین نے ابن ماجہ کی روایت کو ضعیف کہا جیسا کہ امام قسطلانی کا قول ہے اور امام نووی نے حدیث ”لو عاش ابراہیم لکان نبیا“ کو باطل قرار دیا لیکن صحیح بخاری کی روایت ”لو قضی ان یکون بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی عاش ابنہ ولكن لا نبی بعده“ بلاشبہ صحیح اور شرطیہ مذکور کی دلیل ہے۔ اھ

ابن عبد البر وغیرہ کے شبہ کا جواب

اس مقام پر ابن عبد البر وغیرہ کا یہ کہنا کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا حدروجولیت تک پہنچنے کے باوجود بھی غیر نبی تھا اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ نبی کا بیٹا نبی ہوتا ہے تو ہر شخص نبی ہوتا کیونکہ سب لوگ نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، درست نہیں۔ کیونکہ قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ بات نہیں کی گئی کہ نبی کا بیٹا نبی ہوتا ہے اس لئے محمد ﷺ کا بیٹا نبی ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ منصب خاص محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے تھا کہ اگر آپ کا کوئی بیٹا حدروجولیت تک پہنچے تو نبی ہو، جس کی دلیل وہی حدیث ہے جو بروایت بخاری ہم پیش کر چکے ہیں، جس میں خاص حضور محمد رسول اللہ ﷺ کے حق میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ ”لو قضی ان یکون بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی عاش ابنہ۔“ الحدیث یہ ہر نبی کے لئے نہیں بلکہ حضور ﷺ کے منصب خصوصی کی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔

چنانچہ علامہ حنبل نے اس مضمون کو محققین کلام سے اخذ کرتے ہوئے نہایت فاضلانہ انداز میں جامعیت کے ساتھ ارقام فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو فتوحات البیہ جلد ۳ ص ۴۴۱

ولعل وجه الاستدراک انه لما نفی کونه ابالهم کان ذلک مظنة ان یتوهم انه لیس بیتهم وبنہ
ما یوجب تعظیمهم ایاہ وانقیادهم له فلدفعہ بیان ان حقہ اکد من حق الاب الحقیقی من حیث انه
رسولهم ولما کان قوله من رجالکم مظنة ان یتوهم انه ابو احد من رجال نفسه الذین ولد وامتہ رفعہ
بقوله وخاتم النبیین فانه يدل علی انه لا یکون ابا لواحد من رجال نفسه ایضا لانه لو بقی له ابن بالغ
بعده لکان اللائق به ان یکون نبیا بعده فلا یکون هو خاتم النبیین۔ انتہی ا ھ شیخ زادہ داورد فی
الکشاف منع الملازمة اذ کثیر من اولاد الانبیاء لم یکونوا انبیاء فانه اعلم حیث یجعل رسالہ و اجاب
الشہاب عن ذالک بقوله الملازمة لیست مبنیہ علی اللزوم العقلی والقیاسی النطقی بل علی مقتضی
الحکمة الالہیة وهی ان اللہ اکرم بعض الرسل بجعل اولادهم انبیاء کالخلیل ونبینا اکرمهم
وافضلهم فلو عاش اولاده اقتضی تشریف اللہ له جعلهم انبیاء۔ ا ھ

(ترجمہ) غالباً وجہ استدراک یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے حق میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے باپ ہونے کی نفی فرمائی تو اس سے یہ وہم پیدا ہوا کہ امتیوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایسا کوئی امر نہیں پایا جاتا جو افراد امت پر حضور کی تعظیم اور فرمانبرداری کو واجب قرار دیتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو یہ بیان فرما کر رفع فرمادیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ حق بحیثیت رسول ہونے کے حقیقی باپ کے حق سے بھی زیادہ مؤکد ہے اور جب کہ اللہ تعالیٰ کے قول ”مِنْ رِجَالِکُمْ“ سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خود اپنے رجال اولاد میں سے کسی کے باپ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے وخاتم النبیین فرما کر اسے رفع فرمادیا۔ کیونکہ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتم النبیین ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور اپنی اولاد کے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اس دلالت کی وجہ یہ ہے کہ اگر حضور کے بعد حضور کا کوئی (صلبی) بیٹا باقی رہ کر حد بلوغ کو پہنچے تو آپ کے شان کے لائق یہ ہے کہ وہ آپ کے بعد نبی ہو۔ ایسی صورت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم النبیین نہیں ہو سکتے۔ انتہی شیخ زادہ کشاف نے اس مقام پر منع کا ملازمت کا اعتراض وارد کرتے ہوئے دلیل منع میں کہا کہ انبیاء علیہم السلام کی بکثرت اولاد نبی نہیں ہوئی۔ کیونکہ ”اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ“ اس کے جواب میں شہاب الدین خفاجی نے فرمایا کہ ملازمت لزوم عقلی و قیاس پر مبنی نہیں بلکہ اس کا معنی مقتضائے حکمت الہیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء مثلاً خلیل اللہ علیہم السلام کو ان کی اولاد کے نبی ہونے کے ساتھ مکرم فرمایا اور ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سب نبیوں سے اکرم اور افضل ہیں اس لئے اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے حد بلوغ تک زندہ رہتے تو عند اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی تشریف و تکریم کے منصب خاص کا مقتضایہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ انہیں نبی بنائے۔

اہل علم کے لئے مقام غور

اہل علم حضرات بنظر انصاف غور فرمائیں کہ صاحب روح المعانی علامہ محمود الوسی حنفی بغدادی علیہ الرحمۃ اور صاحب فتوحات الہیہ علمہ سلیمان بن عمر نے علماء محققین کے کلام کی روشنی میں آیہ کریمہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابْدًا أَحَدًا مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ کی تفسیر کرتے ہوئے کس خوبی کے ساتھ استدراک کی توجیہات فرمائیں ہیں اور کیسے فاضلانہ انداز میں عطف بین الجملتین کی تقریر فرمائی اور کس شان سے کلام الہی میں ارتباط واضح کیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ آگے چل کر علامہ سلیمان موصوف علیہ الرحمہ نے ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ“ میں نفی پر کلام کرتے ہوئے تفسیر خازن سے ایسی بات نقل فرمائی کہ جس نے حقیقت حیا کو پوری طرح واضح کر دیا اور توجیہ سابق میں کسی ادنیٰ تردد کے لئے بھی گنجائش نہ چھوڑی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں

(قوله فلا يكون له ابن رجل بعده يكون نبيا) النفی فی الحقیقة متوجه للوصف ای کون ابنہ رجلا و کونہ بیا بعده والافقد کان له من الذکور اولاد ثلثہ ابراہیم والقاسم والطیب وبقال له ایضا الطاهر ولكنهم ماتوا قبل البلوغ فلم يبلغوا مبلغ الرجال. ۱ھ (من الخازن جمل ص ۳۴۱ ج ۳)

یعنی اس آیت میں نفی فی الحقیقت وصف کی طرف متوجہ ہے۔ اس وصف سے مراد حضور ﷺ کے بیٹے کا مرد بالغ ہونا اور حضور کے بعد اس کا نبی ہونا ہے۔ ورنہ اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ کے تین بیٹے تھے۔ ابراہیم، قاسم اور طیب۔

طیب کو طاہر بھی کہا جاتا ہے لیکن وہ سب قبل البلوغ فوت ہو گئے اور ان میں سے کوئی ایک بھی مبلغ رجال کو نہ پہنچا۔ انتہی خازن

اس عبارت سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ صحت استدراک و عطف بین الجملتین اور کلام الہی میں ارتباط اسی تقدیر پر ہے کہ خاتم النبیین میں ختم زمانی کو مراد لیا جائے۔

لکن سے استدراک کی تیسری توجیہ

”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ“ میں استدراک کی تیسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جائز ہے کہ ”لکن“ سے استدراک اس مقام پر اول کلام سے پیدا ہونے والے توہم کو رفع کرنے کے لئے نہ ہو جیسے ”ما زید کریم لکنہ شجاع“ میں ہے بلکہ یہاں استدراک کا مفاد یہ ہے کہ ”ما بعد لکن“ کے لئے وہ حکم ثابت کیا جائے جو اس کے ماقبل کے مخالف ہے جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے ”ما ہذا اساکن لکنہ متحرک“ اور ”ما ہذا ایض لکنہ اسود“ بعض آیات قرآنیہ میں بھی اس قسم کا استدراک وارد ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ”يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کیونکہ نفی سفاہت انتقاء رسالت کا وہم پیدا نہیں کرتی نہ لوازمات رسالت مثلاً ہدایت و تقویٰ کے انتقاء کا وہم پیدا کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اسے استدراک بالمعنی الاول قرار دیا جائے۔ (روح المعانی پ ۲۲ ص ۳۴)

استدراک اور عطف جین الجملتین پر علماء مفسرین کے ان روشن بیانات کو دیکھنے کے بعد پرستار ان تحذیر تعصب کو چھوڑ کر انصاف فرمائیں کہ نانوتوی صاحب نے کلام الہی میں بے ربطی پیدا کی ہے یا جمہور امت مسلمہ نے؟ نانوتوی صاحب نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ قطعاً سبیل مومنین کے خلاف ہے۔ زیر نظر مضمون کو بغور پڑھنے کے بعد منصف حراج علماء پر یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گی۔

اس کے بعد یہ گزارش کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک جن مقدس حضرات نے لفظ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے ساتھ کئے، انہوں نے نانوتوی صاحب کے نزدیک کلام الہی کو بے ربط کر دیا اور بقول نانوتوی صاحب قرآن کریم میں ایسی بے ربطی پیدا کی جو اللہ تعالیٰ کے کلام معجز نظام میں قطعاً متصور نہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ آج تک کسی نے خاتم النبیین کے معنی صحیح طور پر کئے ہی نہیں۔ چودہ سو برس کے بعد صرف نانوتوی صاحب کو یہ توفیق نصیب ہوئی کہ انہوں نے کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف صحیح معنی کئے۔

اس کا راز تو آید و مرداں چنیں کسند

غلطی نمبر ۵ ☆ پانچویں غلطی کے متعلق عرض ہے کہ اگر قرآن مجید میں لفظ خاتم النبیین کو بمعنی آخر النبیین تسلیم کرنے پر نانوتوی صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے حق میں معاذ اللہ زیادہ گوی کا وہم پیدا ہوتا ہے تو اس کا واضح مفہوم یہ ہوگا کہ تمام مفسرین و محدثین صحابہ کرام و تابعین و متاخرین بلکہ امت مسلمہ کے جمیع علماء اعلام جنہوں نے آیت قرآنیہ میں لفظ خاتم النبیین کو بمعنی آخر النبیین تسلیم کیا ہے وہ سب کے سب (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے حق میں زیادہ گوی کے وہم میں مبتلا تھے۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ

نقصان قدر کا احتمال باطل ہے

غلطی نمبر ۶ ☆ پانچویں غلطی کی بابت عرض ہے کہ ختم زمانی کی تقدیر پر نقصان قدر کا احتمال تو اس وقت ہو سکتا جب کہ حضور ﷺ کے کسی

کمال کے لئے لفظ خاتم النبیین کے سوا کوئی اور دلیل قرآن مجید میں نہ پائی جائے اور ہر کمال کا ثبوت اس لفظ خاتم النبیین پر موقوف ہو۔ حالانکہ قرآن مجید میں بے شمار دلائل ایسے ہیں جو حضور ﷺ کے مجموعی کمالات پر روشن دلالت کرتے ہیں اور جن سے روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جملہ کمالات علمی و عملی کے جامع اور تمام کائنات کے لئے مربی اور مفیض ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام کائنات کے لئے وصول فیض کا واسطہ عظمیٰ اور وسیلہ کبریٰ ہیں۔ (روح المعانی پ ۷ ص ۱۰۵)

نیز آیہ کریمہ ”أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْبَلَهُ“ کے تحت امام رازی نے تمام کمالات نبوت کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ثابت کیا ہے۔ دیکھئے تفسیر کبیر۔ لہذا خاتم زمانی کی تقدیر پر حضور ﷺ کے حق میں نقصان قدر کا احتمال ساقط ہے۔

غلطی نمبر ۷ ☆ اس کے بارے میں میری معروضات یہ ہیں کہ نانوتوی صاحب کا حضور ﷺ کے وصف آخر النبیین کو حسب و نسب اور سکونت وغیرہ اوصاف کی طرح قرار دینا اور اس کا نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہ ماننا اس بات کو صاف ظاہر کرتا ہے کہ نانوتوی صاحب کے نزدیک حضور ﷺ کے آخر النبیین ہونے میں بالذات یا بالعرض کسی قسم کی کوئی فضیلت اصلاً نہیں۔ کیونکہ وہ وصف آخر النبیین و دیگر اوصاف مذکورہ مثلاً مکی مدنی یا قریشی ہاشمی کے مابین کوئی فرق نہیں سمجھتے جس کا خلاصہ یہ نکلا کہ قریشی ہاشمی ہونا اور آخر النبیین ہونا یکساں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ آخر النبیین ہونا حضور ﷺ کا وصف خاص ہے اور مکی مدنی یا قریشی ہاشمی ہونے میں مسلمان کی بھی خصوصیت نہیں۔ سینکڑوں کافر، مشرک اور منافقین ساکنین مکہ و مدینہ ہوئے اور بے شمار کفار و مشرکین نسب قریشی و بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔ اس کے باوجود نانوتوی صاحب کا وصف آخر النبیین اور اوصاف مذکورہ میں فرق نہ کرنا درحقیقت دین کی بنیاد کو منہدم کرنا ہے۔ ہم تو وصف خاتم النبیین کو بلحاظ اضافت فضیلت جانتے ہیں اور اسی لئے مقام مدح میں اس کے ذکر کو بھی صحیح اور جائز سمجھتے ہیں مگر نانوتوی صاحب کا مسلک اس کے بالکل منافی ہے۔ ورنہ ان کے نزدیک اس وصف اضافی میں کسی قسم کی کوئی فضیلت ہوتی تو مقام مدح میں اس کے ذکر کو وہ ہرگز غیر صحیح قرار نہ دیتے۔

غلطی نمبر ۸ ☆ اس کے متعلق میری مختصر گزارش یہ ہے کہ نانوتوی صاحب ختم زمانی کی بجائے ختم ذاتی کو بنائے خاتمیت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ نزول آیہ کریمہ ”وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ کے وقت سے لے کر اب تک بنائے خاتمیت تاخر زمانی کا قرار دیا جاتا رہا۔ ختم ذاتی کے تصور سے بھی سلف کے اذہان نا آشنا تھے۔ اب تیرہ و برس کے بعد نانوتوی صاحب نے اثر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما میں حرید چھ خاتم النبیین ملاحظہ فرما کر ایسی راہ نکالنے کی کوشش کی کہ چھ زمینوں کے چھ خاتم النبیین بھی برقرار ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتم النبیین ہونا بھی برائے نام باقی رہے۔ اس کی صورت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ بنائے خاتمیت کے لئے تاخر زمانی کے سوا کسی اور چیز کو تلاش کیا جائے لیکن جس طرح طلب مجہول مطلق محال ہے اسی طرح وجدان معدوم بھی مطلق ممتنع نتیجہ ظاہر ہے۔ قرآن وحدیث اجماع و قیاس میں کہیں کچھ ہاتھ نہ لگا تو بالآخر انتہائی کد و کاوش کے خاتمیت کی تین شقیں پیدا کی گئیں اور ختم ذاتی کا

ایک خود ساختہ مفہوم تراش کر اس کو بنائے خاتمیت قرار دے دیا گیا جس پر کتاب اللہ سنت رسول اللہ ﷺ و اقوال مفسرین و محدثین کی روشنی میں ہم پوری وضاحت کے ساتھ رد کر چکے ہیں۔

ذاتی اور عرضی کی طرف نبوت کی تقسیم احداث فی الدین ہے

غلطی نمبر ۹ ☆ اس غلطی کے متعلق اتنی بات یاد رکھیں کہ درحقیقت نانوتوی صاحب کے تمام اغلاط کی بنیاد یہی غلطی ہے کہ انہوں نے نبوت کو بالذات اور بالعرض کی طرف تقسیم کر دیا اور میں کتاب و سنت سے ثابت کر چکا ہوں کہ یہ تقسیم عہد رسالت سے لے کر آج تک کسی نے نہیں کی۔ قرآن و حدیث اور اقوال علمائے راہنہ کی روشنی میں یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی کہ نبوت کی یہ تقسیم احداث فی الدین ہے۔

نانوتوی صاحب کے نزدیک آیۃ خاتم النبیین تاخر زمانی میں نہیں

غلطی نمبر ۱۰ ☆ اس کے متعلق گزارش ہے کہ نانوتوی صاحب نے جب خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کو عوام کا خیال قرار دے دیا اور بنائے خاتمیت کسی اور بات پر رکھ دی تو اب تاخر زمانی کے لئے سوق کلام متصور ہی نہیں رہا۔ ایسی صورت میں تاخر زمانی میں آیۃ کریمہ کیونکر نص قرار پا سکتی ہے؟ حالانکہ ساری امت کے نزدیک یہ آیۃ کریمہ رسول اللہ ﷺ کے آخر النبیین ہونے پر نص قطعی ہے۔

اتصاف ذاتی کے لئے تاخر زمانی کا لزوم باطل ہے

غلطی نمبر ۱۱ ☆ اس غلطی پر سابقاً تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر اتصاف ذاتی کے لئے تاخر زمانی لازم ہو تو حضور ﷺ کے بعد کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضور ﷺ صرف نبوت سے متصف ہیں بالذات نہیں بلکہ نانوتوی صاحب کی تصریح کے مطابق وصف ایمان سے بھی بالذات متصف ہیں۔ لہذا جس طرح وہاں خود بخود تاخر زمانی لازم آیا یہاں بھی لازم آئے گا، ورنہ لزوم کا دعویٰ باطل ہو گا اور اس پر جو عمارت تحذیر الناس میں قائم کی گئی ہے وہ سب منہدم ہو کر رہ جائے گی لیکن کیا کوئی مسلمان ایسا ہے جو یہ تسلیم کرے کہ حضور ﷺ کے بعد جس طرح کوئی نبی نہیں ہو سکتا ایسے ہی مومن کا ہونا بھی محال ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) معلوم ہوا کہ اتصاف ذاتی کے لئے تاخر زمانی کے لزوم کا قول بدہتہ باطل ہے۔

غلطی نمبر ۱۲ ☆ اس کی بابت ہم خود نانوتوی صاحب کا اعتراف تحذیر الناس سے پیش کئے دیتے ہیں۔ لہذا ہمیں کچھ حریص لکھنے کی ضرورت نہیں۔ نانوتوی صاحب فرماتے ہیں

”اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان میں کیا نقص آگیا اور کسی طفل نادان نے ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا۔“

گاہ	باشد	کہ	کودک	ناداں
بغلط	برہدف	زند	تیرے	

ہاں بعد وضوح حق اگر فقط اس وجہ سے کہ یہ بات میں نے کہی اور وہ اگلے کہے گئے تھے میری بات نہ مانیں اور وہ پرانی بات گائے جائیں تو قطع نظر اس کے کہ قانونِ محبت نبوی ﷺ سے یہ بات بعید ہے۔ ویسے بھی اپنے عقل و فہم کی خوبی پر گواہی دیتی ہے۔“ (تحدیر الناس ص ۲۵)

اے کاش! اگر نانوتوی صاحب خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کو عوام کا خیال قرار نہ دیتے اور بنائے خاتمیت تاخر زمانی کے سوا کسی اور چیز پر نہ رکھتے تو ہمیں ان کی اس تاویل سے اختلاف کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ غلطی نمبر ۱۳ اس کے متعلق بھی ہم تحدیر الناس سے نانوتوی صاحب کی ایک عبارت پیش کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے وہ فرماتے ہیں ”ہاں اگر بطور اطلاق یا عموم مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور رتبی سے عام لیجئے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا۔ پر ایک مراد ہو تو شایانِ شان محمدی خاتمیت مرتبی ہے نہ زمانی۔“ (تحدیر الناس ص ۸)

اس عبارت کے بعد بھی یہ کہنا کہ نانوتوی صاحب نے خاتمیت زمانیہ کا انکار نہیں کیا، کس قدر بے معنی اور مضحکہ خیز ہے۔ غلطی نمبر ۱۴ اس کی تفصیل تفصیل بیان ترتیب ہی کے ضمن میں ابتداء آگئی۔ وہاں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

ہر کمال کے لئے لفظ خاتم النبیین کو دلیل بنانا درست نہیں

اس بحث میں یہ امر خاص طور پر ملحوظ رہے کہ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اس فضیلت میں کسی مسلمان کے لئے مجال انکار نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہر کمال کا مبداء اور تمام علمی و عملی خوبیوں کا جامع بنایا ہے اور تمام کائنات حضور ہی کے فیض سے مستفیض ہے۔ مگر اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لفظ ”خاتم النبیین“ ہی کو دلیل بنایا جائے۔ اس دعویٰ پر کتاب و سنت میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔

مولانا کشمیری کا صاحب تحذیر سے اختلاف

اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو نانوتوی صاحب کے پیش نظر اولاً وابتداء حضور ﷺ کے فضائل کا اظہار نہیں بلکہ اثر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں اپنے نظریہ کا اثبات ہے۔ انہوں نے اپنی بات کی تائید میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ اس میں ساری امت سے منفرد ہو گئے۔ خود علماء دیوبند میں ایسے حضرات پائے جاتے ہیں جنہوں نے اثر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں نانوتوی صاحب کی روش سے اختلاف کیا۔ دیکھئے آپ کے مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری نے بھی اس اثر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فیض الباری میں کلام فرمایا ہے اور اس کے متعلق ان کا مسلک آپ کے مولانا نانوتوی صاحب سے بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ نانوتوی صاحب اس اثر کو بالمعنی مرفوع اور سنداً صحیح قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ تحدیر الناس ص ۳۳ میں رقمطراز ہیں

”تو بایں وجہ کہ بالمعنی مرفوع ہے اور باعتبار سند صحیح۔ بے شک تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔“

لیکن مولانا انور شاہ صاحب کشمیری اس کے خلاف ہیں۔ دیکھئے فیض الباری میں انہوں نے صاف طور پر لکھا

”والظاهر انه ليس بمرفوع واذا ظهر عندنا منشؤه فلا يتبغى للانسان ان يعجز نفسه في شرحه مع كونه شاذاً بالمرّة.“ (فيض الباری ج ۳ ص ۳۳۳)

(ترجمہ) اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اثر مرفوع نہیں ہے اور جب اس کا منشاء ہم پر ظاہر ہو گیا کہ یہ محض عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف منسوب کیا ہوا قول ہے۔ (ناقل) تو اب انسان کے لئے یہ بات لائق نہیں کہ وہ اس کی شرح میں اپنے آپ کو عاجز کر دے۔ باوجودیکہ وہ مڑہ (راوی) کی وجہ سے شاذ ہے۔ اچھی

تحذیر الناس پر فیض الباری کی جرح

صرف یہی نہیں بلکہ مولانا انور شاہ صاحب نے فیض الباری میں اسی مقام پر مولانا نانوتوی صاحب کے رسالہ تحذیر الناس کا ذکر بھی کیا ہے اور عجیب انداز میں اس کے انداز پر جرح کی ہے۔ فرماتے ہیں

وقد الف مولانا النانوتوی رسالة مستقلة في شرح الاثر المذكور سماها تحذير الناس عن انكار اثر ابن عباس وحقق فيها ان خاتمته صلى الله عليه وسلم لا يخالف ان يكون خاتم اخر في ارض اخرى كما هو مذکور في اثر ابن عباس ويلوح من كلام مولانا النانوتوی ان يكون لكل ارض سماء ايضاً كما هو لا رضا والذي يظهر من القران كون السموات السبع كلها لتلك الارضة. ۱ ھ (فيض الباری ج ۳ ص ۳۳۳)

(ترجمہ) عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر مذکور کی شرح میں مولانا نانوتوی نے ایک مستقل رسالہ ”تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس“ لکھا ہے اور اس میں ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی اور خاتم کسی دوسری زمین میں ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ کی خاتمیت کے خلاف نہیں۔ جبکہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس اثر میں مذکور ہے اور مولانا نانوتوی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر زمین کے لئے بھی اسی طرح آسمان ہو جیسے ہماری زمین کے لئے ہے۔ قرآن مجید سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ساتوں آسمان اسی زمین کے لئے ہیں۔

مولانا انور شاہ صاحب کا نانوتوی صاحب پر طنز لطیف

دیکھئے کس وضاحت کے ساتھ مولانا انور شاہ صاحب نے نانوتوی صاحب کے کلام کو قرآن مجید کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس کے بعد مولانا انور شاہ صاحب نے اثر مذکور کے متعلق اپنا وہی مسلک بیان کیا ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور ساتھ ہی شاہ صاحب نے نانوتوی صاحب پر نہایت لطیف انداز میں طنز کیا ہے۔ فرماتے ہیں

”والحاصل انا اذا اوجدنا الاثر المذكور شاذاً لا يتعلق به امر من صلواتنا وصيامنا ولا يتوقف عليه شيء من ايماننا رأينا ان نترك شرحه وان كان لا بد لك ان تقتحم في ما ليس لك به علم فقل على طريق ارباب الحقائق ان سبع ارضين لعلها عبارة عن سبعة عوالم وقد صح منها ثلثة عالم الاجسام وعالم المثال وعالم الارواح۔ امام عالم النرد عالم النسمة فقد ورد به الحديث ايضاً لكن لا ندري هل هو عالم برأسه ام لا فهذه خمسة عوالم واخرج نحوها اثنين ايضاً فالشيء الواحد لا يمر من هذه العوالم الا وياخذ احكامه وقد ثبت عند الشرع وجودات للشيء قبل وجوده في هذا

(ترجمہ) اور حاصل کلام یہ ہے کہ جب ہم نے اثر مذکور کو شاذ پایا اور اس کے ساتھ ہماری نماز اور روزے کا کوئی امر بھی متعلق نہیں، نہ اس پر ہمارے ایمان کے کوئی امور موقوف ہے تو ہم نے مناسب جانا کہ اس کی شرح کو ترک کر دیں اور (اے مخاطب) اگر تیرے لئے کوئی چارہ نہیں اور تو اس بات پر مجبور ہے کہ ایسی چیز میں دخل انداز ہو جس کے بارہ میں تجھے کچھ علم نہیں (یعنی اثر مذکور کے بارے میں تو ضرور کچھ کہنا چاہتا ہے) تو ارباب حقائق کے طریق پر تجھے یہ کہنا چاہئے کہ غالباً اثر مذکور میں سات زمینوں کے لفظ سے سات عالموں کو گھیر کیا گیا ہے جن میں سے تین کا وجود تو صحت کے درجہ کو پہنچ چکا ہے۔ عالم اجسام، عالم مثال، عالم برزخ، پھر عالم زر، عالم نمہ۔ تو بیشک ان دونوں کے متعلق بھی حدیث وارد ہوئی ہے لیکن ہم نہیں جانتے کہ یہ دونوں عالم ہیں یا نہیں۔ پس یہ پانچ عالم ہیں اور انہیں پانچ کی طرح دواور بھی نکال لے (تا کہ پورے سات ہو جائیں) تو ایک چیز اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف نہیں گزرتی لیکن اس حال میں گزرتی ہے کہ اس عالم کے احکام لے لیتی ہے اور بے شک ایک شے کے لئے اس کے اس عالم میں آئے سے پہلے کئی وجود شرع مطہر میں ثابت ہو چکے ہیں اور اس وقت تیرے لئے بغیر کسی دشواری کے یہ ممکن ہے کہ تو مختلف عالموں میں ایک ہی نبی کے ہونے کا التزام کر لے۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۳۳۴)

مولانا کشمیری کا تحذیر پر رد اور ہماری تنقید

شاہ صاحب نے اس عبارت میں نہایت ہی صحیح نقل کرنے کے باوجود اثر مذکور کی صحت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کو محض لفظ شاذ سے تعبیر فرمایا۔ اسی طرح ”والظاهر انه ليس مرفوع“ کہہ کر اس کے مطلقاً مرفوع ہونے کی نفی کر دی اور کسی ایک جگہ بھی اس کے بالمعنی مرفوع ہونے کا قول نہیں کیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمارے اعمال و عقائد میں سے کوئی شے اس اثر عبد اللہ ابن عباس سے متعلق نہیں اس لئے ہم اس کی شرح کو چھوڑتے ہیں۔ یہ نانوئی صاحب پر ایک قسم کا لطیف طنز ہے۔

کیونکہ نانوئی صاحب نے یہ تسلیم کر لینے کے باوجود کہ واقعی اثر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اصول دین اور عقائد و اعمال سے قطعاً متعلق نہیں اس کی شرح میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ حرید برآں شاہ صاحب نے اثر مذکور میں کلام کرنے کو انتہائی طور پر ناپسند کیا اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس میں کلام کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے تو اسے (وہ بات نہ کہنی چاہئے جو نانوئی صاحب صاحب نے کہی بلکہ) ارباب حقائق کے طور پر کلام کرنا چاہئے اور وہ یہ کہ سات زمینوں سے سات عالم مراد لئے جائیں اور انبیاء و کور میں سے ہر نبی کو ہر عالم میں تسلیم کیا جائے کیونکہ عند الشرع ایک شے کے متعدد وجود ہوتے ہیں۔ لہذا ایک ہی نبی کا ساتوں عالموں میں پایا جانا دشوار نہیں۔

نانوئی صاحب کے خلاف ایک اور شہادت

تفسیر روح البیان میں علامہ اسماعیل حقّی آفندی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء محققین سے ایک اور معنی نقل کئے ہیں۔ وہ اسی حدیث ”ادم

کادمکم“ کے تحت فرماتے ہیں

قالوا معناه ان في كل ارض خلقا لله لهم سادة يقومون عليهم مقام ادم و نوح و ابراهيم و عيسى
فينا قال السخاوى في المقاصد الحسنة حديث الارضون سبع في كل ارض من الخلس مثل ما في
هذه حتى ادم كادمكم و ابراهيم كابراهيمكم هو مجهول (د) ان صح نقله عن ابن عباس رضي الله
عنهما على انه اخذه عن اسرئيليات اى اقاديل بنى اسرائيل مما ذكر في التوراة واخذ من علماتهم
ومشائهم كما في شرح النخبة وذاك وامثاله اذا لم يخبر به ويصح سنده الى معصوم فهو مردود
على قائله انتهى كلام المقاصد مع تفسير الاسرئيليات وقال في انسان العيون قد جاء عن ابن عباس
رضي الله تعالى عنهما في قوله تعالى ”وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ“ قال سبع ارضين في كل ارض نبى كنيكم
وادم كادمكم و نوح كنوحكم و ابراهيم كابراهيمكم وعيسى كعيساكم رواه الحاكم في
المستدرک وقال صحيح الاسناد وقال البيهقي اسناده صحيح لكنه شاذ بالمره اى لانه لا يلزم من
صحة الاسناد صحة المتن فقد يكون فيه مع صحة اسناده ما يمنع صحته فهو ضعيف قال الجلال
السيوطى ويمكن ان يؤل على ان المراد بهم النذر الذين كانوا يبلغون الجن عن انبياء البشر ولا يعد
ان يسمى كل منهم باسم النبى الذى يبلغ عنه هذا كلامه وحيث كان لدينا عليه السلام رسول من
الجن اسمه كاسمه ولعل المراد اسمه المشهود وه محمد فليتأمل انتهى مافى انسان العيون. (روح
البيان ج ۱۰ پ ۲۸ مطبوعه مصر ص ۴۴، ۴۵)

(ترجمہ) محققین نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر زمین میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اس کے سردار ہیں جو ان پر ہمارے
آدم و نوح اور ابراہیم و عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قائم مقام ہو کر ان کی قیادت و سیادت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔
علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اس حدیث کو مجہول کہا۔ اگرچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی نقل
صحیح ہے۔ مجہول ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ انہوں نے اسے اسرئیلیات یعنی بنی اسرائیل کی ان اقاول سے لیا ہے جو توراة
میں مذکور ہیں یا علماء و مشائخ بنی اسرائیل سے لیا ہے جیسا کہ شرح نخبة میں ہے۔ یہ اور اسی قسم کی روایات جب اخبار اور سند
کے اعتبار سے نبی معصوم ﷺ تک صحت کے ساتھ پایہ ثبوت تک نہ پہنچتی ہوں تو وہ اسی شخص پر رد کردی جائیں گی جو ان کا
قائل ہے۔ انتہی

اور انسان العیون میں کہا کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قول خداوندی ”وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ“ کی تفسیر میں
حدیث ”نبی کنیکم و ادم کادمکم“ (الحدیث) مروی ہے اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور اسے صحیح الاسناد

بتایا اور بیہتی نے کہا اس کی اسناد صحیح ہے لیکن وہ مڑہ (راوی) کے ساتھ شاذ ہے یعنی اس لئے کہ صحت اسناد سے صحت متن لازم نہیں آتی کیونکہ کبھی باوجود صحت اسناد کے متن میں ایسی بات ہوتی ہے جو صحت متن سے مانع ہوتی ہے لہذا وہ ضعیف ہے۔

جلال الدین سیوطی نے کہا کہ اس روایت کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ آدم و نوح اور ابراہیم و عیسیٰ وغیرہم علیہم السلام سے وہ پیغامبر مراد ہیں جو انبیاء بشر کی طرف سے جنات کو پیغام پہنچایا کرتے تھے اور یہ بعید نہیں کہ ان پیغامبروں میں سے ہر ایک اسی نبی کے نام سے موسوم ہو جس کا وہ پیغام رسال ہوتا تھا۔ یہ جلال الدین سیوطی کا کلام ہے۔ اس وقت یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ کا ایک قاصد از قوم جن تھا جس کا نام نبی ﷺ کے نام کی طرح تھا اور شاید نام سے حضور کا مشہور نام مراد ہے جو ”محمد“ ہے۔

یہاں تامل کرنا چاہئے۔ انسان العیون کی عبارت ختم ہوئی۔“ (روح البیان ج ۱۰ اپ ۲۸ ص ۴۴، ۴۵ طبع مصر)

روح البیان کی اس منقولہ عبارت کا مفاد حسب ذیل ہے

نمبر ۱ بقیہ چھ زمینوں میں جن حضرات کا ذکر اثر مذکور میں وارد ہے، درحقیقت وہ انبیاء اللہ نہیں بلکہ رسل انبیاء بشر ہیں اور آدم و نوح و ابراہیم و عیسیٰ علیہم السلام کے قائم مقام ہو کر ہر زمین میں خلق اللہ کی سیادت و قیادت کے امور انجام دیتے ہیں یعنی وہ خود انبیاء نہیں بلکہ وصف سیادت و قیادت میں انبیاء علیہم السلام کے مثل اور ان کے قائم مقام ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم نانوتوی صاحب کی اس تشریح کے قطعاً خلاف ہے جس پر انہوں نے اپنے نظریات کی بنیاد قائم کی ہے۔ بقیہ چھ زمینوں میں جب کوئی نبی ہی نہیں بلکہ انبیاء کے قائم مقام ہیں تو نانوتوی صاحب کے اس اختراعی نظریہ کی بنیاد ہی ختم ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یا حضور کے بعد کسی نبی کا پایا جانا حضور کی خاتمیت کے منافی نہیں۔

نمبر ۲ امام سخاوی کے نزدیک یہ حدیث مجہول ہے اور اس کا ماخذ اقاول بنی اسرائیل کے سوا کچھ نہیں۔

نمبر ۳ بیہتی نے اس حدیث کی اسناد کو صحیح کہا لیکن اس کے باوجود اس کے متن کو ضعیف قرار دیا۔ نانوتوی صاحب نے بیہتی کے قول میں ”اسنادہ صحیح“ دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ بس یہ حدیث صحیح ہے اور یہ نہ دیکھا کہ صحت اسناد کے لئے صحت متن لازم نہیں۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ سند صحیح ہو اور متن میں کوئی ایسی علت قاذحہ پائی جائے جو اس کی صحت سے مانع ہو اور اس بناء پر وہ متن ضعیف ہو۔ اس روایت میں بالکل یہی صورت پائی جاتی ہے کہ اگر تاویلات مائولین سے قطع نظر کر لی جائے تو ظاہر معنی حدیث رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہے اور یہ منافات یقیناً علت قاذحہ ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف قرار پائے گی۔

نانوتوی صاحب پر صاحب روح المعانی کا رد شدید

علامہ سید محمود الوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں اثر مذکور کے متعلق رقم طراز ہیں

”قال الذہبی اسنادہ صحیح ولکہ شاذ بمرہ لا اعلم لابی الضحیٰ علیہ متابعا“

ذہبی نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ شاذ ممرہ ہے ابوالضحیٰ کے لئے اس پر کسی متابعت کرنے والے کو میں نہیں جانتا۔

”وذكر أبو حبان في البحر نحوه عن الحبر وقال هذا حديث لا شك في وضعه وهو من رواية الواقدي الكذاب وأقول لا مانع عقلاً ولا شرعاً من صحته والمراد أن في كل أرض خلقا يرجعون إلى أصل واحد رجوع بني آدم في أرضنا إلى آدم عليه السلام وفيه أفراد ممتازون على سائرهم كنوح وإبراهيم وغيرهما فينا“ (روح المعاني پ ۲۸ ص ۱۴۳ طبع جدید ص ۱۲۵ طبع قدیم)

(ترجمہ) ابو حبان نے بحر میں اس کے ہم معنی روایت حمر الامة حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کی ہے اس کے بعد فرمایا کہ اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور وہ واقدی کذاب کی روایت سے ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ عقلاً و شرعاً اس حدیث کی صحت سے کوئی امر مانع نہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ ہر زمین میں مخلوق ہے جو اصل واحد کی طرف رجوع کرتی ہے۔ جیسے ہماری زمین میں بنی آدم، آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اور ہر زمین میں کچھ ایسے افراد ہیں جو اپنے بقیہ افراد پر اسی طرح امتیازی شان رکھتے ہیں جیسے نوح اور ابراہیم وغیرہما علیہم السلام ہم میں ممتاز ہیں۔ انہی (روح المعانی پ ۲۸ ص ۱۴۳ طبع جدید ص ۱۲۵ طبع قدیم)

علامہ سید محمود الوسی نے بھی صحت حدیث کا مدار صرف اس امر پر رکھا کہ اس حدیث میں ہر زمین میں جن حضرات کا ذکر ہے وہ انبیاء اللہ نہیں بلکہ امتیازی شان میں ان کے مشابہ ہیں۔ یہ توجیہ صاحب روح البیان کی منقولہ توجیہ کے عین مطابق ہے اور دونوں کا مفاد یہی ہے کہ چھ زمینوں میں انبیاء اللہ نہیں پائے جاتے بلکہ سیادت و قیادت اور عظمت و امتیازی حیثیت میں انبیاء علیہم السلام سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کی قائم مقامی کے فرائض انجام دیتے ہیں اور ان دونوں بزرگوں کی یہ توجیہ مانو تو ی صاحب کے خلاف ناقابل رد شہادت اور ان کے خود ساختہ مسلک کی تردید شدید ہے۔

اثر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سند و متن اور صحت و ضعف اور اس کی توجیہ و تاویل سے متعلق جن اہم امور کو مانو تو ی صاحب نے عمداً یا خطاً چھوڑ دیا تھا ہم نے نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ انہیں بیان کر دیا ہے جسے بغور دیکھنے کے بعد اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ اثر مذکور معلل و ضعیف ہے اور اگر بالفرض اس کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو مانو تو ی صاحب کی توجیہات کتاب و سنت کے قطعاً منافی ہیں۔

نیز اس بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ مولانا نور شاہ صاحب کشمیری مانو تو ی صاحب کی توجیہات سے بیزار ہیں اور انہوں نے بھی اسی توجیہ کو پسند فرمایا جسے ہم عرض کر چکے ہیں۔

والحمد لله على احسانه و صلى الله تعالى على حبيب محمد وآله واصحابه اجمعين

ایک اہم دینی علمی تحقیق

جانوروں اور زراعت میں کسی جانور یا حصہ زراعت کے تعین کے فعل کا جائز یا ناجائز ہونا معین کرنے والے کی نیت اور اعتقاد پر موقوف ہے اور اس مقرر کردہ جانور کے گوشت کی حلت و حرمت کا مدار ذابح کی نیت، حال اور قول پر ہے۔

اگر مقرر کرنے والا بزرگانِ دین کو (معاذ اللہ) مستقل بالذات، متصرف فی الامور (نحو ذی اللہ) نہیں مستحق عبادت مانتا ہے اور اس کا اعتقاد ہے کہ جو جانور یا حصہ زراعت کسی بزرگ کے لئے ماحرد کر دیا گیا ہے وہ عند اللہ کسی دوسرے مصرف میں کرنا گناہ ہے اور اس بزرگ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے اس کا استعمال شرعاً حرام اور موجب ضرر ہے تو فعل مذکور ایسا ہی کفر و شرک قرار پائے گا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب، یحیرہ، سبائہ وغیرہ کے نام سے جانور اپنے اصنام والہہ کے لئے ماحرد کر کے انہیں اپنی طرف سے حرام قرار دے دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہیں مفتری، کذاب قرار دیا اور ان کی سخت مذمت فرمائی۔ البتہ محض اس اعتقاد اور ماحردگی کے باعث وہ جانور حرام نہیں ہوں گے جب تک کہ ان کا ذابح کوئی مرتد یا شرک و کافر، غیر کتابی نہ ہو یا انہیں غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا جائے یا ان کا خون بہانے سے غیر اللہ کی تعظیم و تقرب مقصود نہ ہو۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ عقیدہ مذکور کے ساتھ مقرر شدہ جانوروں کو اگر مقرر کرنے والا شخص اسی عقیدہ کفریہ کی حالت میں اللہ کے نام پر ذبح کر دے تب بھی ذبیحہ مرتد ہونے کی وجہ سے اور اقلہ الدم تعظیم غیر اللہ کے باعث ان کا گوشت حرام ہوگا، حلال نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مسلمان کلمہ گو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھے والوں کو بلا دلیل ایسے عقائد کفریہ منسوب کر کے معاذ اللہ انہیں کافر و مرتد بنانا مسلمان کا کام نہیں، مومن کو کافر و مرتد قرار دینے والا خود کفر و ارتداد کے وبال میں مبتلا ہے۔

نَسَأَلُ اللّٰهَ السَّلَامَةَ عَنْ هَذِهِ الْبَلِيَّةِ ط

شرک کے معنی ہیں

الاشراك هو اثبات الشريك في الالهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام ط

یعنی شرک کرنا وہ اثباتِ شرک ہے الوہیہ میں بمعنی وجوب وجود، جیسا کہ مجوس کے لئے ہے یا بمعنی استحقاق عبادت جیسا کہ بتوں کی عبادت کرنے والوں کے لئے ہیں۔ (شرح عقائد نفی ص ۶۱)

خلاصہ یہ کہ شرک کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو الہ ماننا اور الوہیت صرف وجوب وجود یا استحقاق عبادت کا نام ہے لہذا جب تک کسی غیر اللہ کو واجب الوجود یا مستحق عبادت نہ مانا جائے اس وقت تک شرک نہیں ہو سکتا۔

واجب الوجود اسے کہتے ہیں جس کا ہونا عقلاً ضروری ہو اور نہ ہونا عقلاً محال ہو۔

مجوسی اپنے اعتقاد میں دو واجب الوجود مانتے ہیں۔ ایک یزداں (خالق خیر) دوسرا اہرمین (خالق شر) وہ شرک ہیں اس لئے کہ

انہوں نے الوہیت بمعنی وجوب وجود کو غیر اللہ کے لئے ثابت کیا اور بتوں کی عبارت کرنے والے اپنے باطل معبودوں کو واجب الوجود تو نہیں مانتے لیکن انہیں مستحق عبادت مان کر الوہیت کے دوسرے معنی (استحقاق عبادت) ان کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ لہذا دونوں مشرک ہوئے۔ یہاں اتنی بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ کی ہر صفت ذاتیہ اس کے استحقاق عبادت کا مناسبت و مدار ہوتی ہے جس کا کسی کے لئے ثابت کرنا استحقاق عبادت اور الوہیت کا ثابت کرنا ہے اور ظاہر ہے جو صفت استحقاق عبادت کا مناسبت ہے خواہ وہ علم ہو یا قدرت، تصرف ہو یا خالقیت ضروری ہے کہ ذاتی اور مستقل ہو ورنہ افراد ممکنات کا (معاذ اللہ) مستحق عبادت ہونا لازم آئے گا کیونکہ عطائی غیر مستقل، حادثات صفات، افراد مخلوق میں پائی جاتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ استحقاق عبادت کے لئے صفات مستقلہ لازم ہیں۔ چونکہ صفات مستقلہ مناسبت استحقاق عبادت ہیں اس لئے ان کا وجود وجود الوہیت کو مستلزم ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ استحقاق عبادت کے لئے صفات مستقلہ لازم ہیں اور صفات مستقلہ کے لئے استحقاق عبادت لازم ہے کہ کسی کو مستحق عبادت کہنا اس کے لئے استقلال ذاتی کو ثابت کرنا ہے اور کسی کو مستقل بالذات ماننا اسے مستحق عبادت قرار دینا ہے۔

اس بیان کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ کسی مسلمان پر ہرگز حکم شرک نہیں لگتا تا وقتیکہ وہ غیر اللہ کے لئے وجوب وجود یا کوئی صفت مستقلہ مناسبت استحقاق ثابت نہ کرے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور متکلمین نے معتزلہ کو شرک قرار نہیں دیا حالانکہ وہ بندہ کو خالق افعال مان کر اس کے لئے صفت خالقیت ثابت کرتے ہیں جو صفت مستقلہ ہونے کی صورت میں مناسبت استحقاق عبادت ہے لیکن چونکہ وہ بندے کو مستقل بالذات خالق نہیں مانتے اس لئے انہیں مشرک قرار نہیں دیا گیا۔

ثابت ہوا کہ اولیائے کرام کو غیر مستقل متصرف ماننے والے اور ان کے اختیارات علم و قدرت، تصرفات کو مقید باذن اللہ تسلیم کرنے والے مسلمان ہرگز ہرگز کافر و مشرک نہیں۔ انہیں مشرک کہنے والا خود مشرک ہے۔ لہذا یہ حکم شرک یقیناً مفتیان شرک کی طرف لوٹے گا۔
فَخَرُجُ الْفِتْنَةِ مِنْهُمْ وَفِيهِمْ كُفُودٌ ۝

قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی رو سے مومن کے حق میں بدگمانی حرام ہے۔ فقہائے کرام نے بھی بالخصوص اس قسم کے مسائل میں مومن کے لئے اس آیت ظن کو ناجائز قرار دیا ہے۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِكْمٌ ۝

☆ اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے بچو۔ بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم نور مجسم فخر دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ - الْحَدِيث (رواه الشيخان)

☆ بدگمانی سے دور رہو۔ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے۔

دوسری حدیث میں ہے

أفلا شفقت عن قلبه حتى تعلم أقالها أم لا۔ (رواہ مسلم)

تو نے اس کے دل کو چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے (دل سے کلمہ) کہا ہے یا نہیں۔

سیدی عبدالغنی نابلسی شرح طریقہ محمدیہ میں ناقل ہیں

قال الامام سیدی احمد رزوق انما ينشاء الظن الخبيث عن القلب الخبيث۔

امام سیدی احمد رزوق نے فرمایا خبیث گمان صرف خبیث دل میں پیدا ہوتا ہے۔ پاک دلوں میں ناپاک گمان کی گنجائش نہیں ہوتی۔

شرح وہبانیہ، درمختار وغیرہا میں اس مسئلہ کے ذیل میں ہے

لانا لا نسئ الظن بالمسلم انه يتقرب الى الأدمى بهذا النحر

ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس فعل ذبح کے ذریعے کسی آدمی کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

ردالمحتار جلد ۵ ص ۲۱۸ میں اس کے تحت ہے

ای علی وجه العبادة لانه المكفر ولهذا بعيد من حال المسلم

یعنی تقرب علی وجه العبادة اس لئے کہ تقرب علی وجه العبادة ہی کفر کا موجب ہے اور ایسا تقرب مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔

خوب یاد رکھیے مسلمان اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کے ساتھ محبت و عقیدت رکھتے ہیں مگر انہیں الہ نہیں مانتے۔ کسی قسم کا استقلال ذاتی ان کے لئے ثابت نہیں کرتے۔ نہ انہیں مستحق عبادت جانتے ہیں۔ نہ واجب الوجود، محض عباد الصالحین سمجھتے ہیں اور جو جانور یا حصہ زراعت یا کوئی چیز از قسم نقد و جنس وغیرہ ان کے لئے مقرر کرتے ہیں اس کو ان کا ہدیہ جانتے ہیں اور وصال یافتہ بزرگوں کے لئے ایصالِ ثواب کی نیت کرتے ہیں۔ اسی قصد و نیت کے ساتھ اگر وہ کسی جانور یا غیر جانور کو بزرگانِ دین کی طرف منسوب کر کے ان کے نام پر اسے مشہور بھی کر دیں تب بھی جائز ہے اور وہ چیز حلال اور طیب ہے۔ اسے ما اهل به لغير الله کے تحت لاکر حرام قرار دینا باطل محض اور گناہِ عظیم ہے۔

عہد رسالت میں صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں کھجوروں کے درخت اور دودھ پینے کے جانور پیش کرتے تھے جن کا ذکر احادیث صحیحہ میں مفصل موجود ہے اور اس میں بھی کسی مسلمان کو شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کی خوشنودی رحمت و برکت کا موجب اور دفعِ بلیات و آفات کا باعث ہے۔

اسی طرح بعد از وفات بھی ایصالِ ثواب کے طور پر بزرگانِ دین کے لئے کسی چیز کا مقرر کرنا عہد رسالت میں پایا گیا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ

ان ام سعد ماتت فاي الصدقة افضل قال الماء فحضر بئرا وقال لهذه لام سعد۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۹ رواہ ابو داؤد والنسائی)

سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا، کون سا صدقہ بہتر ہوگا؟ فرمایا پانی بہتر رہے گا۔ تو انہوں نے ایک کنواں کھدوا دیا اور یہ کھدوا دیا کہ یہ کنواں

سعد کی ماں کا ہے۔

اگر کسی وصال یافتہ بزرگ کے لئے کسی چیز کا ناחרد کرنا موجب حرمت قرار دیا جائے تو معاذ اللہ وہ کنواں جو حضرت ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام پر مشہور ہو گیا تھا حرام اور اس کا پانی نجس قرار پائے گا۔ العیاذ باللہ

اب اصل مسئلہ کی طرف آئیے۔ بزرگوں کے نام پر جو جانور وغیرہ مشہور کئے جائیں اگر ان جانوروں پر اولیاء اللہ کے لئے نذر شرعی مانی جائے جو حقیقتاً عبادت ہے تو ایسا ناذر مرتد ہے۔

لأنه اشرك بالله باثبات الألوهية لغيره تعالى

کیونکہ اس نے غیر اللہ کے لئے الوہیت ثابت کرنے کی وجہ سے شرک کیا۔

لیکن اس کے اس شرک کی وجہ سے وہ جانور حرام نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اسے بقصد تقرب بغیر اللہ ذبح نہ کرے۔ (کما سیاتی) اور اگر اولیاء کی نذر محض نذر لغوی یا عرفی بمعنی ہدیہ و نذرانہ ہو یا وصال یافتہ بزرگ کے لئے بقصد ایصالِ ثواب کوئی جانور وغیرہ ناחרد کر دیا اور نذر شرعی اللہ کے لئے ہو تو یہ فعل شرعاً جائز اور باعث خیر و برکت ہے۔

نذر بغیر اللہ کا مدار نذر کی نیت پر ہے۔ اگر ناذر نے تقرب بغیر اللہ کا قصد کیا ہے اور متصرف فی الامور اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی مخلوق کو مانا ہے تو یہ نذر کفر و شرک ہے اور اگر اس کا ارادہ تقرب الی اللہ ہے اور بزرگانِ دین کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو ایسی نذر لایا قطعاً جائز ہے اور اس کا نذر ہونا مجازاً ہے کیونکہ نذر حقیقی اللہ کے لئے خاص ہے۔ فتاویٰ ابی الیث میں ہے

النذر لغير الله ان قصد بالنذر التقرب الى غير الله وظن انه يتصرف في الامور كلها دون الله فنذره حرام باطل وارتداده ثابت وان قصد بالنذر التقرب الى الله وايصال الثواب للاولياء ويعلم انه لا تتحرك ذرة الا باذن الله ويجعل الاولياء رساقل بينه وبين الله في حصول مقاصده فلا حرج فيه وذبيحته حلال طيب۔

غیر اللہ کی نذر ماننے والے نے اگر اپنی نذر سے غیر اللہ کی طرف تقرب کا ارادہ کیا اور یہ گمان کیا کہ تمام امور میں میت ہی متصرف ہے نہ اللہ تعالیٰ تو اسکی نذر حرام اور باطل ہے اور اس کا مرتد ہونا ثابت ہے اور اگر اس نے اس نذر سے تقرب الی اللہ کا ارادہ کیا اور اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی نیت کی اور وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی ذرہ متحرک نہیں ہوتا اور وہ اولیاء اللہ کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسائل قرار دیتا ہے تا کہ اس کے مقاصد حاصل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا ذبیحہ حلال و طیب ہے۔

یہاں یہ بات ضرور یاد رکھیے کہ اس جگہ تقرب سے مطلق تقرب مراد نہیں بلکہ تقرب علی وجہ العبادۃ مراد ہے۔ جیسا کہ ہم شامی جلد خامس سے ابھی یہ عبارت نقل کر چکے ہیں۔ (قوله انه يتقرب الى الادمي) ای علی وجہ العبادۃ لانه المكفر وهذا بعيد من حال المسلم۔ یعنی مطلق تقرب الی لادمی موجب کفر نہیں بلکہ صرف تقرب علی وجہ العبادۃ موجب کفر ہے۔

نذر اولیاء کے متعلق حد یقہ مذہبیہ میں سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

والنذر لهم بتعليق ذالك على حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين لقبورهم

اولیائے اللہ کے لئے جو نذرمانی جاتی ہے اور اسے مریض کی شفا حاصل ہونے یا غائب کے آنے پر معلق کیا جاتا ہے تو وہ نذر مجاز ہے اس سے اولیاء اللہ کے قبور پر خادین کے لئے صدقہ کرنا مراد ہوتا ہے۔

طبقات کبریٰ جلد دوم ص ۶۸ میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سیدی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں

کان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذا کان لک حاجة وارادت قضائها فانذر للنفيسة الطاهرة فلو فلسا. فان حاجتك وتقضى

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا کہ وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا حضور ﷺ فرماتے تھے جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو اور تو اس کے پورا ہونے کا ارادہ کرے تو سیدہ نفیسہ طاہرہ کی نذر مان لے اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔ بے شک تیری حاجت پوری ہو جائے گی۔

معلوم ہوا کہ قضاء حاجات کے لئے اولیاء کی نذر ماننا جائز ہے جبکہ کسی قسم کے فساد عقیدہ کا خطرہ نہ ہو۔ اسی طرح تفسیرات احمدیہ ص ۲۹ میں تحت آیہ کریمہ ”وَمَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللہ عر قوم ہے۔

ومن ههنا علم ان البقرة المنذرة للاولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ بیشک وہ گائے جس کی نذر اولیاء کیلئے مانی جائے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے حلال و طیب ہے۔ جو لوگ نذر اولیاء کو شرک قرار دیتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس نذر سے مراد نذر شرعی نہیں بلکہ اسے بر بنائے عرف نذر کہا جاتا ہے اور اس ایصال ثواب اور ہدیہ کو نذر کہنا شرعاً جائز ہے۔ جیسا کہ طبقات کبریٰ جلد دوم ص ۶۸ امام الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل پیش کی گئی ہے اور تفسیرات احمد کا حوالہ بھی مرقوم ہے۔

آخر میں حضرت شاہ رفیع الدین کی عبارت حرید نقل کی جاتی ہے۔ وہ اپنے رسالہ نذر میں تحریر فرماتے ہیں
نذرے کہ ایں جا مستعمل میشود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنت کہ آنچہ پیش بزرگان ہے بر نذر، نذر و نیاز می گویند
جو نذر کہ اس جگہ مستعمل ہوتی ہے وہ اپنے معنی شرعی پر نہیں بلکہ معنی عرفی پر ہے اس لئے جو کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو معترضین کے نزدیک مسلم علمائے راجحین میں سے ہیں انھیں ص ۴۵ میں تحریر فرماتے ہیں

حضرت ایشاں در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللہ دیہ رفتہ بودند و شب ہنگام بود در آن محل فرمودند، مخدوم ضیافت مامیکند و میگویند چیزے خوردہ ردید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد و ملال بر یاراں غالب آمد، آنگارہ زنی بیامد، طبق برنج و شیرینی بر سر و گفت نذر کردہ بودم کہ اگر زردج من بیاید، ہماں ساعت ایں طعام پختہ بہ نشیندگان درگاہ مخدوم اللہ دیہ سانم دریں وقت آمد، نذر ایفاء کردم۔

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے۔ رات کا وقت تھا، اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری ضیافت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جانا۔ حضرت نے توقف فرمایا یہاں تک کہ آدمیوں کا نشان منقطع ہو گیا۔ سناٹھی اکتا گئے۔ اس وقت ایک عورت اپنے سر پر چاول اور شیرینی کا طبق لئے ہوئے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند آئے گا اس وقت یہ کھانا پکا کر مخدوم اللہ دیا رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچاؤں گی، وہ اسی وقت آیا میں نے اپنی نذر پوری کی۔

درمختار، بحر الرائق وغیرہ نے جس نذر اولیاء کو حرام اور باطل قرار دیا ہے، علامہ شامی وغیرہ فقہانے اس کے وجوہ بھی بیان فرمائے ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ وہ مخلوق کی نذر ہے اور نذر چونکہ عبادت ہے اس لئے مخلوق کے لئے جائز نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ منذور لہ میت ہے اور میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس نے یہ اعتقاد کیا کہ میت ہی متصرف فی الامور ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔ (شامی جلد دوم ص ۱۳۹)

ہم تفصیلاً لکھ چکے ہیں کہ نذر شرعی (جو عبادت ہے) ہرگز کسی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں، نہ میت کو اشیاء منذورہ کا مالک سمجھنا درست ہے، نہ غیر اللہ کو اللہ کے سوا متصرف فی الامور جاننا جائز ہے۔ اس اعتقاد فاسد کے ساتھ نذر اولیاء کو آج تک کسی نے جائز نہیں کہا۔ محل نزاع تو یہ امر ہے کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ اولیائے کرام کے لئے لفظ نذر بمعنی عربی بولنا یا دل میں اس کی نیت کرنا یا اسی نیت سے ان کے حرارات پر کوئی چیز لانا جائز ہے یا نہیں؟

ہمارے نزدیک جائز ہے۔ جیسا کہ تحریر مختار رد المحتار جلد اول صفحہ ۱۲۳ میں علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ونذر الزيت والشمع الاولیاء یوقد عند قبورهم تعظیماً لہم ومحبتہ فیہم جائز ایضاً لا ینبغی النہی عنہ۔ ۱۵

تیل اور شمع کی نذر ماننا اولیاء اللہ کے لئے کہ وہ چراغ روشن کئے جائیں۔ ان کی قبروں کے نزدیک ان کی تعظیم اور محبت کے لئے تو یہ بھی جائز ہے، اس سے منع کرنا بھی مناسب نہیں۔

اور منکرین اسے حرام کہتے ہیں۔ الحمد للہ اس کے ثبوت جواز میں ہم متعدد عبارات نقل کر چکے ہیں اور منکرین اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔

رہا یہ امر کہ حرارات اولیاء پر جا کر یا سیدی فلان یا ولی اللہ اقص حاجتی اعنی وغیرہ الفاظ بولنے کو فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے۔ لہذا جو لوگ ایسے الفاظ قبور اولیاء پر بولتے ہیں وہ شرک ہیں۔

بے شک فقہاء نے اس سے منع فرمایا ہے لیکن اسی فساد عقیدہ اور متصرف بالاستقلال سمجھنے کی بناء پر جس کی تفصیل ہم ابھی رد المحتار سے نقل کر چکے ہیں ورنہ اس کے بغیر نذر اولیاء ممنوع نہیں۔ دیکھئے صحیح ابن عوانہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور معجم الطبرانی الکبیر میں حدیث شریف ”اعینونی یا عباد اللہ“ (مدد کرو میری اے اللہ کے بندو) وارد ہے۔ (حصن حصین ص ۲۲ اور شامی جلد ثابث ص ۳۵۵ کے منہیہ میں ہے

قود الذیادی ان الانسان اذا ضاع لہ شیء وارد ان یردہ اللہ سبحانہ علیہ فلیقف علی مکان عال مستقبل

القبلة وبقراء الفاتحة ويهدي ثوابها للنبي صلى الله عليه وسلم ثم يهدي ثواب ذلك لسیدی احمد بن علوان ويقول يا سیدی احمد يا ابن علوان ان لم ترد علی ضالتي والا نزعتك من دیوان الاولیاء فان الله یرد علی من قال ذالك ضالة ببرکته اجهوری مع زیادة کذا فی حاشیة شرح المنهج الداؤدی رحمة الله تعالی ۱ ھ منه (شامی جلد ثالث ص ۳۵۵)

زیادی نے تقریر کی کہ بے شک انسان کی کوئی شے جب ضائع ہو جائے اور وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ضائع شدہ چیز اس پر لوٹا دے تو اسے چاہئے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے اونچی جگہ پر کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب نبی کریم ﷺ کے لئے ہدیہ کرے پھر اس کا ثواب کا ہدیہ سیدی احمد بن علوان کیلئے کرے اور کہے یا سیدی احمد اے ابن علوان اگر آپ نے میری گم شدہ چیز واپس نہ کی تو میں آپ کو دیوان اولیاء سے اتار دوں گا تو بے شک اللہ تعالیٰ واپس کر دیتا ہے اس کہنے والے پر اس کی گم شدہ چیز کو ان کی برکت سے۔ دیکھئے فقہائے کرام کے کلام میں یا سیدی احمد یا ابن علوان وارد ہے اور ان لم ترد علی ضالتي میں ان ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ رد ضالۃ کا فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ احمد بن علوان کی طرف اس کی اسناد مجاز عقلی ہے۔ اس پر جو دلیل ہے وہ قائل کا خود مومن و موحد ہونا ہے۔ جیسا کہ انبت الربیع البقل (موسم ربیع نے سبزی کو اگایا) اگر مومن کہے تو مجازاً عقلی ہو گا اور دہریہ کہے تو اسناد حقیقی ہونے کی وجہ سے یہ قول کفر خالص قرار پائے گا۔ نداء اولیاء کے مسئلہ میں مذاکرے والے کا مومن و موحد ہونا جوازِ ندا کی روشن دلیل ہے۔ بعض لوگ اس ندائے منقولہ بالا (یا سیدی احمد یا ابن علوان) کے جواب میں یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو ایک عمل ہے۔ اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ جواباً عرض ہے کہ عمل ہی یہی لیکن جب غیر اللہ کو مخاطب کر کے ندا کرنا آپ کے نزدیک شرک ہے تو ایسے الفاظ جو شرک پر دال ہوں یا موہم شرک ہوں کسی عمل میں ان کا تلفظ کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کلمات کفریہ بکتا رہے مثلاً یا عزیٰ اقص حاجتی (اے عزیٰ میری حاجت پوری کر دے) کہے اور جب اسے روکا جائے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں تو محض عمل کی نیت سے الفاظ پڑھتا ہوں تو کیا کوئی عاقل متدین اس کو ایسے الفاظ بولنے کی اجازت دے سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ مستقل بالذات، متصرف فی الامور سمجھ کر کسی ولی کو ندا کرنا ہمارے نزدیک بھی شرک ہے لیکن معطلی و حاجت روائے حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کو مانتے ہوئے اور اولیاء کرام کو محض وسیلہ واسطہ سمجھ کر انہیں پکارتا ہرگز جائز نہیں۔

دیکھئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ عزیزی میں فرماتے ہیں

وہست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود از جناب عزت الہی تبوسل روحانیت بندہ کہ مقرب و مکرم درگاہ والا، است و گوید خداوند بابرکت ایں بندہ کہ تو رحمت و اکرام کردہ اور ابراہ وردہ گردان حاجت مرا، یا ندا کند ایں بندہ مقرب و مکرم را کہ اے بندہ خدا ولی وے شفاعت کن مراد نجواہ از خدا تعالیٰ مطلوب مرا، تا قضا کند حاجت مرا، پس نیست بندہ در میان مگر وسیلہ و قادر و معطی و مسئول پروردگار است تعالیٰ شلئے و در دے ہیج شائبہ شرکت نیست چنانکہ منکر و ہم کردہ (فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص ۱۰۷)

اور نہیں ہے صورت استمداد مگر یہی کہ محتاج طلب کرے اپنی حاجت بارگاہ رب العزت سے اللہ تعالیٰ کے مقرب و مکرم بندے کی

روحانیت کے توسل سے اور کہے اے اللہ، اس بندے کی برکت سے جس پر تو نے اپنی رحمت اور اپنا اکرام فرمایا ہے میری حاجت کو پورا کر دے یا پکارے اس بندہ مقرب و مکرم کو کہ اے خدا کے بندے اور اللہ کے ولی میری شفاعت کر اور اللہ تعالیٰ سے میرا مطلوب مانگ تا کہ وہ میری حاجت پوری فرمادے پس نہیں بندہ درمیان میں مگر وسیلہ اور قادر و معطی حقیقی اور مسئول پروردگار ہے جس کی شان بہت بلند و بالا ہے اور اس میں شائبہ شرک کا نہیں ہے جیسا کہ منکر وہم کرتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے اس عبارت میں ولی اللہ، صاحب قبر کے لئے لفظ ”ندا کند“ موجود ہے۔ پھر وہ ندا بھی اے بندہ خدا ولی وے عبارت میں مذکور ہے جس سے ہمارا مدعا روز روشن کی طرح ثابت و واضح ہو رہا ہے جس کا انکار کوئی منصف حرج نہیں کر سکتا۔ واللہ الحمد۔

ان عبارات فقہ و نقول معتبرہ کی روشنی میں نذر اولیاء کا مسئلہ بالکل روشن ہو گیا۔ بالمعنی المذکور اس کے جواز میں کسی عاقل متدین کو شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

توسل و استعانت بالاولیاء اکرام کا مسئلہ بھی بیان سابق کی روشنی میں اچھی طرح واضح ہو گیا۔ شرک و توحید کا فرق بھی بالتفصیل بیان کر دیا گیا۔

اب یہ عرض کرنا باقی رہا کہ ”وَمَا اَهْلٌ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ“ کے تحت وہ جانور جنہیں نذر اولیاء بمعنی المذکور کے ساتھ بزرگان دین کی طرف منسوب کر دیا ہو وہ حلال و طیب ہیں اور وہ لوگ جو انہیں حرام کہتے ہیں سخت گمراہی میں مبتلا ہیں۔ شرعاً ذبیحہ کی حلت و حرمت میں ابتداء ذبح کے وقت صرف ذابح کی نیت قول اور حال کا اعتبار ہے مالک کا نہیں۔ ردالمحتار جلد خامس ص ۲۱۷ میں ہے

اعلم ان المدار على القصد عند ابتداء الذبح (تتار خانیہ)

جاننا چاہئے کہ مدار مقصد پر ہے خاص ابتداء ذبح کے وقت

جامع الفتاویٰ اور عالمگیری جلد رابع ص ۷۴ میں ہے

مسلم ذبح شاة المجوسی لیت نارہم او الکافر لالہنہم توکل لائنہ سمي اللہ تعالیٰ ویکره للمسلم۔ انتہی مجوسی نے آتش کدہ کے لئے بکری یا حرد کی یا کافر نے اپنے بتوں کے لئے کوئی جانور یا حرد کیا اور ان جانوروں کو مسلمان نے ذبح کر دیا اگرچہ مسلمان کے لئے ایسا کرنا مکروہ ہے مگر وہ جانور حلال و طیب ہے کھایا جائے گا۔

مقام غور ہے کہ مشرکین و کفار بتوں اور بت خانوں کے لئے یا حرد کئے ہوئے جانور مسلمان کے ذبح کرنے سے حلال ہو جائیں مگر نذر اولیاء کرام کا جانور مومن کے ذبح کرنے سے حلال نہ ہو۔ سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم۔

اس مسئلہ میں تفسیر عزیزی کی عبارت سے بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکا میں ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب موصوف کا مسلک یہ ہے کہ جس جانور کو کسی ولی وغیرہ کے لئے یا حرد کر دیا جائے۔ اس میں ایسا خبث پیدا ہو جاتا

ہے کہ وہ پھر کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مالک اپنی نیت کو نہ بدلے اور پہلی شہرت کے بعد اللہ کے نام پر اسے مشہور نہ کر دے حالانکہ شاہ صاحب کا یہ مسلک ہرگز نہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے کے بعض مشرک پیر پرستوں کے اعتقاد اور شرکانہ طرزِ عمل کے پیش نظر مذکور بغیر اللہ کا مسئلہ بیان فرمایا، اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں شرکین کا ایک گروہ پیر پرستوں کے نام سے پایا جاتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی جلد اول ص ۱۷۷ میں بیان انواعِ شرک کے تحت شرکین کے جو فرقے شمار کئے ہیں ان کا چوتھا گروہ پیر پرستوں کا فرقہ بتایا ہے۔ تفسیر عزیزی کی وہ عبارت بلفظہا ملاحظہ ہو

چہارم: پیر پرستوں کو بند چوں مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت و مجاہدہ، مستجاب الدعوات و مقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بود، ازیں جہاں می گزرد روح اور قوت عظیم و وسعت بس فہم می رسد، ہر کہ صورت اور ابرزخ ساز و یاد مکان نشست و برخاست او یا برگور او تہجد و تذلل تام نماید، روح او بسبب وسعت و اطلاق بر آں مطلع شود و در دنیا و آخرت در حق او شفاعت نماید

گروہ چہارم پیر پرست کہتے ہیں کہ جب کوئی مرد بزرگ بسبب کمال ریاضت، مجاہدہ کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستجاب الدعوات اور مقبول الشفاعت ہو کر اس جہان سے گزر گیا تو اس کی روح کو بڑی قوت و وسعت حاصل ہو جاتی ہے جو شخص بھی اس کی صورت کو برزخ بنائے یا اس کے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ پر یا اس کی قبر پر سجدہ عبادت و تذلل تام کرے تو اس بزرگ کی روح وسعت و اطلاق کے سبب (خود بخود) اس پر مطلع ہو جاتی ہے اور دنیا و آخرت میں اس کے حق میں شفاعت کرتی ہے۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ گروہ واقعی شرکانہ عقائد رکھتا تھا اور قبروں پر سجدہ اور تذلل تام اس کی خصوصیات سے تھا۔ تذلل تام کے معنی صرف عبادت ہیں۔ دیکھئے شامی جلد دوم ص ۲۵۷ پر ہے

العبادة عبارة عن الخضوع والتذلل

ترجمہ ☆ خضوع اور تذلل تام کو عبادت کہتے ہیں۔

جو گروہ قبروں پر سجدہ عبادت اور تذلل تام کرتا ہو وہ کس طرح مومن ہو سکتا ہے۔ اس زمانہ کے خوارج نے اہل حق متصفین کرام، اولیاء اللہ سے عقیدت و محبت رکھنے والے اہل سنت مسلمانوں کا نام پیر پرست رکھ دیا، ان کے حرارات پر جانا، ان کی ارواح طیبہ کو ایصالِ ثواب کرنا، ان سے روحانی فیض لینا اور سال بسال ان کے اعراس کرنا جو ان حضرات کے معمولات سے ہے، کفر و شرک اور پیر پرستی کی علامت قرار دے دیا حالانکہ یہ تمام امور خود شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہم کے معمولات سے ہیں، جیسا کہ فتاویٰ عزیزی، انفاسِ رحیمیہ، انفاسِ العارفین اغتباہ فی سلاسلِ اولیاء اللہ میں یہ تمام چیزیں بالتفصیل مذکور ہیں۔ من شاء الاطلاع فلیرجع الیہا۔

ممکن ہے اس زمانہ میں بھی اس قسم کے شرکانہ عقائد رکھنے والے بعض لوگ کہیں پائے جاتے ہوں لیکن جب تک کوئی شخص اپنے عقیدہ کو خود ظاہر نہ کرے اور اپنے قول یا قطعی شرکانہ عمل سے اپنے شرک ہونے کا اقرار و اظہار نہ کرے اس وقت تک اس پر حکم شرک لگانا

اور اسے اس زمانہ کے مشرکین، پیر پرستوں کے گروہ میں شامل کرنا ظلم اور تعدی، بہتان و افتراء نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ عامۃ المسلمین کو پیر پرست کہہ کر مشرکین کے اس چوتھے گروہ میں شامل کیا جاتا ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی تفسیر عزیزی سے نقل کیا ہے۔ یہ امر قابل فراموش نہیں ہے کہ فقہاء، علماء، راہنماؤں کے کلام میں توسل و استمداد اور نذر اولیاء وغیرہ مسائل میں بعض مقامات پر جو تشدد پایا جاتا ہے درحقیقت اس کا تعلق اسی گروہ مشرکین سے ہے جو اپنے آپ کو پیر پرست کہلوا کر عقائد مشرکیہ میں مبتلا ہوا۔ اہل سنت و جماعت پر اس تشدد یا حکم تکفیر کو محمول کرنا جرأت عظیمہ اور ظلم صریح ہے۔ ”وَسَبِّحْ لِلدِّينِ ظُلُمُوا اِيْ مَنْ قَلْبٍ يَنْقَلِبُونَ“ (الشعراء: ۲۲۷)

آدم برسر مطلب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں مذکورہ گروہ مشرکین کا طرز عمل سامنے رکھ کر ارقام فرمایا۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ ایک جانور کی جان دینے کی نذر شیخ سدو وغیرہ کے لئے مانی اور تشہیر کردی پھر اسی نیت کے ساتھ شیخ سدو وغیرہ کے لئے خون بہانے کی نیت سے اس جانور کو ذبح کر دیا یا اپنی اسی نیت اور منت کو پورا کرنے کے لئے کسی دوسرے آدمی سے ذبح کرا دیا، ہر صورت میں اس جانور کا خون شیخ سدو وغیرہ کے لئے بہایا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ذبیحہ مذکورہ کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا۔ کم فہم لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت شاہ صاحب نے ان جانوروں کو محض نذر غیر اللہ کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے حالانکہ یہ قطعاً باطل اور شاہ صاحب پر بہتان صریح ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے تفسیر عزیزی میں اپنے مسلک کی وضاحت فرماتے ہوئے تین دلیلیں ارقام فرمائی ہیں جن میں پہلی دلیل یہ حدیث ہے ”مَلْعُونٌ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ“ (ملعون ہے جس نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا) جس میں لفظ ذبح صراحۃً مذکور ہے۔ دوسری دلیل عقلی ہے جس میں صاف مذکور ہے ”وَجَانِ اِيْنَ جَانُوْرًا اِيْنَ غَيْرِ قَرَارِدَادِهْ كَشْتِهْ اَمْ“ (اور اس جانور کی جان اس غیر اللہ کی مملوک قرار دے کر اسے ذبح کیا ہے) یہاں بھی اس جانور کو غیر کی طرف منسوب کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ کشتہ اندہ فرما کر واضح فرمادیا کہ جب تک اس جانور کا غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا واقع نہ ہو اس وقت تک اس میں خبث پیدا نہیں ہوتا اور نہ وہ حرام ہوتا ہے۔

تیسری دلیل تفسیر نیشاپوری کی حسب ذیل عبارت ہے

اجمع العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحة وقصد بدیجھا التقرب الی غیر اللہ صار مردداً وذبیحة ذبیحة مردداً

علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور ذبح کیا اور اس کے فعل ذبح سے غیر اللہ کی طرف تقرب (علی وجہ العبادۃ) کا ارادہ کیا تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ قرار پائے گا۔

یہاں بھی ذبح بقصد تقرب الی غیر اللہ مذکور ہے۔ ثابت ہوا کہ شاہ صاحب محض تشہیر غیر اللہ کو موجب حرمت قرار نہیں دیتے بلکہ ذبح غیر اللہ ان کے نزدیک موجب حرمت ہے جو نہ صرف ہمارا بلکہ تمام امت مسلمہ کا متفقہ مسلک ہے۔ اگرچہ اصل لغت کے اعتبار سے حضرت شاہ صاحب نے ”اہل“ کا ترجمہ ”آواز دہا شد“ کیا ہے مگر چونکہ اس آواز اور شہرت سے وہی آواز اور شہرت مراد ہے جس پر

جانور کا ذبح واقع ہوا۔ اسی لئے آیت کریمہ ”وَمَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللَّهِ“ کی تفسیر کرتے ہوئے شاہ صاحب ممدوح نے صاف لفظوں میں ”وَمَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللَّهِ“ کا ترجمہ ذبح بقصد غیر اللہ فرمایا۔ چنانچہ تفسیر عزیزی ص ۶۱۱ جلد اول میں فرماتے ہیں

آدمیم برآ نکہ دریں سورہ لفظ بہ را بر لفظ لغير اللہ مقدم آوردہ اند و در سورہ مائدہ و انعام و نحل مؤخر و چہش آنست کہ اصل ہمین است کہ بار متصل فعل و مقدم بر متعلقات دیگر آرد، زیرا کہ ”با“ دریں مقام برائے تعدیہ فعل است مانند ہمزہ و تضعیف پس حتی الامکان ملاحظہ فعل باشد ایں موضع اول قرآن است دریں موضع برہاں اصل خود استعمال فرمودہ اند، و در سورت ہائے دیگر آنچہ محل انکار و مدار سرزنش است یعنی ذبح بقصد غیر اللہ مقدم آمدہ۔ (تفسیر عزیزی ص ۶۱۱ جلد اول)

اب ہم اس بیان پر آئے کہ اس سورت میں لفظ بہ کو لفظ لغير اللہ پر مقدم لائے ہیں اور سورہ مائدہ، انعام و نحل میں مؤخر اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ ”با“ کو فعل کے متصل اور دوسرے متعلقات پر مقدم لائیں۔ اس لئے کہ با اس جگہ ہمزہ اور تضعیف کی طرح تعدیہ فعل کیلئے ہے۔ پس حتی الامکان فعل کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی۔ قرآن کریم میں یہ آیت پہلی جگہ ہے، اس جگہ اپنی اصل پر استعمال فرمایا ہے اور دوسری سورتوں میں وہ چیز مقدم ہے جو محل انکار اور مدار سرزنش ہے یعنی ذبیحہ بقصد غیر اللہ۔ (تفسیر عزیزی ص ۶۹۳ جلد اول)

سورہ بقرہ ہو یا مائدہ یا انعام یا نحل ہر جگہ لفظ ”اہل“ واقع ہو نہ ذبح، پھر شاہ صاحب کا یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ دوسری سورتوں میں ذبح بقصد غیر اللہ پر مقدم آیا ہے جب تک کہ ”اہل“ کا معنی ذبح نہ کیا جائے۔

ثابت ہوا کہ خود شاہ صاحب کے نزدیک ”بہ اہل لغيرِ اللَّهِ“ کے مرادی معنی ذبح بقصد غیر اللہ ہے۔ واللہ الحجة السامیة۔ اس کی تائید حریہ میں فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۲۱ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت سید احمد کبیر کے لئے نذر مانی ہوئی گائے کے حلال یا حرام ہونے کے سوال کا جواب حضرت شاہ صاحب اس طرح ارقام فرماتے ہیں

جواب: مدار حلت و حرمت ذبیحہ بر قصد و نیت ذابح است، اگر بیت تقرب الی اللہ یا برائے اکل خود یا برائے تجارت و دیگر امور مباحہ ذبح میکند حلال است والا حرام۔

ذبیحہ کی حلت و حرمت کا مدار ذابح کی نیت و قصد پر ہے۔ اگر تقرب الی اللہ کی نیت ہے یا اپنے کھانے کے لئے یا تجارت اور دوسرے جائز کلاموں کے لئے ذبح کرے تو جائز ہے ورنہ حرام۔

دیکھئے اس بقرہ منذورہ کو نذر سید احمد کبیر کی وجہ سے حرام نہیں کہا۔ اگر رفع صوت و تشہیر و نذر لغير اللہ موجب حرمت ہوتی تو جواب میں حلت و حرمت ذبیحہ کا مدار ذابح کے قصد و نیت پر ہرگز نہ ہوتا لیکن نیت ذابح پر مدار حلت و حرمت قرار دے کر شاہ صاحب موصوف نے اپنا مسلک واضح فرمادیا کہ محض ماحرہ کی وجہ سے حرمت نہیں جب تک فعل ذبح کے ساتھ تقرب الی غیر اللہ کی نیت نہ پائی جائے۔

اس جواب میں آگے چل کر صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں

فینہم دائمة الی وقت الذبح

☆ یعنی ان کی نیت تقرب الی غیر اللہ وقت ذبح تک دائم و مستمر رہتی ہے۔

ثابت ہوا کہ صرف نیت تعظیم لغیر اللہ موجب حرمت نہیں، جب تک کہ وہ نیت وقت ذبح تک دائم و باقی نہ رہے۔

اس مسئلہ میں یہی شاہ صاحب اسی فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ ۷۴ پر فرماتے ہیں

فمَنْ كَانَ ارَاقَةَ الدَّمِ لِلتَّقَرُّبِ إِلَى غَيْرِ اللَّهِ حُرْمَتِ الذَّبِيحَةِ وَمَنْ كَانَ ارَاقَةَ الدَّمِ لِلَّهِ وَالتَّقَرُّبِ إِلَى الْغَيْرِ بِالْأَكْلِ وَالْإِنْتِفَاعِ حَلَّتِ الذَّبِيحَةُ - ۱ ۵

جب خون بہانا تقرب الی غیر اللہ کے لئے ہو تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا اور جب خون بہانا اللہ کے لئے ہو اور تقرب الی غیر اللہ کھانے اور نفع حاصل کرنے کے ساتھ مقصود ہو تو ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔

دیکھئے حلت و حرمت ذبیحہ میں کتنا روشن فیصلہ ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر یہ کہا جائے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ محض تشہیر لغیر اللہ کو جانور کے حرام ہونے کی علت قرار دیتے ہیں تو ایسا کہنا یقیناً شاہ صاحب پر افتراء عظیم ہوگا۔

انکے نزدیک آیہ کریمہ ”وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِّغَيْرِ اللَّهِ“ کے مرادی معنی قطعاً یہی ہیں کہ جس جانور پر عند الذبح اہلال لغیر اللہ کیا جائے۔

امام حجۃ الاسلام ابو احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۷۴۰ھ اپنی مشہور تفسیر احکام القرآن جلد اول صفحہ ۱۴۵ اور ۱۴۶ پر اس

آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں

”وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِّغَيْرِ اللَّهِ“ ولا خلاف بین المسلمین ان المراد به الذبیحة اذا اهل بها لغیر اللہ عند الذبح

اور مسلمان کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ”وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِّغَيْرِ اللَّهِ“ سے وہی ذبیحہ مراد ہے جس پر بوقت ذبح

غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

اجماع امت کے خلاف قول کرنا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟

حدیث شریف ”لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ“ کے تحت علامہ نووی فرماتے ہیں

واما الذبح لغیر اللہ فالمراد به ان یذبح باسم غیر اللہ تعالیٰ کمن ذبح للصليب او لموسى او لعيسى صلى اللہ علیہما او للکعبه و او نحو ذلك فکل هذا حرام ولا یحل هذه الذبیحة سواء کان الذابح مسلماً او نصرانياً او یهودياً نص علیہ الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ وافق علیہ اصحابنا فان قصد مع ذلك تعظیم المذبح لغير اللہ تعالیٰ والعبادة له کان ذلك کفراً فان کان الذابح مسلماً قبل ذلك صار بالذبح مرتداً وذكر الشيخ ابراهيم المروزی من اصحابنا، انما یذبح عند استقبال السلطان قرباً الیه افتی اهل البخارا بتحريمه لانه مما اهل به لغير اللہ تعالیٰ، قال الرافعی لهذا انما یذبحونه استیشاراً بقدمه فهو کذب العقیقة لولادة المولود ومثل هذا لا یوجب التحريم واللہ اعلم۔ (نووی برمسلم شریف جلد دوم ص ۱۶۱)

اور ذبح لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر کوئی ذبح کرے جیسے کسی نے بت یا صلیب کے لئے ذبح کر دیا یا موسیٰ اور عیسیٰ علیہما

السلام کے لئے یا کعبہ وغیرہ کے لئے ذبح کر دیا تو سب حرام ہے اور یہ ذبیحہ حلال نہیں۔ برابر ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی

یا عیسائی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور ہمارے اصحاب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اگر اس ذبح لغیر اللہ

کے ساتھ اس غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت بھی مقصود ہو تو یہ کفر ہو گا۔ لہذا اگر ذبح کرنے والا پہلے مسلمان تھا تو اس ذبح کے بعد مرتد ہو جائے گا اور شیخ ابراہیم مروزی نے جو ہمارے اصحاب سے ہیں ذکر فرمایا کہ سلطان کے استقبال کے وقت اس کی طرف تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں، اہل بخارا نے ان کی حرمت کا فتویٰ دیا کیونکہ وہ ”مِمَّا أَهْلٌ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ“ سے ہیں۔ امام رافعی نے فرمایا کہ یہ جانور، لوگ امیر کے آنے کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں تو وہ بچہ پیدا ہونے کے وقت عقیقہ کے ذبح کی طرح ہیں اور ایسا ذبح حرمت کو واضح نہیں کرتا۔

علامہ نووی کے اس کلام سے حدیث (مبارک) ”لَعْنُ اللَّهِ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ“ کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ اس سے مراد ذبح لغیر اللہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ استقبال سلطان کے وقت جو جانور تقریباً الی سلطان ذبح کئے جاتے ہیں رافعی نے ان کو باداشرہ کے آنے کی خوشی پر محمول کر کے اس کو ذبح عقیقہ کی طرح جائز قرار دیا ہے۔ ان تمام تصریحات سے آیہ کریمہ ”وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ“ کے مرادی معنی آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئے۔ اس کے بعد بھی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی غلط توجیہ کرنا انہیں امت مسلمہ کا مخالف قرار دینا ہے۔ جن لوگوں نے ازراہ عناد شاہ صاحب کے کلام کی توجیہ بجایا امت کے خلاف کی ہے انہوں نے شاہ صاحب کے ساتھ کوئی نیکی کا سلوک نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے صراحۃً شاہ صاحب کو قرآن و حدیث کا مخالف قرار دیا ہے۔

دیکھئے، اولیائے کرام کے نام پر جو جانور ناحرد کئے جائیں وہ تو مردار اور سنگ و خوک سے زیادہ نجس و حرام قرار پائیں اور جو جانور ناپاک بتوں کے لئے ان کی عبادت اور نذر کی نیت سے تقریباً الی غیر اللہ ناحرد کئے جائیں وہ حلال و طیب رہیں۔

قرآن مجید اٹھا کر دیکھئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ (المائدة)

☆ اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام نہیں بنایا۔

بخاری شریف ج ۲ ص ۶۶۵ کتاب التفسیر میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی تفسیر میں جو الفاظ پر روایت حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارد ہوئے ہیں، ہدیہ ناظرین کے جاتے ہیں۔

بحیرہ کی تفسیر میں ہے ”اللتی بمنع درھا للطواغیت“ اور سائبہ کی تفسیر میں مرقوم ہے ”والسائبۃ کانوا یسیبونھا لالہتھم“ اور وصیلہ کے بیان میں ہے ”وکانوا یسیبونھا لطواغیتھم“ اور حام کے متعلق مرقوم ہے ”فاذا قضی ضرابہ دعوة للطواغیت“ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے روک دیا جائے چنانچہ اسے کوئی شخص نہیں دوھتا تھا اور سائبہ وہ جانور ہیں جنہیں مشرکین اپنے بتوں کے لئے چھوڑ دیا کرتے تھے اور وصیلہ وہ نازادہ اونٹنی ہے جو سب سے پہلے مادہ جنے پھر اس مادہ کے بعد دوسری مادہ جنے، مشرکین اسے اپنے بتوں کے لئے چھوڑ دیتے تھے کیونکہ وہ دونوں مادہ بچے اس حال میں پیوستہ ہوتے تھے کہ ان کے درمیان کوئی نرنہ ہوتا تھا اور حام وہ نر شتر ہے جو چند محدود مرتبہ جفتی کر چکا ہو۔ وہ خفیاں پوری ہو جانے کے بعد اسے

اپنے بتوں کے لئے چھوڑ دیتے تھے اور بار برداری سے باز رکھتے، کوئی چیز اس پر بار نہ کرتے اور اس کا نام حام رکھ دیتے۔

فتح الباری جلد ہشتم ص ۲۸۸ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ”وَالسَّائِبَةُ كَانُوا يَسْبُونَهَا لِأَلْهَتَهُمْ“ کے تحت فرماتے ہیں
 قَالَ أَبُو عِيْنَةَ كَانَتْ السَّائِبَةُ مِنْ جَمِيعِ الْأَنْعَامِ وَتَكُونُ مِنَ النَّذِيرِ لِلْأَنْعَامِ فَتَسْبِيْبُ فَلَا تَحْبِسُ عَنْ مَرْعَى وَلَا عَنْ مَاعٍ
 وَلَا يَرْكَبُهَا أَحَدٌ قَالَ وَقِيلَ السَّائِبَةُ لَا تَكُونُ إِلَّا مِنَ الْإِبِلِ كَانَ الرَّجُلُ يَنْذِرُ أَنْ يَرَى مِنْ مَرْعَى أَوْ قَدَمٍ مِنْ سَفَرٍ لِيَبِينَ
 بَعِيرًا هَكَذَا فِي الْعَيْنِ۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سائبہ تمام قسم کے چوبایوں سے ہوتا تھا اور یہ بتوں کے لئے نذر مانے ہوئے جانور
 ہیں ان کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور کسی چراگاہ، پانی اور گھاس سے انہیں نہ روکا جاتا تھا اور نہ ان پر کوئی سوار ہوتا تھا۔ انہوں نے کہا، ایک قول یہ
 بھی ہے کہ سائبہ صرف اونٹ کی قسم ہوتا تھا، آدمی نذر ماننا تھا کہ اگر وہ بیماری سے اچھا ہو جائے یا سفر سے واپس آ جائے وہ کوئی اونٹ
 بتوں کے لئے ماحرد کر کے چھوڑ دے گا۔ (یعنی شرح بخاری میں بھی اسی طرح ہے)

ان احادیث و روایات سے یہ ثابت ہو گیا کہ مشرکین عرب بعض جانوروں کو اپنے بتوں کے لئے اپنی بعض حاجات میں نذر مانتے
 اور انہیں اپنے معبودوں کی طرف منسوب کر کے ان کی تشہیر کرتے تھے۔ لہذا قطعی طور پر ہمارے مخالفین کے نزدیک ”وَمَا أَهْلُ بِهِ لِغَيْرِ
 اللَّهِ“ میں داخل تھے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام نہیں قرار دیا بلکہ ارشاد فرمایا ”مَّا لَكُمْ إِلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ
 عَلَيْهِ“ (تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ان جانوروں سے نہیں کھاتے جن پر (بوقت ذبح) اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو) اس آیت کی تفسیر کرتے
 ہوئے علامہ ابو سعود فرماتے ہیں

انكر لان يكون لهم شيء يدعوهم الى الاجتناب عن اكل ما ذكر عليه اسم الله تعالى من البحائر والسوائب
 ونحوها۔ (تفسیر ابو سعود ص ۲۰۱ جلد رابع)

اللہ تعالیٰ نے اس بات پر انکار فرمایا ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات پائی جائے جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے
 جانوروں کو نہ کھائیں۔

مشرکین نے بحیرہ، سائبہ وغیرہ جانوروں کو اس لئے حرام کر لیا کہ وہ ان کو اپنے بتوں کے لئے ماحرد کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے
 قرآن پاک میں ان کی مذمت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَثُرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
 إِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءُنَا أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِقُونَ فَلَا يَهْتَدُونَ (المائدہ)

اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام مقرر نہیں فرمائے لیکن کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں اور ان کے اکثر بے عقل
 ہیں اور جب ان سے کہا جائے کہ تم اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی اور رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں کافی ہے ہمیں وہی جس پر
 ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور ہدایت یافتہ نہ ہوں۔ تو کیا پھر بھی وہ انہی کے طریقے کو کافی
 سمجھیں گے۔

علامہ نفی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مدارک جلد اول ص ۲۳۷ میں ”وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ“ کے تحت فرماتے ہیں

ای ہلموا الی حکم اللہ ورسولہ بان ہذہ الاشیاء غیر محرمة۔

یعنی اللہ اور رسول کے حکم کی طرف آؤ کہ یہ چیزیں یعنی بتوں کے نام چھوڑے ہوئے جانور حرام نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں بخوبی واضح ہو گیا کہ بحیرہ، سائبہ وغیرہ جانور حرام نہیں اور باوجودیکہ مشرکین ان کی نذر اپنے بتوں کے لئے مانتے تھے اور ان کو بتوں کے لئے ماحر د کرتے تھے وہ قطعاً حلال ہیں اور ہرگز ”وَمَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللَّهِ“ میں داخل نہیں تو ایسی صورت میں اولیائے کرام کے لئے نذر مانے ہوئے جانور کیونکر ”وَمَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللَّهِ“ میں داخل ہو کر حرام ہو سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ حضرات اولیائے کرام کی فاتحہ، ایصالِ ثواب، نذر و نیاز کے جانور قطعاً حلال ہیں اور انہیں حرام کہنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر افتراء عظیم اور بہتان عظیم ہے۔

یہاں تک تو قرآن وحدیث، اقوالِ مفسرین و فقہاء کرام و علماء عظام کی تصریحات پیش کی گئیں اور اب آخر میں اتمامِ حجت کے لئے جناب انور شاہ صاحب کشمیری کی عبارت پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے (فیض الباری ج ۴ ص ۱۸)

واعلم ان الالہلال لغيرِ اللہ تعالیٰ وان کان فلالاً حراماً لکن الحيوان المہل حلال ان ذکاه بشرائطہ وکذا الحلوان التی یتقوب بہا للادنان ایضا جائزہ علی الاصل اما السوائب فتکلموا فیہا انہا تخرج بعد التقرب من ملک صاحبہا او لا فراجعہ من الفقہ

یعنی (بہ نیت عبادت) کسی جانور پر غیر اللہ کا نام بلند کرنا اگرچہ (فی نفسہ) فعل حرام ہے لیکن جس جانور پر وہ نام بلند کیا جائے وہ حلال ہے اگر شرائط کے ساتھ ذبح کیا ہو۔ اسی طرح دراصل وہ چڑھاوا بھی جائز ہے جس سے بتوں کا تقرب حاصل کیا جائے اور سائبہ وغیرہ جانور (جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں) تو ان میں صرف اتنا کلام ہے کہ وہ تقرب للادنان کے بعد وہ اپنے مالک کی ملک سے نکل جاتے ہیں یا نہیں تو اس کے لئے فقہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

یعنی بعض فقہاء کے نزدیک وہ ملک مالک میں نہیں رہتے اس لئے انہیں اللہ کے نام پر ذبح کر دیا جائے تو ان کا کھانا جائز ہے ورنہ اس کا جواز مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

یجئے جناب! اب تو بتوں کا چڑھاوا بھی جائز ہو گیا۔ گیارہویں شریف کے کھانے کو حرام کہنے والوں کے لئے عبرت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے ولی کی فاتحہ کی چیز کو حرام کہنے والے بتوں کے چڑھاوے کو حلال کہہ رہے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آخر میں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اولیاء کے لئے کوئی جانور نذر مانے ان سے کہا جائے کہ اس جانور کی بجائے گوشت لے اپنی نذر پوری کر دو۔ اگر وہ راضی ہو جائیں تو وہ اپنے

اس قول میں سچے ہیں کہ ہماری نیت غیر اللہ کے لئے خون بہانے کی نہ تھی، ورنہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ جھوٹے ہیں اور ان کی نیت یہی ہے کہ غیر اللہ کے کی تعظیم کے لئے جانور کا خون بہایا جائے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کے مطابق اس زمانے میں بھی اسی معیار پر جواز و عدم جواز کا حکم لگانا چاہئے۔

اس شبہ کا ازالہ یہی ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقرر کردہ معیار مذکور ان لوگوں کے حق میں تو درست ہو سکتا ہے جو قبور کی عبادت کرتے تھے اور خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں گروہ شرکین میں شمار کیا ہے جیسا کہ اس سے قبل تفسیر عزیزی جلد اول ص ۱۵۸ کی عبارت ہم نقل کر چکے ہیں لیکن مسلمانوں کے حق میں یہ معیار کسی طرح درست نہیں ہو سکتا نہ ہی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مومنین کے لئے یہ معیار بیان فرمایا ہے اس لئے کہ مومن از روئے قرآن شریف اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ ”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ“ (تم ہرگز نیکی نہیں پاسکتے جب تک اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو) اور ظاہر ہے کہ پالے ہوئے جانور سے جو محبت ہوتی ہے وہ خریدے ہوئے جانور یا گوشت سے نہیں ہو سکتی اس لئے جو نیکی اور ثواب پالے ہوئے جانوروں کو ذبح کر کے ایصالِ ثواب کرنے سے حاصل ہو گا وہ اس کے علاوہ دوسری چیز سے نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں اس میں شک نہیں کہ ہر ذبیحہ خواہ وہ اپنے کھانے کے لئے ذبح کیا جائے یا بیچنے کے لئے یا قربانی وغیرہ کے لئے اس کے حلال اور پاک ہونے کی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کا خون خالص اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے بہایا جائے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تعظیم کیلئے جو کام کیا جائے وہ نیکی اور اطاعت ہے۔ لہذا ہر وہ فعل ذبح (جس سے تعظیم خداوندی مقصود ہو) نیکی قرار پائے گا اور مسلمان کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنی نیکی کا ثواب کسی مسلمان کو بخش دے لہذا صرف گوشت میں محض گوشت کا ثواب اس بزرگ کی روح کو پہنچے گا اور جانور ذبح کرنے میں گوشت کے علاوہ فعل ذبح کا جو ثواب ذبح کو ملا وہ بھی اس بزرگ کی روح کو پہنچ سکتا ہے۔

پس اگر ان وجوہات کی بنا پر کوئی مسلمان جانور کے عوض گوشت لینے پر راضی نہ ہو تو اس سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ یہ مومن معاذ اللہ ولی کی تعظیم و تقرب کے لئے جانور کا خون بہانے کی نیت رکھتا ہے۔ نیت فعل قلب ہے، جب باطن کا حال ہمیں معلوم نہیں تو ہم کس طرح مسلمان پر معصیت کا حکم لگائیں۔ مومن کے حق میں بدگمانی کرنا حرام ہے۔

سوال میں ان جانوروں کو حراراتِ اولیاء اللہ پر لے جا کر ذبح کرنے کے متعلق بھی پوچھا گیا ہے۔ نیز یہ کہ بعض لوگ قرعہ اندازی کے ذریعہ پیر سے جانور ذبح کرنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک کسی جگہ شرکانہ رسوم ثابت نہ ہو جائیں اس وقت تک وہاں جانور لے جا کر ذبح کرنا حرام نہیں ہو سکتا اور حراراتِ اولیاء اللہ معاذ اللہ ایسی ناپاک جگہ قرار نہیں دیئے جاسکتے اس لئے بہ نیت ایصالِ ثواب وہاں بھی جانور لے کر ذبح کرنا جائز ہے۔ رہا قرعہ اندازی کے ذریعے اجازت طلب کرنا تو یہ ضرور فعل عبث ہے لیکن اسے بلا دلیل کفر و شرک کہنا یقیناً حد سے تجاوز کرنا ہے۔

وَاللّٰهُ الْهَادِي اِلٰى سَبِيلِ الْاِرْشَادِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ جَلُّ مَجْدُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ

الہدایہ

الاستفسار

ایک دوست نے مجھے دیوبندیوں کا ایک رسالہ دکھایا جس میں اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حسب ذیل مضمون درج تھا۔

رب نے مشورہ طلب فرمایا

”ایک صاحب لکھتے ہیں اور حدیث بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو ابن حذیفہ سے مروی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ”بے شک میرے رب نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا۔“ (الامن والعلی ص ۸۵)

اور اس حدیث کی تخریج کو امام احمد اور امام ابن عساکر کی طرف منسوب کیا۔ اہل عقل خوب جانتے کہ کسی کا دوسرے سے مشورہ لینا احتیاج و عاجزی پر دلالت کرتا ہے یا کم از کم مشورہ اس واسطے ہوتا ہے کہ غلطی کا احتمال نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے احتیاج و عاجزی کی نسبت درست ہے اور نہ وہاں غلطی کے احتمال کا امکان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی تاویل یوں کر لی جائے کہ یہ مشورہ عزت افزائی کی خاطر ہے مگر دوسری طرح بھی اس میں کچھ گفتگو ہو سکتی ہے۔ مثلاً ابن حذیفہ نام کا کوئی صحابی بھی نہیں ہوا۔ خیر اس بات کو بھی کتاب کی غلطی کہہ کر کاتب کے سر منڈھ دیا جائے گا اور کہا جاسکتا ہے کہ ابن حذیفہ نہیں۔ حذیفہ درحقیقت تھا مگر اس کو کیا کیجئے کہ مسند احمد ص ۳۸۲: ۴۰۸ میں اس صحابی کی بہت سی روایات ہیں مگر ایسی جھوٹی روایات کا نام و نشان بھی نہیں۔ ضعیف اور وضعی احادیث بیان کرنا بھی اگرچہ جرم ہے مگر یہ تو نہ حدیث وضعی ہے نہ ضعیف بلکہ سرے سے اس کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس جھوٹی حدیث کو مسند احمد میں بتانے والا ہمارے دوستوں کے نزدیک مجدد مآۃ حاضرہ بھی ہے۔ اگر مجدد ایسے ہی ہوتے ہیں تو ہماری ایسے مجددوں کو دور ہی سے سلام ہے۔“ (الصدیق ملتان بابت ماہ ذیل الحجہ ۸/۱۳۷ھ)

مضمون بالا میں سے کسی دیوبندی نے سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد مآۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب الامن والعلی کے ص ۸۵ سے اللہ تعالیٰ کے مشورہ طلب کرنے کی طویل حدیث کے ایک جملہ کا ترجمہ نقل کیا ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس نقل کردہ حدیث مبارکہ کو محض اس لئے جھوٹا قرار دیا ہے کہ مشورہ طلب کرنا غلطی کا احتمال دور کرنے اور احتیاج و عاجزی کی بنا پر ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ جب ان باتوں سے پاک ہے تو اس کے لئے مشورہ طلب کرنا کیونکر ممکن ہوگا۔ لہذا یہ حدیث غلط اور جھوٹی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ

۱۔ کیا یہ حدیث بروایت ابن حذیفہ حدیث کی کسی کتاب میں موجود ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ

۲۔ امام احمد اور امام ابن عساکر کی طرف اس کی نسبت درست ہے یا نہیں اور

۳۔ ابن حذیفہ نام کا کوئی صحابی ہوا ہے یا نہیں۔ یہ بھی دریافت طلب امر ہے کہ

۴۔ مشورہ طلب کرنا ہمیشہ احتیاج و عاجزی کی بناء پر اور غلطی دور کرنے کے لئے ہوتا ہے یا کبھی اس کے بغیر بھی مشورہ طلب کیا جاتا ہے نیز یہ کہ

۵۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی مخلوق سے کوئی مشورہ طلب کیا ہے یا نہیں؟ ان تمام امور کا جواب پوری تحقیق و تفصیل کے ساتھ مطلوب ہے۔

جواب

بدعتیہ کی اور گمراہی کی اصل بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ اور اس کے رسول ﷺ کے افعال مقدسہ کا قیاس اپنے افعال پر کر لیا جائے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ یاد رکھیے

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہم اپنے مشوروں کے متعلق اگر یہ کلیہ تسلیم کر لیں کہ ہمارا مشورہ طلب کرنا غلطی کا احتمال دور کرنے کے لئے یا احتیاج و عاجزی کی بنا پر ہوتا ہے۔ تو ممکن ہے کہ کسی حد تک اسے صحیح کہا جاسکے لیکن اللہ اور رسول ﷺ کے مشورہ کو بھی اس کلیہ میں شامل کرنا باطل محض ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معاذ اللہ، اللہ و رسول ہماری مانند ہیں۔ غلطی کا احتمال دور کرنا بھی حاجت ہے اور عاجزی بھی احتیاج کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کے سوا کسی کے محتاج نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں غنی، بے پرواہ اور احتیاج سے پاک ہیں جیسا کہ عنقریب دلائل کی روشنی میں واضح کیا جائے گا۔

ایک صحیح اور واقعی حدیث کو جو کتب احادیث میں موجود ہے اور معترض علم حدیث سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اسے معلوم کرنے سے قاصر رہا۔ محض اپنی رائے ناقص پر اعتماد کر کے جھوٹی حدیث کہہ دینا بلکہ اپنے زعم باطل کی بنا پر یہ دعویٰ کر دینا کہ اس حدیث کا کہیں ذکر ہی نہیں، بدترین جہالت و ضلالت کا مظاہرہ ہے۔ دیکھئے یہ مبارک حدیث مسند امام احمد جلد پنجم و کنز العمال جلد ششم اور خصائص کبریٰ جلد دوم تینوں کتابوں میں موجود ہے

ان ربی استشارنی فی امتی ماذا فعل بهم فقلت ما شئت یا رب هم خلقک وعبادک واستشارنی الثانیة فقلت له کذا لک فاستشارنی الثالثة فقلت له کذا لک فقال فعالی انی لن اخزیک فی امتک یا احمد و بشرنی ان اول من یدخل الجنة معی من امتی الفامع کل الف سبعون الفالیس علیهم حساب ثم ارسل الی فقال ادع فحجب وسل نعط فقلت لرسوله او معطى ربی سئولی قال ما ارلنی الیک الا لیعطیک الحدیث۔ (حم (احمد) وابن عساکر عن حذیفہ)

کنز العمال جلد ششم ص ۱۱۲ حدیث ۳۵۷۱ و خصائص کبریٰ جلد دوم ص ۲۱۰ خرچ احمد و ابو بکر الشافعی فی الغیلانیات و ابو نعیم و ابن عساکر عن حذیفہ بن الیمان و مسند امام احمد جلد ۵ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۹۳۔

(ترجمہ) بے شک میرے رب کریم نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا، اے میرے رب جو کچھ تو چاہے وہی کر، وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے وہی جواب دیا۔ اس نے تیسری دفعہ مجھ سے مشورہ طلب فرمایا۔ میں نے پھر وہی عرض کیا۔ پھر میرے رب کریم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے احمد (ﷺ) بے شک میں تیری امت کے معاملہ میں تجھے ہرگز رسوا نہ کروں گا اور مجھے بشارت دی کہ میرے ستر

ہزار امتی جنتوں سے پہلے میری ہمراہی میں داخل جنت ہوں گے۔ ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے جن سے حساب تک نہ لیا جائے گا۔ پھر میرے رب نے قاصد بھیجا کہ میرے حبیب تو دعا کرتی دعا قبول کی جائے گی اور مانگ تجھے دیا جائے گا۔ میں نے اپنے رب کریم کے قاصد سے کہا کہ کیا میرا رب میری ہر مانگی ہوئی چیز دے گا؟ تو اس قاصد (فرشتہ) نے عرض کی کہ حضور اسی لئے تو رب تعالیٰ نے آپ کو پیغام بھیجا ہے کہ آپ جو کچھ بھی مانگیں آپ کو عطا فرمائے۔

آگے یہ حدیث مبارک طویل ہے جس میں حضور سید عالم ﷺ نے اپنے اور اپنی امت مکرّمہ کے بہت سے فضائل و محامد بیان فرمائے۔ ہم نے قدرِ ضرورت پر اکتفا کیا ہے۔

معرض کا قول تو یہ تھا کہ اس جھوٹی حدیث کا کہیں ذکر ہی نہیں لیکن مجھہ تعالیٰ ہم نے ثابت کر دیا کہ مسند امام احمد و کنز العمال اور خصائص کبریٰ میں یہ حدیث موجود ہے۔ کنز العمال میں تو اس کی تخریج صرف امام احمد اور امام ابن عساکر کی طرف منسوب ہے لیکن خصائص کبریٰ میں ان کے علاوہ ابو بکر شافعی (امام بزار) اور ابو نعیم کی طرف بھی اس حدیث کی تخریج کو منسوب کیا ہے۔ وند اللہ الحجة السامیہ۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت رحمۃ اللہ علیہ نے الامن والعلیٰ میں مسند امام احمد کا نام نہیں لکھا صرف اس تخریر فرمایا ”الامام احمد وابن عساکر عن حذیفہ“ (الامن والعلیٰ ص ۱۲۳ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی) اور الفاظ حدیث کنز العمال جلد ششم سے نقل فرمائے اور کتاب کا حوالہ نہیں دیا تا کہ ان منکرین و مخالفین کے ادعائے علم و فضل کی حقیقت آشکارا ہو۔

الحمد للہ! اہل علم نے دیکھ لیا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد ملت قدس سرہ العزیز علم و فضل کا وہ بحرِ ذخار ہیں جس کے ساحل تک بھی منکرین کی رسائی نہیں۔ ذالک فضل اللہ۔

رہا ابن حذیفہ کا معاملہ تو یہ ایک حقیقت ثابت ہے کہ کنز العمال اور خصائص کبریٰ اور مسند امام احمدیوں میں عن حذیفہ موجود ہے۔ نیز الامن والعلیٰ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف ص ۱۲۳ پر اور اسی طرح الامن والعلیٰ شائع کردہ نوری کتب خانہ لاہور کے ص ۱۲۳ پر عن حذیفہ موجود ہے۔ البتہ صابر الیکٹرک پریس کی مطبوعہ کے ص ۸۵ پر کاتب کی غلطی سے عن کی بجائے ابن لکھا گیا جسے کوئی معمولی سمجھ والا انسان بھی مصنف کی طرف منسوب نہیں کر سکتا مگر جو شخص تعصب و عناد کے جوش میں ایک ایسی عظیم و جلیل حدیث کو نہیں مانتا جو کتب احادیث میں موجود ہے تو وہ اس حقیقت کا رتہ کو کیونکر تسلیم کرنے لگا ہے۔

چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارا آپس میں مشورہ طلب کرنا تو احتیاج و عاجزی کی بنا پر اور غلطی کے احتمال کو دور کرنے کے لئے ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا مشورہ طلب کرنا احتیاج و عاجزی اور ازالہ احتمال غلطی کے لئے قطعاً نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ دونوں غنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں کے مشورہ سے غنی ہونا تو ظاہر ہے اور حضور نبی کریم ﷺ امت کے ساتھ مشورہ فرمانے سے اس لئے غنی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آسمان سے وحی الہی آتی ہے۔ نیز یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ تمام کائنات سے زیادہ علم اور عقل والے ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ ہرگز کسی کے مشورہ کے محتاج نہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ

نے حضور ﷺ کو ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ فرما کر مشورہ کرنے کا حکم فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ نے اپنے رب کریم کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے غلاموں سے مشورہ فرمایا۔ صرف اس لئے کہ انہیں مشورہ کی تعلیم دیں اور مشورہ کو ان کے لئے رحمت بنائیں اور انہیں استخراج رائے صحیح میں اجتہاد کی رغبت دلائیں اور ان سے مشورہ لے کر ان کی شان بڑھائیں اور ان کے دلوں کو خوش کریں۔

دیکھئے صاحب روح المعانی آیت کریمہ ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ کے تحت اسی مضمون کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وَيُؤَيِّدُهُ مَا أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدَى وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الشَّعْبِ بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاشْأَوْرْهُمْ فِي الْأَمْرِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَغَنِيَانِ عَنْهَا وَلَكِنْ جَعَلَهَا اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً لِّأُمَّتِي. (روح المعانی ص ۹۴)

اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ابن عدی نے اور شعب ایمان میں بیہقی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ جب آیت کریمہ ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ”لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول دونوں مشورہ سے غنی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے میری امت کے لئے رحمت بنایا ہے۔“

اسی طرح تفسیر ابن جریر میں ہے

عَنِ الرَّبِيعِ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ قَالَ ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ نَبِيهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ بِشَاوِرَ أَصْحَابَهُ فِي الْأُمُورِ وَهُوَ يَأْتِيهِ الْوَحْيُ مِنَ السَّمَاءِ لِأَنَّهُ أَطِيبُ لَأَنْفُسِهِمْ۔

(ترجمہ) حضرت ربیع سے روایت ہے ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مشورہ طلب امور میں حضور کے صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی آسانی آتی ہے۔ صرف ان کے دلوں کو خوش کرنے کی خاطر۔

اسی مقام پر ابن جریر میں ایک اور حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں

وَأَنْ كُنْتَ عَنْهُمْ غَنِيًّا۔

☆ اے حبیب ﷺ آپ اپنے صحابہ کی تالیف کیے ان سے مشورہ کر لیا کریں اگرچہ آپ ان سے غنی ہیں۔ (تفسیر ابن جریر ص ۹۴)

اور تفسیر کبیر میں ہے

(الخامس) وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ لَا لِتَسْتَفِيدَ مِنْهُمْ رَأْيًا وَعِلْمًا لَكِنْ لِكَيْ تَعْلَمَ مَقَادِيرَ عُقُولِهِمْ الْخ۔

یعنی آپ کو مشورہ کرنے کا حکم اس وجہ سے نہیں دیا کہ آپ ان سے کسی قسم کی رائے یا علم کا استفادہ کریں بلکہ اس لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کے اقوال و افہام آپ کے سامنے ظاہر ہو جائیں اور ان کی محبت کے انداز سامنے آجائیں۔

اس کے چند سطر بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

(السادس) (وشاورهم فی الامر) لا لانک محتاج الیهم ولكن لاجل انک اذا شاورتهم فی الامر اجتهد
هل واحد منهم فی استخراج الوجه الاصلح الخ۔

(ترجمہ) اے حبیب ﷺ آپ ان سے مشورہ فرمائیں اس لئے نہیں کہ آپ ان کے محتاج ہیں لیکن جب آپ ان سے مشورہ
فرمائیں گے تو آپ کے غلاموں میں سے ہر شخص وجہ اصلح کے استخراج میں کوشش کرے گا۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۱۲۰)
تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کریمہ ”وشاورهم فی الامر“ کے تحت مرقوم ہے

وقد ذکر العلماء لامر الرسول بالمشاورة مع انه اعلم الناس واعقلهم فوائدها منها انها توجب علو شانهم ورفعة قدرهم
الخ۔ (تفسیر نیشاپوری ج ۴ ص ۱۱۹)

(ترجمہ) باوجود اس بات کے کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ علم اور عقل والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کو مشورہ کا امر فرمایا۔ علماء نے اس کے کئی فائدے ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان سے
مشورہ فرمانا ان کی علو شان رفعت قدر و منزلت اور ان کے اخلاص و محبت کے زیادہ ہونے کا موجب ہے۔

الحمد للہ! ان روایات و عبارات علماء مفسرین سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا مشورہ
طلب فرمانا، احتیاج و عاجزی کی وجہ سے ہرگز نہیں، نہ کسی غلطی کے احتمال کو دور کرنے کے لئے ہے بلکہ ایسی حکمتوں اور فائدوں کی بنا پر
ہے جن کا تصور بھی معترض کے دماغ میں نہیں اور ہم نے انہیں بالتفصیل بیان کر دیا۔

پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے مشورہ طلب فرمایا ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر میں آیت کریمہ ”وَإِذْ
قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“ کے تحت ایک حدیث نقل فرمائی جو حسب ذیل ہے

عن سعيد عن قتادة ”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“ فاستشار الملكة في خلق آدم
فقالوا ”أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ“ الحدیث (تفسیر ابن جریر پارہ ۱ ص ۱۵۸)

(ترجمہ) آیت کریمہ ”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“ کی تفسیر میں حضرت سعید حضرت قتادہ
سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں فرشتوں سے مشورہ طلب فرمایا تو فرشتوں نے
عرض کیا ”أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ“ الآية

تفسیر عرائس البیان میں اسی آیت کے تحت ہے

فعر فهم عند المشورة مع الملكة خلوه من المحبة۔ (تفسیر عرائس البیان جلد اول ص ۱۹)

(ترجمہ) فرشتوں سے مشورہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے جذبہ محبت سے خالی ہونے کی بات انہیں بتادی تھی۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت میں مرقوم ہے

اولیعلم عبادة المشاورة فی امورهم قبل ان يقدمو علیها وان كان هو یعلمه بعلمه و حکمته البالغة غنیا عن المشاورة. (تفسیر مدارک جلد اول ص ۳۹)

یا اس لئے فرشتوں سے ”اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً“ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس بات کی تعلیم دے کہ وہ اپنے کام کرنے سے پہلے مشورہ کر لیا کریں اگر چہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور اس کی حکمت بالغہ مشورہ سے غنی ہے۔
تفسیر نیشاپوری میں ہے

والفائدة فی اخبار الملكة بذلك اما تعلیم العباد المشاورة فی امورهم وان كان هو بحكمة البالغة غنیا عن ذلك واما ان یسئلوا ذلك السؤال ویجابوا بما اجیب. (تفسیر نیشاپوری پارہ اول ص ۲۰۹)
(ترجمہ) فرشتوں کو یہ خبر دینے میں یا یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کاموں میں مشورہ کرنے کی تعلیم دے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کی وجہ سے مشورہ کرنے سے غنی ہے اور یا یہ فائدہ ہے کہ فرشتے یہ خبر سن کر ”اَتَجْعَلُ فِیْهَا“ کے ساتھ سوال کریں اور انہیں ”اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ“ کے ساتھ جواب دیا جائے۔
تفسیر سراج منیر میں ہے

وفائدة قوله هذا للملكة تعلیم المشاورة او تعظیم شان المجعول. (تفسیر سراج المنیر جلد اول ص ۴۲)
(ترجمہ) فرشتوں سے ”اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً“ فرمانے کا فائدہ تعلیم مشاورت یا تعظیم شان مجعول ہے۔ اسی طرح تفسیر جمل جلد اول ص ۳۸ پر ہے، تفسیر بیضاوی جلد اول، تفسیر کشاف جلد اول ص ۲۰۹، تفسیر کبیر جلد اول ص ۳۸۲، روح المعانی پارہ اول ص ۲۰۳، روح البیان جلد اول ص ۹۴ پر ہے۔

ان تمام عبارات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مشورہ کی تعلیم دینے اور آدم علیہ السلام کی تعظیم و دیگر حکمتوں کی بنا پر آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں سے مشورہ لیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ ثابت ہوا کہ مشورہ لینا ہمیشہ احتیاج و عاجزی کی وجہ سے ہی نہیں ہوتا بلکہ حکمتوں پر بھی مبنی ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ فرشتوں سے مشورہ فرمانا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں تو حضور نبی کریم ﷺ سے مشورہ کرنا کیونکر عظمت خداوندی کے منافی ہو سکتا ہے؟

مشورہ کے معنی اور معترض کی غلط فہمی کا ازالہ

لفظ مشورہ عرب کے قول ”شرت العسل“ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے شہد کو اس کی جگہ سے نکال لیا۔ مشورہ کے معنی ہیں ”استخراج الرائے“ بیضاوی میں ہے

المشورة استخراج الراى بمراجعة البعض الى البعض. (مفردات راغب ص ۲۷۲)
خلاصہ یہ ہے کہ کسی کی طرف رجوع کر کے اس کی رائے کے استخراج کا نام مشورہ ہے۔ مشورہ میں یہ ضروری نہیں کہ متکلم و مخاطب میں سے ہر ایک کی رائے کا استخراج ہو بلکہ صرف مخاطب کی رائے لینا بھی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور فرشتے مخاطب۔ اللہ تعالیٰ

نے ”إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“ کہہ کر فرشتوں کی رائے لی اور فرشتوں نے ”أَتَجْعَلُ فِيهَا“ کہہ کر اپنی رائے ظاہر کر دی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ”مَاذَا أَفْعَلُ بِهِمْ“ فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے لی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”ما شئت يا رب هم خلقك وعبادك“ اور اللہ تعالیٰ کا یہ مشورہ لینا اور رائے طلب فرمانا بالکل ایسا ہے جیسے اپنے نبیوں یا فرشتوں یا کسی فرد مخلوق سے کسی بات کا پوچھنا اور سوال فرمانا قرآن کریم میں بے شمار آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے استفسارات و سوالات مذکور ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا ”أَوَلَمْ تَوْمِنْ“ اے ابراہیم! کیا تو ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا ”بلی“ کیوں نہیں؟ میں ضرور ایمان لایا۔

اسی طرح قیامت کے دن نبیوں سے سوال فرمائے گا ”هَذَا أُجِبْتُمْ“ اے نبیو! بتاؤ تم کیا جواب دیئے گئے؟ نیز عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرمائے گا ”وَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّي الْهَيْئَ مِنْ دُونِ اللَّهِ“ اے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔

نیز موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا ”وَمَا تِلْكَ بِيْمِينِكَ يَمُوسَى“ اے موسیٰ! تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اگر مشورہ کرنا یعنی کسی کی رائے دریافت کرنا، احتیاج اور عاجزی پر منحصر ہو تو کسی بات کا پوچھنا بھی معاذ اللہ لاعلمی اور احتیاج پر مبنی ہو گا۔ لہذا معترض نے جہاں حدیث استشارہ کا انکار کیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے سوالات کی تمام آیات کا بھی انکار کر دے اور اگر سوالات میں حکمت کا قائل ہے تو استشارہ میں اسی حکمت کا کیوں انکار کرتا ہے؟

فوضح الحق حق الوضوح ولله الحجة البالغة

مصام

☆ جس میں اس قول کا ردِ بلیغ کیا گیا ہے کہ (نعوذ باللہ)

☆ ملائکہ و رسل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو طاغوت کہنا جائز ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

علاماتِ قیامت میں سے ایک یہ ہے کہ آخری زمانہ میں فسق و فجور، کفر و الحاد، بے دینی و گمراہی اور فتنہ و فساد کا زور ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت انسان دنیا ”ظہر الفساد فی البر والبحر“ کا عبرتناک منظر پیش کر رہی ہے۔ غیر اسلامی دنیا سے قطع نظر عالم اسلام ہر قسم کے فتنہ و فساد کا آماجگاہ بنا ہوا ہے۔

قیام پاکستان سے ہم یہ توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے کہ ہماری یہ نوزائیدہ اسلامی حکومت پھر ایک بار خلافت راشدہ کا نمونہ پیش کر

دے گی اور وہ تمام منکرات و منہیات جو مسلمانانِ متحدہ ہندوستان کے دامن پر ایک بدترین و بدنامدارغ کی صورت میں نمایاں ہیں یکسر نہیں تو اکثر و بیشتر نیست و نابود ہو جائیں گے لیکن واحسرتا کہ ہمارا یہ خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور انواع و اقسام کے فتنے ہر طرف سے سر ابھار رہے ہیں۔ اقتدار پسند، جاہ پرست اور سرمایہ دار طبقوں، جماعتوں اور شخصیتوں کی پیدا کردہ سیاسی و معاشی الجھنوں، مرزائیت، کمیونزم، سوشلزم جیسے دین و اخلاق کے دشمن فتنوں کے علاوہ بزمِ خود و حید و سنت اور اصلاح امت کے مدعیوں کی فتنہ انگیزیاں اصلاح کے اپنی پردہ کے پیچھے قصر ایمان کی تخریب و انہدام پر تلی ہوئی ہیں۔ ان کی سورشوں نے مسلمانوں میں ایسا افتراق و اشتقاق پیدا کر دیا ہے کہ امت مسلمہ کو ایک مرکز پر جمع کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ اس موقع پر ہم سیاسی و معاشی کشمکش اور دوسری طبقاتی الجھنوں پر بحث نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت مخلص مسلمانوں کو ایک خطرناک ترین مذہبی فتنے کی طرف توجہ دلانا ہے اور وہ فتنہ وہابیت و دیوبندیت ہے۔

دیوبند کے وہابی مولویوں نے متحدہ ہندوستان میں کبھی مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع نہ ہونے دیا۔ انہوں نے بات بات پر امت مسلمہ کو مشرک بنایا اور تکفیر و تفسیق کے ذیل ترین حربوں سے اسلامی اتحاد و یگانگت کی قبا کو پارہ پارہ کر دیا۔ متحدہ قومیت کے پرچار سے بھولے بھالے مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی کے حلقوں میں جکڑ دینا چاہا اور حتی الامکان جکڑ دیا۔ مگر جب دشمنانِ اسلام نے ان کی ان خدماتِ جلیلہ کا قطعاً غیر متوقع اور خلافِ امید صلہ دیا تو انتہائی ذلت اور خواری کے ساتھ اسی پاکستان میں آ کر پناہ لی جس کے قیام کی مخالفت میں وہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے خاسرونا کام ہو چکے تھے۔ کاش پاکستان کے نام کا احترام کرتے ہوئے وہ اپنے ناپاک جذبات و خیالات کی تبلیغ و اشاعت سے باز رہتے مگر سورش پسند جماعتوں سے اس قسم کی توقعات قائم کرنا اپنے کو فریب اور ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے۔ انہوں نے یہاں قدم جماتے ہی اپنی حق دشمنی اور حق پرستوں کی دلا زاری کا سلسلہ شروع کر دیا اور اب ان کا یہ جال پاکستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلتا جا رہا ہے۔ تبلیغِ توحید کے دلفریب پردہ میں توہینِ رسالت کی ایسی خاکِ سیاہ چھان رہے ہیں جو چہرہ ایمان کو سیاہ و بے نور کر رہی ہے۔ وہ ”قال اللہ وقال الرسول“ کہہ کہہ کر اللہ و رسول کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ توہینِ رسول مقبول ﷺ کا کوئی پہلو جوان کے تصور میں آ سکتا ہے اس کو نمایاں کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اب تک تو وہ حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک سے علم غیب، معصومیت عن الخطا، شفاعت کلیہ اور حیاتِ حقیقی و جسمانی کی نفی کے ساتھ ہی (نعوذ باللہ) حضور ﷺ کی غلطیوں کا اظہار و اعلان کرتے تھے اب ان کی دریدہ دہنی اس حد تک پہنچ گئی کہ (العیاذ باللہ) جہل باری تعالیٰ کے قائل ہوتے ہوئے ملائکہ و رسل کو طاغوت کہنا جائز قرار دیتے ہیں۔

عامۃ المسلمین یہ سن کر متحیر و مضطرب ہوں گے لیکن ابھی چند سطور پڑھنے کے بعد ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور ان خود ساختہ علمبردارانِ توحید و سنت کا پردہ تلخیس چاک ہو کر رہ جائے گا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وہابیت و نجدیت کے پر جوش مبلغ مولوی غلام خاں صاحب نے، جن کی شخصیت اور تبلیغی نوعیت سے پنجاب اور بالخصوص مسلمانانِ اہل ملتان بخوبی واقف ہو چکے ہیں، اپنے استاد مولانا حسین علی صاحب کی تقریروں کا مجموعہ ”بلغة

الحیران فی ربط آیات القرآن“ مرتب کیا ہے جس کے سرورق پر یہ عبارت مرقوم ہے

از زبدۃ المفسرین عمدۃ المحدثین رئیس الفقہاء الصوفی الصافی مولانا حسین علی عم فیضہ الکفوی المجددی تلمیذ ارشد مولانا رشید احمد القطب
الکجوی قدس سرہ و مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی مظہر العلوم مہارن پور۔

پھر صفحہ ۴ پر یہ عبارت مرقوم ہے

یہ تقریریں جو آگے آتی ہیں حضرت صاحب نے غلام خاں سے قلمبند کروائی ہیں اور بذاتِ خود ان پر نظر فرمائی ہے۔

مولوی غلام خاں کے ان حضرت صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب القطب الکجوی کے تلمیذ ارشد مولوی حسین علی صاحب ساکن
واں پھر اس ضلع میانوالی کا، ہم ناظرین کرام سے اتنا تعارف کرادینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ وہی مولوی حسین علی صاحب ہیں جنہوں نے
قدوۃ المحققین زبدۃ العلماء الراغبین حضرت پیر روشن ضمیر عارف کامل سید مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز پر کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا اور
حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ سے مناظرہ بھی کیا تھا۔ اس مناظرہ میں مولوی حسین علی صاحب کی جو حالت ہوئی تھی اس کی تفصیل تو ان ہی
حضرات سے معلوم ہو سکتی ہے جو اس مجلس مناظرہ میں موجود تھے۔ ہمیں اجمالی طور پر اتنا معلوم ہے کہ حضرت پیر صاحب گوڑہ شریف
رحمۃ اللہ علیہ کو فتح و نصرت حاصل ہوئی تھی جو اولیاء کرام کو منجانب اللہ حاصل ہوا کرتی ہے۔

اب میں برادرانِ اسلام پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ مولوی غلام خاں کے حضرت صاحب نے اس کتاب میں کیا کاگل فشانیاں فرمائی
ہیں۔ ان شاء اللہ میں اس پوری کتاب کے مباحث پر تنقید کروں گا۔ سر دست آپ کے ایک عجیب العجائب تفسیری نکتہ یعنی لفظ
”تاغوت“ کے معنی کی تشریح کو پیش کرتے ہوئے یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس تشریح کا مقصد ملائکہ و رسل کی انتہائی توہین کرنا نہیں تو اور کیا
ہے؟ ملاحظہ ہو ص ۴۳ بلفظہ الحیران۔ آیت کریمہ ”فمن یکفر بالطاغوت“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

اور طاغوت (۱) کا معنی ”کلما عبد من دون اللہ فهو الطاغوت“ اس کے معنی (۱) بموجب طاغوت اور ملائکہ اور رسول کو بولنا
جائز ہو گا یا مراد خاص شیطان ہے۔ انتہی بلفظہ۔

مسلمانو! عبرت کی نگاہوں سے دیکھو اور حیرت کے کانوں سے سنو کہ دیوبندی وہابیوں کے یہ زبدۃ المفسرین عمدۃ المحدثین صوفی
صافی غلام خاں کے حضرت مولانا حسین علی صاحب کس دیدہ دلیری اور دریدہ دہنی کے ساتھ ملائکہ کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ
والسلام کو (نعوذ باللہ) طاغوت کہنا جائز قرار دے سکتے ہیں۔

اب آپ لفظ ”طاغوت“ کے صحیح اور مرادی معنی ملاحظہ فرمائیے جن کی تحقیقی تشریح مستند اہل لغات اور نہایت معتبر و جلیل القدر مفسرین
کرام نے فرمائی ہے۔

طاغوت طغیان سے مشتق ہے اور مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ طغیان کے اصل معنی ظلم اور معاصی میں حد سے گزرنے کے ہیں۔ ملاحظہ
ہو منجد ص ۲۸۴ طغی الرجل اسرف فی الظلم و المعاصی انتہی اور دستور العلماء جو اصطلاحات علوم و فنون میں نہایت نفیس اور معتبر

کتاب ہے اس کی جلد دوم ص ۷۷ پر مرقوم ہے (الطغیان) مجاوزة الحد فی العصیان انتہی۔ یعنی نافرمانی میں حد سے گزر جانے کو طغیان کہتے ہیں۔

چونکہ اصل معنی ہر مشتق میں ضرور ملحوظ رہتے ہیں اس لئے اہل لغت اور علمائے مفسرین و محدثین نے طاغوت کے معنی کو تشریح کرتے ہوئے فرمایا

هو فعلوت من طغى بالقلب كل رأس فى الضلال او الساحر او الكاهن ومردة الكتابى۔ مجمع البحار الانوار جلد دوم ص ۳۱۱ یعنی طاغوت فعلوت کے وزن پر (مبالغہ کا صیغہ) طغی سے ماخوذ ہے قلب (مکانی) کے ساتھ یعنی یہ مقلوب العین واللام ہے۔ طاغوت ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو گمراہی میں سردار ہو یا ساحر یا کاہن یا سرکش اہل کتاب کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ منجد ص ۴۸۴ پر ہے (الطاغوت) كل متعبد كل رأس ضلال الشيطان الصارف عن طريق الخير۔ كل معبود دون الله۔ یعنی ہر اس شخص کو طاغوت کہتے ہیں جو حد سے گزر جانے والا ہے اور گمراہی کا ہر سردار طاغوت ہے۔ شیطان جو لوگوں کو خیر کے راستہ سے پھرنے والا طاغوت ہے اور اللہ کے سوا ہر معبود کو طاغوت کہتے ہیں۔

لیکن یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اللہ کے سوا ہر معبود سے وہی معبود مراد ہے جس میں طغیان کے یہ معنی یعنی ظلم اور معاصی میں حد سے گزرنا پائے جاتے ہیں یا وہ معبود لوگوں کے ظلم اور معاصی میں حد سے گزرنے کا سبب ہو سکے۔ جس میں طغیان کے یہ معنی نہ پائے جائیں وہ طاغوت کی تعریف میں شامل نہیں۔ کیونکہ ہر مشتق میں اس کے اصل ماخذ اور مشتق منہ کے معنی کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ اعتناق صحیح نہ ہوگا۔

فرشتوں اور رسولوں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے علاوہ ہر معبود من دون اللہ یا بذات خود ظلم و معاصی میں حد سے زیادہ متجاوز ہوتا ہے۔ جیسے شیطان اور ساحر و کاہن وغیرہ کہ ان کے طغیان میں کسی کو ذرہ بھر شک و شبہ نہیں ہو سکتا یا اس تجاوز و طغیان کا سبب ہوتا ہے جیسے اصنام و اوثان کہ ان چیزوں میں طغیان کے معنی صفت بحال متعلق کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ چونکہ بتوں میں طغیان کی یہ نجاست مبالغہ کے ساتھ پائی جاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مبالغہ ان بتوں کو عین نجاست قرار دیا اور قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ”فاجتنبوا الرجس من الاوثان“ نجاست سے بچو جو عین اوثان ہے۔

بخلاف اللہ کے نیک بندوں کے، کہ وہ طغیان اور سرکشی سے بالکل پاک ہیں۔ ان میں یہ تہرہ اور سرکشی و خبیث و نجاست جو لوازم طغیان ہیں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی موجود نہیں۔ چہ جائیکہ مبالغہ کے ساتھ یہ صفات خبیثہ ان میں پائی جائیں۔

تو جب لفظ طاغوت کے اصل ماخذ ہی سے وہ پاک اور مبرہ و منزہ ہیں تو پھر اس لفظ کا ان پر بولنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض عبارات میں معبود ”من دون اللہ“ کو طاغوت نہیں کہا۔ حالانکہ بعض رسولوں اور فرشتوں کی بھی عبادت کی گئی مگر چونکہ ان کی ذوات قدسیہ طغیان کے معنوں سے پاک اور مبرہ ہیں اس لئے ان کو طاغوت کہنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

حیرت ہے کہ غلام خاں کے حضرت صاحب اور قطب جنجوعی کے ارشد تلمیذ نے فرشتوں اور رسولوں کو کیونکر طاغوت کہہ دیا۔ ہر ادنیٰ عقل والا انسان بھی اس حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ فرشتے معصوم ہیں اور انبیاء و رسل علیہم السلام طغیان و معاصی کی بنیادوں کو منہدم کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ اگر نعوذ باللہ وہ بھی طاغوت ہوں تو ان کی نبوت و رسالت کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ ان کی مقدس ذاتیں ابتدا سے ہر قسم کی سرکشی، ترد و طغیان سے پاک ہوتی ہیں۔ اب جو شخص ان کو طاغوت کہتا ہے اور ان پاک بازوں کے لئے طغیان کے معنی ثابت کرتا ہے تو اس کے متعلق اس کے سوا اور کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس کا مقصد اس تلخ کس کے ذریعہ ملانکہ و رسل کی توہین اور ان پر معاذ اللہ شیطنت، سرکشی، گمراہی وغیرہ کے احتمالات کا دروازہ کھول کر ان کی مقدس تعلیم و ہدایت سے خلق اللہ کو روگرداں کرنا ہے۔

العیاذ باللہ والیہ المشتکی۔

اب تقاسیر معتبرہ سے طاغوت کے معنی نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کرام پر یہ امر بخوبی واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کو طاغوت کہنے والا تمام مفسرین کے خلاف جارہا ہے اور ملانکہ و رسل کرام علیہم السلام کی مقدس شان میں سخت ترین گستاخی کر رہا ہے۔

نہجۃ تفسیر ابن عباس ص ۳۰ پر ہے ”الطاغوت الشیطان انتھی“

تفسیر حازن جلد اول ص ۲۲۹ پر ہے ”(فمن یکفر بالطاغوت) یعنی الشیطان وقیل هو الساحر والکاهن وسیل هو

کل ما عبد من دون اللہ تعالیٰ وقیل کل ما یطغی الانسان فهو طاغوت فاعول من الطغیان۔ انتھی“

معالم التنزیل جلد اول ص ۲۲۹ پر ہے ”(فمن یکفر بالطاغوت) یعنی بالشیطان وقیل کل ما عبد من دون اللہ فهو

طاغوت وقیل کل ما یطغی الانسان فاعول من الطغیان۔ انتھی“

تفسیر مدارک مصری جلد اول ص ۱۰۱ پر ہے ”(فمن یکفر بالطاغوت) بالشیطان والاصنام۔ انتھی“

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لفظ طاغوت کے تحت تفسیر کبیر جلد دوم ص ۳۲۰ پر ارقام فرماتے ہیں ”ذکر المفسرون فیہ

خمسة اقوال (الاول) قال عمرو مجاهد وقنادہ هو الشیطان (الثانی) قال سعید بن جبیر الکاهن (الثالث) قال

ابو العالیہ هو الساحر (الرابع) قال بعضهم الاصنام (الخامس) انه مرده الجن والانس وکل ما یطغی

والتحقیق انه لما حصل الطغیان عند الاتصال بهذه الاشیاء جعلت هذه الاشیاء اسباب اللطغیان کما فی قوله

رب انهن اضلن کثیرا من الناس۔ انتھی“

روح المعانی پارہ ۲ ص ۱۲ پر ہے ”فمن یکفر بالطاغوت ای الشیطان وهو المروی عن عمر بن خطاب والحسین

بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وبہ قال مجاهد وقنادہ وعن سعید بن جبیر وعکرمة انه الکاهن وعن ابی العالیہ

انه الساحر وعن مالک بن انس کل ما عبد من دون اللہ وعن بعضهم الاصنام والاولی ان یقال بعمومہ سائر

ما یطغی ویجعل الاقتصار علی بعض فی تلک الاقوال من باب التمثیل۔ انتھی“

بیضاوی شریف ص ۱۶۶ پر ہے ”فمن يكفر بالطاغوت بالشیطان او الاصنام او كل ما عبد من دون الله او صد عن عبادة الله تعالى فعلوت من الطغيان قلب عينه ولامه. انتھی“

تفسیر ابوسعود جلد اول ص ۵۰۷ پر ”اولیاء هم الطاغوت“ کے تحت ارتقام فرماتے ہیں ”ای الشیطان وسائر المضلین عن طریق الحق. انتھی“

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ بیضاوی شریف ص ۱۶۶ پر ”اولیاء هم الطاغوت“ کے تحت ارتقام فرماتے ہیں ”ای الشیاطین او المضلات عن الهوی والشیطان وغیرهما. انتھی“

ان تمام عبارات منقولہ میں طاغوت کے جو معنی بیان کئے گئے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ساحر و کاہن، شیطان و اصنام طاغوت ہیں اور ہر معبود من دون اللہ جو انسان کو گمراہ کرنے والا اور اس کی گمراہی کا سبب ہے قرآنی اصطلاح میں طاغوت کہا جاتا ہے۔ خیر سے روکنے والے اور طریق حق سے گمراہ کرنے والے سرکش جن اور انسان طاغوت ہیں۔ مولوی حسین علی نے تفاسیر میں بعض مقامات پر ”کل ما عبد من دون الله“ سے دھوکا کھایا اور ”ما“ کے عموم میں ملائکہ و رسل علیہم السلام کو شامل کر لیا مگر یہ نہ سمجھا کہ جن علماء و مفسرین نے طاغوت کے معنی بیان کرتے ہوئے ”کل ما عبد من دون الله“ کہا ہے انہوں نے وہاں یہ تصریح بھی فرمادی ہے کہ طاغوت طغیان سے مشتق ہے۔ جیسا کہ خازن، معالم، کبیر، روح المعانی اور بیضاوی سے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی کہ

فعلوت من الطغيان. یعنی طاغوت فعلوت کے وزن پر (مبالغہ کا صیغہ) طغیان سے مشتق ہے اور خازن و معالم دونوں تفسیروں میں صاف مرقوم ہے

فاعول من الطغيان. یعنی طاغوت فاعول کے وزن پر طغیان سے مشتق ہے۔ ان تصریحات کے ہوتے ہوئے ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی نہایت آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ لفظ طاغوت جب طغیان سے مشتق ہے تو اس میں طغیان کے معنی لازماً ہوں گے اور چونکہ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اس لئے اس میں مبالغہ کے ساتھ طغیان کا ہونا ضروری ہے تو یہ بات کس قدر واضح ہے کہ

کل ما عبد من دون الله کے جن افراد پر طاغوت صادق آئے گا ان میں مبالغہ کے ساتھ طغیان کے معنی کا ہونا یقینی امر ہے۔

اب بتائیے کہ ملائکہ کرام اور انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں مبالغہ کے ساتھ طغیان کا پایا جانا تو درکنار طغیان کا تصور بھی ان کے حق میں نہیں ہو سکتا تو پھر ”ما“ کے عموم میں وہ کس طرح شامل ہو سکتے ہیں۔ مفسرین کریم نے آفتاب سے زیادہ روشن کر عبارات میں تصریحات فرمائیں کہ طاغوت وہی ہے جس سے طغیان سرزد ہوا اور وہ اس وصف طغیان کے باعث فی نفسہ مذموم و متمرّد ہو۔ دیکھئے تفسیر روح البیان جلد ۳ ص ۴۰۷ پر ہے

(فمن يكفر بالطاغوت) هو كل ما عبد من دون الله مما هو مذموم في نفسه و متمرّد كالانس والجن

والشیاطین وغیرہم فلا یرد عینی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ انتہی

سبحان اللہ! اس عبارت نے تو صداقت و حقانیت کے پرچم لہرا دیئے اور طاغوت و ہابیت کے پرچے اڑا دیئے۔ دیکھئے امام اجل علامہ اسماعیل حقی بروسی قدس سرہ العزیز نے طاغوت کے معنی بیان کرتے ہوئے ارقام فرمایا

”ہو کل ما عبد من دون اللہ“

یہ عبارت بلفظہا وہی ہے جو گنگوہی صاحب کے شاگرد رشید نے بلغۃ الحیران میں لکھی ہے لیکن علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ”مما هو مذموم فی نفسہ“ الخ سے اس ”ما“ کا بیان کر دیا جس کے محوم میں مولوی حسین علی نے ملائکہ اور رسولوں کو شامل کر کے (معاذ اللہ) ان کو طاغوت کہنا جائز قرار دیا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ نے اس حقیقت کو اچھی واضح فرما دیا کہ عبادت مذکورہ ”کل ما عبد من دون اللہ“ میں صرف وہی افراد شامل ہیں جن کے طغیان کے معنی یعنی سرکشی (ظلم و عصیان) میں حد سے تجاوز کرنا پائے جائیں اور وہ اس وصف ذمیم کی وجہ سے مذموم فی نفسہ ہوں جیسے انس و جن اور شیاطین (جو متمرّد و مذموم ہیں) پھر فرماتے ہیں

فلا یرد عینی علیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی جب کل ما عبد من دون اللہ کے معنی یہ ہوئے کہ ہر وہ معبود من دون اللہ طاغوت ہے جو مذموم فی نفسہ اور متمرّد (سرکش) ہو تو اب یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ عینی علیہ السلام بھی معبود من دون اللہ ہونے کی وجہ سے طاغوت ہیں۔ اس تصویر پر عینی علیہ السلام اور (ملائکہ و دیگر صالحین کرام) جن کی عبادت کی گئی طاغوت کی تعریف میں اس لئے نہیں آتے کہ طاغوت وہ معبود من دون اللہ ہے جو متمرّد (سرکش) اور مذموم فی نفسہ ہو چونکہ وہ مقدسین مذموم فی نفسہ نہیں اور ان میں کسی قسم کا متمرّد وغیرہ نہیں پایا جاتا۔ لہذا ان پر طاغوت کی تعریف صادق نہیں آتی۔ صاحب تفسیر روح البیان کی اس نورانی تفسیر سے شکوک و اوہام کی تمام ظلمتیں کافور ہو گئیں۔

اس بیان میں صاحب روح البیان متفرّد نہیں بلکہ ہر مفسر نے اپنے مخصوص انداز بیان میں اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ رسل و ملائکہ و دیگر صالحین (اگرچہ ان کی عبادت کی گئی ہو مگر وہ پھر بھی) طاغوت نہیں (کیونکہ طاغوت وہی ہو سکتا ہے جس میں طغیان کے معنی پائے جائیں) دیکھئے روح المعانی پارہ ۳ ص ۱۲ سے جو عبارت ہم نقل کر چکے ہیں اس میں طاغوت کے معنی میں بعض صحابہ و تابعین وغیرہم سے پانچ قول نقل کئے ہیں

۱۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ”طاغوت شیطان ہے“ حضرت مجاہد و حضرت قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

۲۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ فرماتے ہیں ”طاغوت کاہن ہے۔“

۳۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ ”طاغوت ساحر ہے۔“ اور

۴۔ حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں کہ ”کل ما عبد من دون اللہ کو طاغوت کہتے ہیں۔“

۵۔ بعض مفسرین کا مذہب ہے کہ طاغوت اصنام ہیں۔

ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

والاولی ان یقال بعمومه سائر ما یطغی ویحمل الاقتصار علی بعض فی تلک الاقوال من باب التمثیل۔

انتہی

یعنی بہتر یہ ہے کہ لفظ طاغوت کو عام رکھا جائے اور اس کے مفہوم عام میں بقیہ ان تمام چیزوں کو شامل کر لیا جائے جو سرکش اور طاغی ہیں اور ان اقوال میں جو بعض افراد پر اقتصار کیا گیا ہے اسے باب تمثیل پر محمول کیا جائے۔

یہ عبارت اس مطلب میں صریح ہے کہ ”کل ما عبد من دون اللہ“ سے وہی ”معبود من دون اللہ“ مراد ہیں جن میں طغیان کے معنی پائے جائیں، ملائکہ اور رسول ہرگز مراد نہیں کیونکہ وہ طغیان سے پاک ہیں۔

امام فخر الدین رازی اور علامہ سید محمود الوسی صاحب روح المعانی نے اپنی تفسیروں میں طاغوت کے معنی میں پانچ قول نقل کئے ہیں

۱۔ شیطان ۲۔ ساحر ۳۔ کاہن ۴۔ اصنام

۵۔ پانچویں قول میں عنوان بیان مختلف ہے۔

صاحب روح المعانی نے فرمایا

کل ما عبد من دون اللہ اور امام رازی نے اس کی بجائے فرمایا

مردة الجن والانس، وکل ما یطغی طاغوت کی تفسیر میں کل ما عبد من دون اللہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول

ہے لیکن امام رازی نے اس کی بجائے ”مردة الجن والانس وکل ما یطغی ارقام فرما کر واضح فرمادیا کہ ما عبد سے مراد سرکش

اور متمرّد جن و انس ہیں اور وہ چیزیں ہیں جو طاغی ہونے کے باعث مذموم فی نفسہ ہیں۔ دونوں عبارتوں میں صرف عنوان مختلف ہیں،

معنوں میں کوئی فرق نہیں۔

اس کے بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو محاکمہ فرمایا ہے اس نے اس مفہوم کو اور بھی واضح کر دیا۔ فرماتے ہیں

والتحقیق انه لما حصل الطغیان عند الاتصايل بهذه الاشياء جعلت هذه الاشياء اسبابا للطغیان كما فی

قوله رب انهن اضلن كثيرا من الناس۔ انتہی۔

تفسیر کبیر جلد دوم ص ۳۴۰ یعنی تحقیق یہ ہے کہ جب ان اشیاء کے ساتھ اتصال ہونے کے وقت طغیان حاصل ہوا تو ان اشیاء کو طغیان

کا سبب قرار دے دیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے

اے میرے رب بے شک ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا یعنی ان اشیاء کو طاغوت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ

اتصال ہونے سے طغیان حاصل ہوتا ہے۔ اس تقریر پر طاغوت وہی ہوگا جس کے ساتھ اتصال ہونے سے طغیان حاصل ہو۔ ظاہر ہے

کہ ملائکہ کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اتصال ہونے سے ایمان، ہدایت اور ہر قسم کی رحمت و برکت حاصل ہوتی ہے۔ طغیان تو ان سے دور ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس صورت میں انہیں طاغوت قرار دینا کیونکر صحیح ہوگا؟

اس بیان سے بھی ثابت ہو گیا کہ ”ما عبد من دون اللہ“ میں ملائکہ و رسل ہرگز شامل نہیں ہیں اور صاحب روح البیان نے ”ما عبد من دون اللہ“ کے بیان میں جو ”ما هو مذموم فی نفسه متمرد“ فرمایا ہے، عین حق ہے اور وہ اپنے اس بیان میں متفرد نہیں بلکہ امام رازی اور صاحب روح المعانی جیسے جلیل القدر علماء مفسرین کی عبارات میں ان کی تائید میں موجود ہیں۔

علاوہ ازیں مولانا گنگوہی صاحب کے شاگرد رشید نے یہ بھی نکتہ دیکھا کہ ”ما عبد من دون اللہ“ میں کلمہ ”ما“ ہے ”من“ نہیں۔ ایک مبتدی بھی جانتا ہے کہ کلمہ ”ما“ غیر ذوی العقول کے لئے ہے اور ”من“ ذوی العقول کے لئے۔ ملائکہ و رسل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کامل العقل ہوتے ہیں۔ اگر اس عبارت میں وہ مراد ہوتے تو ”ما عبد“ کی بجائے ”من عبد“ ہوتا۔

اگر ”ما عبد من دون اللہ“ میں ملائکہ و رسل شامل ہوں تو آیت کریمہ ”انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جهنم“ میں بھی ”ما“ ہے۔ اس کے عموم میں بھی یہ مقدسین شامل ہو کر (معاذ اللہ) حصب جہنم قرار پائیں گے۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

اب ہم اس مقصد کو واضح کرنے کے لئے علماء مفسرین کی عبارات پیش کرتے ہیں کہ ”ما“ غیر ذوی العقول کے لئے ہے اور ”ما عبد من دون اللہ“ میں فرشتے اور رسول شامل نہیں۔ دیکھئے تفسیر معالم التنزیل جلد ۴ ص ۲۶۲ پر آیت کریمہ ”انکم وما تعبدون من دون اللہ“ کے تحت علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں

”وزعم جماعة ان المراد من الآية الاولى الاصنام لان الله تعالى قال انکم وما تعبدون من دون اللہ. انتہی یعنی ایک جماعت نے کہا آیت کریمہ سے اصنام مراد ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ”وما تعبدون“ فرمایا۔ اگر اس سے فرشتے اور انسان (رسول اور دیگر صالحین کرام) مراد ہوتے تو ”ومن تعبدون“ فرماتا۔ اسی طرح حازن میں ہے اور تفسیر مدارک جلد ۳ ص ۶۹ پر اسی آیت کے تحت مرقوم ہے

علی ان قوله وما تعبدون لا تینا ولهم لان ما لمن لا یعقل الا انهم اهل عناد نزیل فی البیان. انتہی یعنی علاوہ ازیں یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ”وما تعبدون“ فرشتوں اور رسولوں کو شامل نہیں اس لئے کہ کلمہ ”ما“ کے مفہوم کو بیان کرنے کے لئے ”ان الذین سبقت لهم منا الحسنی اولئک عنها معبدون“ کو زیادہ کہا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ ”ان الذین سبقت لهم منا الحسنی“ (جو آیت حصب جہنم کے بعد ہے) کلمہ ”ما“ میں تخصیص کے لئے نہیں بلکہ اس کے معنی مرادی کو بیان کرنے کے لئے ہے اور یہ بیان صرف اس لئے نازل ہوا کہ ابن زبیری نے کلمہ ”ما“ کے عموم میں فرشتوں اور رسولوں کو عناداً شامل کر لیا تھا جیسا کہ ”کل ما عبد من دون اللہ فهو الطاغوت“ میں کلمہ ”ما“ کے عموم میں گنگوہی صاحب کے شاگرد رشید مولوی حسین علی نے فرشتوں اور رسولوں کو شامل کر لیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابن زبیری نے (معاذ اللہ) انہیں حصب جہنم (دوزخ کا ایندھن) بنانے کیلئے شامل کیا تھا

اور مولانا گنگوہی صاحب کے شاگرد رشید نے ان پاکبازوں کو نعوذ باللہ طاغوت ثابت کرنے کیلئے شامل کیا ہے لیکن اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ان نورانی بندوں کو جس طرح صلب جہنم کہنا کفر و ضلال ہے بالکل اسی طرح طاغوت کہنا بھی کفر و الحاد ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۳۳۳ پر آیت کریمہ ”إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ“ کے تحت فرماتے ہیں ”(وثانیہا) انه لم يقل ومن تعبدون بل قال وما تعبدون وكلمة ما لا تتناول العقلاء انتہی“

یعنی ابن زبیری کے اعتراض کے ساقط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”وَمَنْ تَعْبُدُونَ“ نہیں فرمایا بلکہ ”وَمَا تَعْبُدُونَ“ فرمایا اور کلمہ ”مَا“ عقلاء کو شامل نہیں ہوتا۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”وَمَا تَعْبُدُونَ“ سے مراد اصنام (بت) ہیں: وَذَلِكَ بِشَهَادَةِ مَا فَاَنهَا لَمَّا لَا يَعْقِلُ فَخَرَجَ عَزِيزٌ وَعِيسَى وَمَلَكَةٌ. انتہی

یعنی اس آیت میں جو ہم نے اصنام مراد لئے ہیں تو یہ مراد لینا کلمہ ”مَا“ کی شہادت کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ ”مَا“ غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ لہذا عزیر اور عیسیٰ اور ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام اس سے نکل گئے۔ تفسیر ابوسعود (براہِ شیعہ تفسیر کبیر) جلد ۶ ص ۳۳۷ پر علامہ ابوسعود آیت مذکورہ ”انکم وما تعبدون“ کے تحت فرماتے ہیں

وما تعبدون عبارة عن اصنامهم لانها التي يعبدونها كما يصححها كلمة ما وقد روى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حين تلا الآية وقال له ابن الزبيري خصمتك ورب الكعبة اليست اليهود وعبدوا عزيراً والنصارى المسيح وبنو مليح الملائكة رد عليه بقوله عليه السلام ما اجهلك بلغة قومك اما فهمت ان ما لما لا يعقل۔ انتہی

یعنی ”وَمَا تَعْبُدُونَ“ عبارت ہے ان کے اصنام سے اس لئے کہ وہ اصنام ہی کی عبادت کرتے تھے۔ جیسا کہ کلمہ ”مَا“ بتا رہا ہے۔ مروی ہے کہ جب حضور سید عالم ﷺ نے آیت مبارکہ ”انکم وما تعبدون من دون اللہ“ صلب جہنم تلاوت فرمائی تو ابن زبیری نے حضور ﷺ سے کہا کہ رب کعبہ کی قسم میں حضور پر غالب آ گیا۔ کیا یہود نے عزیر علیہ السلام کی اور نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کی اور بنو ملیح نے ملائکہ کی عبادت نہیں کی؟ تو حضور اقدس ﷺ نے اس پر رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ”ما اجهلك بلسان قومك۔ الخ“ اے ابن زبیری تو اپنی قوم کی زبان سے کیسا جاہل ہے۔ کیا تو نہیں سمجھتا کہ ”مَا“ غیر ذوی العقول کے لئے ہے۔

اصول کی مشہور کتاب منار (نور الانوار کے متن) میں ہے ”واختلف في خصوص العموم فعندنا لا يقع متر اخيا وعند الشافعي رحمة الله يجوز ذلك۔ انتہی“ ص ۲۰۶

یعنی عام میں ایسی شخصیات جو ابتداء ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موصولا اور مفصول دونوں طرح جائز ہے لیکن امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک موصولا جائز ہے، مفصولا جائز نہیں۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک پر اعتراض ہوتا تھا کہ دیکھئے ”انکم وما تعبدون من دون اللہ صلب جہنم“ میں جو ”مَا“ ہے وہ ہر معبود من دون اللہ کو شامل ہے جس میں رسول فرشتے و دیگر صالحین سب داخل ہیں۔ ان کو آیت کریمہ ”إِنَّ الَّذِينَ

سبقت لَهُمْ مِنَّا الْحَسَنَىٰ أَوْلَيْكَ عَنْهَا مَبْعَدُونَ“ سے تراخی کے ساتھ خاص کیا گیا۔

اس کے جواب میں مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے صاحب نور الانوار بحث اقسام البیان ص ۲۰۴، ۲۰۳ پر ارقام فرماتے ہیں ”وقوله تعالى انكم وما تعبدون من دون الله لم يتناول عيسى لانه خص بقوله ”اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحَسَنَىٰ“ لان كلمة المذوات غير العقلاء وعيسى عليه السلام ونحوه لم يدخل في عموم كلمة ما۔“
یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو یہ آیت شامل نہیں۔ یہ بات نہیں کہ ”اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحَسَنَىٰ“ سے انہیں خاص کیا گیا ہے اس لئے کہ کلمہ ”ما“ غیر ذوی العقول کے لئے ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی مانند (دیگر رسول اور فرشتے و صالحین جن کی عبارت کی گئی) کلمہ ”ما“ کے عموم میں داخل نہیں۔ (جب کلمہ ”ما“ کے عموم میں وہ داخل ہی نہیں تو وصل یا فصل کیساتھ انہیں خاص کرنے کے کیا معنی؟)
اس مقام پر کلام سابق میں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا تھا کہ محاورہ اہل لسان میں کلمہ ”ما“ جب غیر ذوی العقول کے لئے تھا تو ابن زبیری نے اہل مبان ہونے کے باوجود یہ سوال کیوں کیا؟ اس کا جواب صاحب نور الانوار اس طرح ارقام فرماتے ہیں ”لكن ابن الزبيري انما سأل تعنتا وعناداً ولذلك قال له النبي صلى الله عليه وسلم ما اجهلك (۱) بالسان قومك اما علمت ان ما لغير العقلاء ومن للعقلاء. انتهي“

فرماتے ہیں کہ ابن زبیری کا یہ سوال باوجود علم کے محض تعنت و عناد پر مبنی ہے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے اس سے فرمایا تو اپنی قوم کی زبان سے کس قدر جاہل ہے۔ تو نہیں جانتا کہ ”ما“ غیر ذوی العقول کے لئے ہے اور من ذوی العقول کے لئے۔
تصریحات سابقہ سے یہ مقصد پوری طرح واضح ہو گیا کہ ”ما“ غیر ذوی العقول کے لئے ہے۔ اس میں فرشتے اور رسول شامل نہیں۔ لہذا دیوبندیوں کے قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے تلمیذ رشید اور غلام خاں کے حضرت صاحب (مولوی حسین علی) نے ”کل ما عبد من دون الله فهو الطاغوت“ میں کلمہ ”ما“ کے عموم میں فرشتوں اور رسولوں کو شامل کر کے جو ان پر لفظ طاغوت بولنا جائز قرار دیا ہے وہ قطعاً باطل بلکہ رسل و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شدید ترین توہین اور گستاخی ہے۔ (العیاذ باللہ الکریم)

ہمارے اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ”طاغوت“ کے معنی ”کل ما عبد من دون الله“ مفسرین نے نقل کئے ہیں لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس کلمہ ”ما“ کے عموم میں فرشتے اور رسول شامل ہیں اس لئے کہ کلمہ ”ما“ حسب تصریحات علماء مفسرین غیر ذوی العقول کیلئے ہے اور اگر ان تصریحات سے قطع نظر کریجائے تب بھی فرشتے اور رسول اس عموم میں شامل ہو کر طاغوت نہیں ہو سکتے کیونکہ طاغوت طغیان سے مشتق ہے۔ ہر مشتق میں مشتق منہ کے اصل معنی کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ اشتقاق صحیح نہ ہوگا۔

دیکھئے بیضاوی شریف میں اشتقاق کے معنی اس طرح مرقوم ہیں ”کون اللفظ مشارکاً فی المعنی والتراکیب“ (اشتقاق کے معنی ہیں مشتق۔ مشتق منہ کا معنی اور ترکیب میں باہم شریک ہونا)

فرشتے اور رسول طغیان کے معنی سے پاک ہیں۔ انہیں شرعاً یا عرفاً بھی سبب طغیان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے وہ کسی طرح

طاغوت نہیں ہو سکتے۔ طاغوت وہی ہو سکتا ہے جو خود طاغی ہو یا دوسروں کو طغیان کی طرف کھینچنے والا ہو یا اس میں طغیان کے معنی صفت بحال متعلق کے طور پر پائے جائیں جس کی وجہ سے انہیں شرعاً یا عرفاً سبب طغیان کہا جاسکے۔

مفسرین کرام نے طاغوت کے معنی میں ”کل ما عبد من دون اللہ“ ارقام فرمایا لیکن فرشتوں اور رسولوں کو آج تک کسی نے طاغوت نہیں کہا۔

اب اس امر پر روشنی ڈالتا ہوں کہ فرشتوں اور رسولوں کو (معاذ اللہ) طاغوت کہنے کی صورت میں از روئے قرآن مجید کیسے شدید مفاسد لازم آتے ہیں

دیکھئے ”فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ“ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ“۔

اس کی تفسیر میں علامہ حازن رحمۃ اللہ علیہ تفسیر حازن جلد اول ص ۲۲۹ پر ارقام فرماتے ہیں ”یعنی الکفار والطاغوت اهل النار الذين يخلدون فيها دون غيرهم۔“

یعنی کفار اور طاغوت اہل نار ہیں۔ صرف وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اب اگر (نعوذ باللہ) فرشتے اور رسول بھی طاغوت ہوں تو ان کو بھی مخلد فی النار کہنا پڑے گا۔ (معاذ اللہ)

دور کیوں جائیے۔ اسی آیت کریمہ کو لے لیجئے جس کی تفسیر کرتے ہوئے مولوی حسین علی صاحب نے فرشتوں اور رسولوں کو طاغوت ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ“ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر طاغوت (۱) کے ساتھ کفر کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ایک طاغوت پر ایمان رکھتا ہے وہ بھی مومن باللہ نہیں ہو سکتا۔ اب اگر (معاذ اللہ) فرشتے اور رسول بھی طاغوت ہوں تو (معاذ اللہ) ان کے ساتھ کفر کرنا بھی فرض ہوگا حالانکہ فرشتوں اور رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے۔

اگر یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ اس آیت میں کفر سے مراد ”طاغوت کی معبودیت کا انکار“ ہے اور ظاہر ہے کہ مومن جس طرح اصنام وغیرہ کی معبودیت کا منکر ہے اسی طرح فرشتوں اور رسولوں کی معبودیت کا منکر ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انکار معبودیت کو کفر سے تعبیر کرنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ طاغوت سے فرشتے اور رسول مراد نہ ہوں کیونکہ اصنام وغیرہ کی معبودیت کو کفر سے تعبیر کرنا جائز ہے مگر فرشتوں اور رسولوں کی معبودیت کے انکار کو کفر نہیں کہہ سکتے جیسے ”کفر باللات والعزی“ کہنا بلاشبہ جائز ہے لیکن ”کفر بعیسیٰ علیہ السلام“ یا ”کفر بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم“ یا ”کفر بجبریل علیہ السلام“ کہنا کسی طرح جائز نہیں۔

اس تفصیل سے بھی واضح ہو گیا کہ فرشتے اور رسول طاغوت نہیں ہو سکتے۔

اور نبی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ“۔

یعنی کافروں کے اولیاء طاغوت ہیں۔ وہ انہیں نور سے ظلمتوں کی طرف نکال کر لے جاتے ہیں۔

اگر فرشتے اور رسول بھی طاغوت ہوں تو یہ بھی نور سے ظلمتوں کی طرف لے جانے والے ہوں گے حالانکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری

مخلوق اور معصوم ہیں اور رسول ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لاتے ہیں اور ان کا معصوم ہونا بھی ایک حقیقت ثابت ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ”يُرِيدُونَ أَن يُتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ“
شرکین چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمات طاغوت کی طرف لے جائیں اور انہیں اپنا حکم بنائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کے ساتھ کفر کریں۔

اگر معاذ اللہ رسول بھی طاغوت ہوں تو ان کے ساتھ بھی کفر کرنا ضروری ہوگا۔ نیز ان کے پاس اپنے جھگڑے اور مقدمات لے جانا اور انہیں اپنا حکم بنانا ناجائز ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ ”فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ“
اور دوسری جگہ فرمایا ”فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ“ الآیہ

اس کے علاوہ بے شمار مفاسد لازم آتے ہیں جن کو ہم بخوف طوالت بیان نہیں کر سکتے۔ طالب حق منصف حراج کے لئے یہ مختصر مضمون کافی ہے اور سرکش متعصب کے لئے دفتر کے دفتر بھی کافی نہیں۔

الحمد للہ! ہم نے روشن دلیلوں سے ثابت کر دیا کہ فرشتے اور رسول طاغوت نہیں ہو سکتے۔ جو شخص انہیں طاغوت کہتا ہے وہ خود طاغوت ہے اور اپنے ماننے والوں کو نور ایمان سے نکال کر کفر کی تاریکیوں میں لئے جا رہا ہے۔

مسلمانو! تم ایسے لوگوں سے پرہیز کرو۔ کہیں تم بھی ان کے ساتھ نور ہدایت سے محروم ہو کر ضلالت کی تاریکیوں میں گم نہ ہو جاؤ۔
اللّٰهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَالْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورِ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَمَلْجَأُنَا وَمَاوَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَوَلِيَّاءِ اٰمَنَةً وَعِلْمَاءِ مِلَّتِهِ اٰجَمَعِينَ۔

امین یا رب العلمین۔

دستور پاکستان

دستور پاکستان پر حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی کا یہ مقالہ کتنا بصیرت افروز اور سبق آموز ہے؟ اس کا صحیح انداز ہر اس مخلص مسلمان کو ہو سکتا ہے جو اپنے ذاتی جذبات و خواہشات کو اللہ رب العزت اور حضرت خاتم نبوت ﷺ کی مرضیات کے مقابلہ میں ہچ و لاشے سمجھ کر صفائے قلب، رفعت فکر اور وسعت نظر سے اس کا مطالعہ کرے اور مادی و دنیوی عروج و ترقی کی خواہش کے ساتھ روحانی و اخروی فلاح و بہبود بھی اس کے پیش نظر ہو۔

اس مقالہ میں نظام انسانیت کے تحفظ، خلافت الہیہ کے مقصد فطری آزادی کے قضاے قیود غلامی سے رہائی کے جذبے، وطنیت کے صحیح مفہوم، انقلاب کے اسباب، تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے بنیادی وجوہ و نظریات، قائد اعظم و قائد ملت مرحومین و دیگر گورزان و وزراء اعظم پاکستان کے موثق مواعید و مسلسل اعلانات، قرارداد مقاصد کی منظوری اور پھر اسلامی دستور کے متعلق تمام مسلمانوں کے متفقہ مطالبے اور اس سلسلہ میں دین و شریعت سے متعلق صاحب دین و شریعت، ان کے شاگردوں جانشینوں اور پھر ان کے تابعین کی

معتبر و مستند توضیحات و تشریحات، کتاب و سنت اور فقہ ائمہ کی تفسیر و تعبیر اور ان کے لزوم کی ضرورت۔ غرض اکثر و بیشتر ضروری و اہم جزئیات پر بہترین انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ امید ہے کہ یہ مقالہ اہل فکر و نظر کے لئے یقیناً بصیرت افروز ثابت ہوگا۔

آل پاکستان سنی کانفرنس منعقدہ ۱۰/۱۱/۱۴۲۱ھ ۱۹۵۵ء کولہور میں یہ مقالہ پڑھا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ ط

اما بعد! کسی چیز کے جائز اور فطری تقاضوں کا بار رک ٹوک پورا ہونا ہا اس کی آزادی ہے۔ جس کے حصول کا جذبہ موجودات عالم کے ذرہ ذرہ میں فطری طور پر موجود ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس مقتضائے طبیعت اور قانون فطرت سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ فضاے عالم میں آزادی کے جس قدر جذبات افراد ممکنات کی آغوش میں الگ الگ کروٹیں بدل رہے ہیں حقیقت انسانیہ کے بساط رفیع پر وہ سب اجتماعی صورت میں مضطرب اور بے تاب نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک مشت خاک انسان ان تمام کی حقیقتوں کا مرکز و معدن اور بلحا و ماویٰ ہے۔ انسانی فطرت میں حصول آزادی کے جذبات کا اندازہ لگانے سے پہلے نظام عالم پر اگر ایک مجسمانہ نظر ڈالی جائے تو حقیقت واقعیہ بخوبی آشکار ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے ”سَنُرِیْہُمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِہُمْ حَتّٰی یَتَبَيَّنَ لَہُمْ اَنَّہٗ الْحَقُّ“ (عنقریب ہم اپنی قدرت کی نشانیاں ان کو آفاق عالم میں دکھائیں گے اور ان کے نفسوں میں یہاں تک کہ یہ چیز ان کے لئے اچھی طرح روشن ہو جائے کہ بے شک وہی حق ہے۔)

سب سے پہلے عناصر اربعہ ہی کو لیجئے۔ زمین جو طبعاً مائل بہ پستی ہے اگر کسی قسر قاسر سے زبردستی اس کو اس کے جز طبعی سے جدا کر دیا جائے مثلاً مٹی کا ایک ڈھیلا کوئی شخص اپنی پوری طاقت سے آسمان کی طرف پھینکے تو وہ بحالت مجبوری اپنے جز طبعی سے اٹھ کر بلندی کی طرف ضرور جائے گا مگر اس کی طبیعت میں قسر قاسر کی جکڑ بندیوں سے آزادی حاصل کرنے کے جذبات ضرور اس جدوجہد میں مصروف ہیں کہ اس قاسر و جابر کی گرفت ذرا ڈھیلی ہو اور اس کی قوت کچھ کمزور ہو تو اس قید غلامی سے نجات پا کر جز طبعی کی آغوش میں آزادی کا سانس لینے کا موقع ہاتھ آئے۔ چنانچہ جب پھینکنے والے کی طاقت کا زور ختم ہو جاتا ہے تو اپنی طبعی موت سے وہ ڈھیلا پھر اپنے جز طبعی میں واپس آ کر آزادی کی خوشگوار فضا میں بیچ جاتا ہے خواہ یہ آزادی اور غلامی طبعی اور قسری تقاضوں کی کشمکش غیر شعوری طور پر ہی کیوں نہ ہو لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اصل فطرت کے خلاف ہر ماحول غلامی ہے اور فطری تقاضوں کا پورا ہونا ہر فرد عالم کے لئے حقیقی آزادی ہے۔

اسی طرح ہوا کی کیفیت ہے اگر اس کو کسی چیز میں بند کر کے پانی کی گہرائیوں میں زبردستی پہنچا دیا جائے تو غلامی کی زنجیروں میں مقید ہو کر وہ یقیناً اپنے جز طبعی سے دور کسی غیر طبعی مستقر میں اسی طرح پہنچ جائے گی جس طرح مٹی کا ڈھیلا آسمان کی بلندیوں کی جانب پہنچا تھا لیکن اس کے طبعی جذبات آزادی کا پتا اس وقت لگے گا جب پانی کی گہرائیوں میں مضبوط بندشوں کو توڑ کر ہوا کے ظرف کا منہ کھول دیا

جائے۔ اس وقت وہ اجزائے ہوائیہ بڑی تیزی کے ساتھ اس سے باہر آئیں گے اور سطح آب کو چیرتے پھاڑتے راہ آزادی سے ہر سنگ گراں کو ہٹاتے ہوئے اپنے مرکز اصلی اور مسترطبی پر پہنچ جائیں گے۔

آگ کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اس کے مضطرب اور بے تاب شعلے ہمیشہ بلندی کی طرف چڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ ان کا رخ بلندی کی جانب سے پستی کی طرف لانے کی لاکھ کوشش کریں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ طبیعت کے باقی رہتے ہوئے طبعی رجحانات کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیر طبعی قید و بند سے تنگ آ کر انتہائی بے چینی، پریشانی اور اضطراب کے عالم میں قید غلامی سے نجات حاصل کرنے اور اپنے مستقر طبعی تک پہنچنے کے لئے بے تابانہ جدوجہد کر رہے ہیں۔

پانی کا بھی یہی حال ہے۔ اگر اس کو اس کے مکان اصلی سے زبردستی جوا کر دیا جائے تو وہ ہر آن جبر و استبداد کی قوتوں کے ختم ہونے کا منتظر رہے گا اور جب بھی اس کو موقع ملے گا، اپنے مقام اصلی کی طرف نہایت خاموشی کے ساتھ واپس آ جائے گا۔

مقید پرندوں کا اپنے آشیانوں کے لئے تڑپنا اور پانی کی مچھلیوں کا سطح آب کے لئے بے تاب ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی فطرت کے خلاف جکڑ بندیوں سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد نہ کرے۔

اس میں شک نہیں کہ جس طرح دیگر افراد ممکنات پر گردشِ زمانہ کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بعض چیزیں اپنے مکان طبعی اور مستقر اصلی سے جدا ہو کر قسر قاسر کی قید و بند میں مبتلا ہو جاتی ہیں بالکل اسی طرح انسان بھی حوادثِ زمانہ کا شکار ہو کر اس قم کے ماحول سے دوچار ہوتا ہے یعنی بیماری، آزادی، مظلومیت و دیگر مصائب و آلام کی طرح طبیعتِ انسانیہ کے خلاف مملوکیّت اور غلامی کا حال بھی

انسان پر طاری ہو جاتا ہے۔ جن اصولوں کے ماتحت ہمارے دیگر مصائب و آلام کا ازالہ ہو سکتا ہے بالکل انہی کے تحت مملوکیّت اور غلامی زنجیریں بھی کاٹی جاسکتی ہیں یعنی جس طرح صرف کلمہ شریف پڑھ لینے سے کوئی بیمار اچھا نہیں ہو جاتا بالکل اسی طرح مجرد اسلام لانے کے مملوکیّت اور غلامی ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ اسلام نے جس طرح بیماروں، مظلوموں اور مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ

ہمدردی، رعایت اور مروت کے طریقے تعلیم فرمائے ہیں اسی طرح مملوکوں اور غلاموں کے متعلق بھی نیک برتاؤ اور حسن سلوک کے احکام صادر کئے ہیں۔ غلامی اور مملوکیّت سے رہائی پانے کے لئے اسلام نے بالکل مستقل اور جداگانہ طور پر ایسے اصول بنی نوع انسان کے سامنے رکھ دیئے ہیں جن پر کار بند ہونے کے بعد جس طرح دیگر تکالیف سے نجات مل سکتی ہے اسی طرح مملوکیّت اور غلامی سے بھی

بآسانی چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ حصول آزادی کا جذبہ انسان کا فطری جذبہ ہے اور اس کے لئے صحیح طور پر جدوجہد کرنا اس کا طبعی اور پیدائشی حق ہے۔

اس مقام پر یہ شبہ پیدا کرنا صریح نا فہمی پر مبنی ہو گا کہ جب آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے تو اس کے اقوال و اعمال خواہشات و نفسیات پر دین و مذہب کی قیود اور جکڑ بندیاں کیونکر جائز ہو سکتی ہیں۔ لاندہب لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض عرصہ سے پیش ہوتا رہا

ہے جس کی بنیاد حقیقت انسانیہ سے لاعلمی کے سوا کچھ نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ انسانی حقیقت ایک ایسے لطیف اور نورانی جوہر کا نام ہے جس کو لطیفہ ربانی سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس جوہر لطیف کے ارد گرد تمام حقائق کائنات کو جمع کر دیا گیا ہے اور اس لحاظ سے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ انسان خلاصہ ممکنات اور مجموعہ کائنات ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

نفسِ ناطقہ انسانی اور لطیفہ ربانی کے پس و پیش تمام حقائق موجودات کو بالکل اسی ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے جس ترتیب سے ایک شہنشاہ کے گرد و پیش اس کا پورا ملک تمام رعیت فوج و لشکر، ملازمین و خدام، افسران و حکام، اعیانِ دولت، ارکانِ مملکت، امراء و وزراء جمع ہوتے ہیں۔ ان میں ان کے احوال و طبائع کی طرح مناصب و مراتب کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی میں عجز و نیاز ہے کسی میں تکبر و غرور، کوئی سست اور کامل الوجود ہے، کوئی چست و چالاک، کوئی مطیع و فرماں بردار ہے کوئی عاصی و نافرمان، کوئی تند خو غضبناک خون خوار ہے اور کوئی حلیم و رحیم نرم دل بردبار لیکن شہنشاہ ایسی زبردست قوت و طاقت رکھتا ہے کہ ہر متواضع اور مغرور، سست اور چالاک، عاصی و مطیع، خونخوار و بردبار پر حکم چلا رہا ہے اور ہر ایک سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لے رہا ہے۔ سلطنت کے تمام امور نہایت حسن و خوبی کے ساتھ سرانجام ہو رہے ہیں اور ملک کا گوشہ گوشہ امن و عافیت کا گہوارہ بنا ہوا ہے اور اگر خدا نخواستہ شہنشاہ کی حاکمانہ گرفت ڈھیلی پڑ جائے اور قوت متصرفہ کمزور ہو جائے، قوانینِ شاهی کی پابندیوں میں ضعف و اضمحلال کے آثار پیدا ہونے لگیں گے۔ ملک و رعیت کے حالات کی طرف توجہ نہ کی جائے، مانتحت حکام و وزراء کی نقل و حرکت پر شہنشاہ کی نگرانی نہ رہے تو یقیناً پورا ملک تباہ و برباد ہونا شروع ہو جائے گا۔ تند خو خونخوار وزراء سرکش اور طاغی حکام علم بغاوت بلند کر دیں گے۔ لاقانونیت کا دور دورہ شروع ہو جائے گا۔ جو سرکش اور باغی وزیر جس صوبے اور علاقے کو چاہے گا اپنی بغاوت کی آماجگاہ بنا کر جبر و تشدد، خونریزی اور سفاکی شروع کر دے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ باغی وزراء شہنشاہ کو قیدی بنا کر مرکزی حکومت پر خود قابض ہو جائیں اور اس طرح ملک اور رعایا سب تباہی اور بربادی کے گڑھے میں جا گریں۔

خالقِ فطرت نے اجسام و ارواح جوہر و اعراض، خلق و امر کی تمام حقیقتوں کو سمیٹ کر نفسِ ناطقہ انسانی کے آس پاس جمع کر دیا اور اس مجموعہ الحقائق کا نام انسان رکھ دیا۔ روحانیت کو جسمانیات سے ملا دیا۔ ملکیت کے ساتھ سہیت و بہیمیت کی سرکش طاقتوں کو بھی دامنِ انسانیت سے وابستہ کر کے اس کا پابند و محکوم بنا دیا۔ گویا وہ نفسِ ناطقہ انسانی اور لطیفہ ربانی ایک شہنشاہ ہے۔ عالمِ خلق و امر اس کا ملک ہے۔ خلق و امر کی سب حقیقتیں اس کی رعایا ہیں۔ ملکیت اور شیطنیت سہیت و بہیمیت کی زبردست طاقتیں اس کے درباری اور حکام و وزراء ہیں جن پر وہ لطیفہ ربانی اپنے طبعی تقاضوں کے مطابق حکومت کر رہا ہے۔ ربانی قانون اور رحمانی آئین نافذ کر کے عالمِ انسانیت میں متصرف اور حکمران ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ الہیہ کا ظہور اسی میں ہے اور ”اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً“ کی تفسیر یہی ہے۔

اب اگر اس مملکت انسانیہ میں نفس مطلقہ انسانی ان تمام مختلف حقیقتوں اور سرکش طاقتوں کو اپنے تحت تصرف نہ رکھے اور احکام ربانی و آئین جہان بانی کی جکڑ بندیوں کو ان سرکش اور باغی وزراء سے اٹھا لے اور ہر ایک کو شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دے تو بلاشبہ عالم انسانیت تباہی اور بربادی کے گڑھے میں جا پڑے گا۔ بھیبت اپنی خواہشات کو پورا کرے گی۔ سہیبت اپنی خونخواری کے ققازوں کی طرف دوڑے گی۔ حیوانیت اپنا کام شروع کر دے گی۔ شیطنیت علم بغاوت بلند کر کے نظام انسانیت کو تباہ کر کے رکھ دے گی اور لا قانونی پیدا ہونے سے مادی مملکتوں میں جو افراتفری اور تباہی و بربادی کے حالات پیدا ہوتے ہیں بالکل وہی حالات مملکت انسانیہ میں پیدا ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ بھیبت و سہیبت اور حیوانیت و شیطنیت کی زبردست طاقتیں قانونی جکڑ بندیوں کے ختم ہو جانے پر جو ہر انسانیت کا صفایا کر دیں اور اس طرح عالم انسانیت حیوانیت و سہیبت اور بھیبت و شیطنیت کی آماجگاہ بن جائے۔ نفس مطلقہ انسانی کے انہی فطری ققازوں اور لطیفہ ربانی کے طبعی مقتضیات کو ہم دینی احکام اور مذہبی جکڑ بندیوں سے تعبیر کرتے ہیں اور ہم نے واضح طور پر بیان کر دیا کہ ان احکام اور جکڑ بندیوں کے بغیر کسی مملکت کا نظام برقرار نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ نظام انسانیت کے تحفظ کی خاطر اصول انسانیت کی پابندی کی جائے۔

آج دنیائے انسانیت میں جو انقلاب رونما ہوا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ نفس مطلقہ انسانی کی حاکمانہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کی آمرانہ قوتیں ضعیف ہو گئیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مملکت انسانیہ کے ہر گوشہ سے سرکش طاغوتی طاقتیں ابھر آئیں اور انہوں نے انسانیت کے مقدس آئین کے احترام کو مذہبی جکڑ بندی سے تعبیر کر کے اس کے خلاف واویلا مچانا شروع کر دیا بلکہ انسانیت کے خلاف محاذ قائم کر کے جوہر انسانیت کو فنا کرنے کی مہم شروع کر دی۔ انسانوں کی اکثریت جو ہر انسانیت سے محروم ہو گئی۔ غارت گری کا دروازہ کھل گیا۔ ہر طرف درندگی و خونخواری کے مظاہرے ہونے لگے۔ ظالم و سفاک درندے انسانی صورتوں میں انتہائی بے رحمی کے ساتھ انسانیت کا خون بہانے لگے۔ حیوانیت اور بھیبت کے انداز میں فحاشی اور بے حیائی کی گرم بازاری شروع ہو گئی اور بالآخر انسانی ہاتھوں سے خرمن انسانیت نذر آتش ہو کر رہ گیا۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ انسان "مَنْ حَيْثُ هُوَ" انسان کی حقیقت نفس مطلقہ انسانی ہے اور وہ جو ہر لطیف حسن الوہیت کی بے مثال تجلی ہے اس لئے اس کا میلان طبع خالق کائنات کے سوا کسی اور جانب نہیں ہو سکتا اور اس کا صحیح اور جائز فطری ققاز باری تعالیٰ کی رضا جوئی اور معرفت قرب خداوندی ہی میں منحصر ہونا لازمی و ضروری ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ہر وہ اصول و آئین جو انسان کے مذکورہ فطری ققازوں کے خلاف ہو یقیناً اس کے لئے غلامی کی قید و بند اور اس کی راہ آزادی میں سنگ گراں ہے اور اس قسم کی قید و بند سے نکلنا ہی آزادی کی فضا میں سانس لینے کے مترادف ہے۔

تاریخ عالم میں افراد انسانی کی کشمکش، کفر و اسلام کی جنگ، خیر و شر کا ظہور، حق و باطل کا مقابل انسان کی اس حقیقت جامعہ کا آئینہ دار

ہے۔ نفسِ مطلقہ انسانی کی گرفت سے جو حقیقت نکل گئی۔ اسی نے موقع پا کر اپنے طبعی تقاضوں کو پورا کرنا شروع کر دیا اور جہاں وہ لطیفہ ربانی عالم انسانیت میں بسنے والی حقیقتوں پر اپنی پوری قوت اور حاکمانہ شان سے متصرف رہا۔ وہاں حراجِ انسانیت حدِ اعتدال سے متجاوز نہ ہونے پایا اور اس کے نظام میں بھی کسی قسم کا خلل واضطراب واقع نہ ہوا۔

یہ امر بھی اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ حق پرست اور صداقت پسند انسانوں نے غلامی قید و بند کے خلاف جب بھی علمِ جہاد بلند کیا اور حصولِ آزادی کی جدوجہد کی، اس میں ہوا و ہوس، طمعِ نفسانی، حصولِ مال و منال، ملکیت و وطنیت کا کوئی جذبہ کبھی کارفرما نہیں ہوا بلکہ ان کا مٹمٹھ نظر ہمیشہ یہی رہا کہ طاغوتی طاقتوں کے قید و بند کو توڑ کر حیوانیت اور درندگی کے خونخوار پنجوں میں بے کس اور مظلوم انسانیت کو نجات دلانی جائے تاکہ وہ اپنے مرکزِ اصلی کی طرف جانے، انسانیت کے بلند مقامات حاصل کرنے اور طبعی تقاضوں کے موافق باری تعالیٰ کی رضا جوئی اس کے قرب و معرفت کے حصول جیسے مقاصدِ عظیمہ میں کامیاب اور فائز المرام ہو۔

گردشِ زمانہ کے ساتھ انسانیت کی جکڑ بندیوں اور انسانوں کی غلامی و محکومی کے جتنے دور آئے ان میں سرزمینِ ہندوستان پر انگریزوں کے اقتدار کا دور خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ایشیا کے براعظمِ ہندوستان میں اقتدار کی باگ ڈور جب انگریز کے ہاتھ آئی تو اس نے اس کے باشندوں کا جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا کہ یہاں چھوٹی چھوٹی قوموں کے علاوہ دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان آباد ہیں۔ دونوں قوموں کی تاریخ اس کے سامنے تھی۔ اس نے تاریخ کی روشنی میں دونوں قوموں کی ذہنیت کو سمجھنے کی کوشش کی۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں ہندو قوم ہی آباد تھی اور سارا ملک اسی کے تسلط اور اقتدار کے ماتحت تھا مگر حکمرانی کی صحیح قابلیت کی بجائے وطن پرستی کا جذبہ جو شرکانہ ذہنیت کے لوازم سے ہے، پوتر بھومی کا تصور بن کر ہندو قوم کے دماغوں پر چھایا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے سوا کسی ملک میں اس قوم کا نام و نشان کبھی نہیں پایا گیا اور حدودِ وطنیت سے یہ قوم کبھی آگے نہیں بڑھی اور اسی لئے اصولِ جہان بینی سے بھی ہمیشہ نا آشنا رہی۔

تاریخِ ہند میں کوئی ایسا دور نہیں ملتا جس میں پورا ملک ایک نظامِ حکومت کے ماتحت ہو۔ وطن پرستی کے مختلف نظریات و جذبات کے ماتحت یہ عظیم ترین ملک ہمیشہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور راجاؤں میں منقسم رہا۔ انگریز نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ زمین کی پوجا کرنے والی پست ہمت قوم وطن پرستی کے قعر سے نکل کر آسمانِ انسانیت اور قومیتِ انسانیہ کے اوجِ کمال کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی۔ وطن کی زمین میں رہائش نصیب ہو جانا ہی اس قوم کے مطمئن ہو جانے کے لئے کافی ہے اس لئے انگریز حصولِ اقتدار کے بعد ہندو قوم کی طرف سے چنداں خوفزدہ نہ تھا مگر اسلامی تاریخ کا مطالعہ اس کے لئے سوہانِ روح تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مسلمان قوم کا نظریہ وطن پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہے۔ وہ کسی خاص ملک کو اپنا وطن نہیں سمجھتا بلکہ اس کا نظریہ یہ ہے

ہر ملک، ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

عہدِ رسالت کی ۲۳ سالہ تاریخ، پھر خلافتِ راشدہ کا ۳۰ سالہ زمانہ اور اس کے علاوہ مسلمانوں کی ہزار سالہ حکمرانی کا دور اس کے پیش

نظر تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ انسانیت کی علمبردار مسلمان قوم زمین کی پستی میں رہ کر آسمان کی بلندیوں پر نظر رکھتی ہے۔ یہ قوم حجاز مقدس کی خشک پہاڑیوں اور عرب کے وسیع ریگستان سے اٹھی اور ساری دنیا پر چھا گئی۔ جس نے اقوام عالم کو قید غلامی سے آزاد کرایا، وہ خود غلامی کی زنجیروں میں کیونکر باندھی جاسکتی ہے؟

انگریز نے ان تصورات سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ اس قوم کو اس وقت تک قابو نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ اس کے اس جوہر انسانیت کو مغلوب نہ کر دیا جائے جو اس کے دماغ میں جہاد اور حکمرانی کا جذبہ پیدا کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ اگر اس کے دین و مذہب پر کوئی پابندی عائد کر کے اسے اپنے سانچے میں ڈھالا جائے تو یہ غیور قوم کسی حال میں اس کو برداشت نہیں کرے گی اس لئے اس نے مسلمانوں کے مذہبی افعال و اعمال پر کوئی ایسی پابندی نہیں لگائی جو انہیں ناگوار ہو۔ مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب چیزوں کو برقرار رکھتے ہوئے ایسے عجیب طریقہ سے کام لیا کہ بقول شیخ ”سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے“ اور وہ طریقہ یہ تھا کہ انگریز نے اسلامی معاشرہ کے ہر گوشے اور مسلمان قوم کی زندگی کے ہر شعبہ میں مغربیت اور عیسائیت کے زہریلے جراثیم کو اس طرح پیوست کر دیا کہ مسلمان قوم کی اکثریت اسلام کے لئے تنگ و عار ہو گئی اور اس کا جو ہر انسانیت مغرب زدہ ہو کر بھیمت اور حیوانیت سے مغلوب ہو کر رہ گیا۔

اس بیان سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی قوم مغربیت سے متاثر نہیں ہوئی یا یہ کہ تمام افراد یکساں طور پر متاثر ہوئے، نہیں..... بلکہ میرا مقصد صرف مسلمانوں کے تاثر کو ظاہر کرنا ہے۔ دوسری قوموں سے میں اس وقت بحث کرنا نہیں چاہتا اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ مغربیت کے وہ اثرات تمام افراد میں یکساں ظاہر نہیں ہوئے بلکہ ان کا ظہور مختلف نوعیتوں سے ہوا۔ بعض افراد مغربیت زدہ ہو کر لادینی کا شکار ہو گئے۔ بعض اخلاقی طور پر متاثر ہوئے۔ کچھ لوگ مذہبیت کے دائرہ میں رہتے ہوئے مغربیت کے اس طوفان میں اپنے جذبات کی قوتیں کھو بیٹھے اور ان کی طبیعتوں پر جمود و خمود طاری ہو گیا۔ بعض طبیعتیں ذہنی طور پر اس طرح متاثر ہوئیں کہ ان کے خالص اسلامی نظریات میں مغربیت کا رنگ پیدا ہو گیا اور ان کے علاوہ ایسے لوگ بھی رہے جن کی پاک طبیعتوں پر اس طوفان کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ تاریکی کے اس دور میں بھی آسمان ہدایت کے تارے بن کر چمکتے رہے۔

انگریز کے دور حکومت کی خصوصیات پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔ صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ غیر ممالک میں آ کر اس کے باشندوں کو اپنے سانچے میں ڈھال لینا ان کی فطری صلاحیت اور قدیم ذہنیت پر چھاپہ مار کر ڈیڑھ سو برس تک اپنی غلامی کی زنجیروں میں باندھے رکھنا اور جانے وقت غیر شعوری طور پر مفلوج کر جانا انگریز کے دور حکومت کی وہ خصوصیت ہے جس کی مثال بمشکل ہی ملے گی۔

غلامی اور محکومیت کی قید سے نکلنے کی طاقت کسی میں ہو یا نہ ہو مگر چونکہ وہ ایک غیر فطری چیز ہے اس لئے اس کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات کا ہر محکوم اور غلام کے دل میں پایا جانا لازمی امر ہے۔

اس اصول کے ماتحت ہندوستان کے باشندوں نے بھی انگریزوں کی قید غلامی سے نکلنے اور آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ہر

ایک کی جدوجہد اس کے نظریہ کے مطابق تھی۔ وطن پرستوں نے آزادی کی جدوجہد وطن کے لئے کی اور خدا پرستوں نے خدا کے لئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جن لوگوں کا مطمح نظر مال و منال اور حصولِ اقتدار تھا انہوں نے اپنے اسی مقصد کو سامنے رکھ کر آزادی کے لئے حرکت شروع کی۔ گویا سفر سب کا ایک تھا مگر منزل مقصود ہر ایک کی جداگانہ۔

آزادی کا مفہوم تو یہ ہی تھا کہ ہمارے جائز اور فطری تقاضے بلا تکلف پورے ہوتے رہیں مگر چونکہ خلل پنا پر حراج انسانیت کے لئے ناجائز امور کا جائز اور غیر فطری تقاضوں کا فطری قرار پا جانا واقعی محلِ تعجب نہیں اس لئے اگر غیر معتدل اور خبط حراج رکھے والے انسانی افراد سبھی بیکہ اور حیوانی جذبات و خواہشات کو اپنی طبیعتِ عامیہ بنا لیں اور انہیں کے بلا تکلف پورا ہونے کے لئے سر توڑ کوششوں کا نام حصولِ آزادی کی جدوجہد رکھ لیں تو کچھ بعید نہیں۔

اس حقیقت کے سمجھ لینے کے بعد ہمیں اس بات پر ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ ہندوستان کے رہنے والے انسانوں بلکہ بعض مسلمانوں نے بھی انگریزوں کی غلامی سے نکلنے کے لئے جو کوشش کی اس میں للہیت اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے بجائے وطن پرستی اور حصولِ جاہ و اقتدار کا جذبہ کیوں پایا گیا؟

مختصر یہ کہ غلامی کی قید و بند سے نکلنے کے لئے سب نے ہاتھ پاؤں مارے۔ ایک دوسرے سے مختلف نظریات و جداگانہ مقاصد اپنے ذہنوں میں لئے ہوئے حصولِ آزادی کی راہ میں علمِ آزادی لہراتے اور انقلابِ زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے دوش بدوش چلتے رہے۔ کوئی حصولِ پاکستان کا نعرہ لگاتا اور کوئی اکھنڈ بھارت کا۔ کوی کہتا کہ میں پہلے ہندوستانی ہوں، اس کے بعد ہندو یا مسلمان۔ کوئی کہتا ہے کہ میں پہلے مسلمان ہوں اس کے بعد ہندوستانی۔ بالآخر یہ نظریاتی اختلاف رنگ لایا۔ اکھنڈ کا پا کھنڈ ہو گیا اور وطن پرستوں نے اسی کو اپنا غایت و مقصود سمجھ کر غنیمت جانا اور پاکستان کا مطالبہ کرنے والوں نے بھی اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیا۔

اس مختصر مقالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ میں ان خونی واقعات کی تفصیل بیان کروں جو تقسیم ملک کے ضمن میں ظہور پذیر ہوئے۔ دنیا کی تاریخ اس خونی انقلاب کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے جس میں کسی قوم کے لاکھوں افراد بغیر کسی جرم کے بیک وقت انتہائی بے رحمی، سفاکی اور بے دردی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے ہوں اور ہزاروں بے گناہ معصوم بچوں کو خونخواری اور درندگی کے ساتھ موت کے گھٹ اتارا گیا ہو۔ بے قصور پاکدامن عورتوں کی عصمت و عفت برباد کر کے انہیں ایسے بھیانک، خوفناک اور ناقابلِ تصور طریقوں سے قتل کیا ہو کہ جو انسانیت کیا حیوانیت کے لئے بھی باعثِ تنگ و عار ہوں۔ لاکھوں انسانوں کا تباہ و برباد ہو کر بے کسی اور مظلومیت کے حال میں ترکِ وطن کرنا وحشت و بربریت، خونخواری و درندگی کی تاریخ میں وہ پہلا واقعہ ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

نیز سب دست میں اس بحث میں بھی نہیں پڑنا چاہتا کہ قیامِ پاکستان کی راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔ ہاں، اتنا ضرور عرض کروں گا کہ تیس کروڑ ہندوؤں کی مخالفت قیامِ پاکستان کی راہ میں حائل نہ ہو سکی لیکن مسلمان کہلانے والی مٹھی بھر جماعت نے ہندوؤں کا ساتھ دے کر پاکستان کو وہ نقصان پہنچایا جس کو صدیوں تک ہماری نسلیں نہیں بھول سکتیں۔

باقی تمام تفصیلات سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف مسئلہ کشمیر کو سامنے رکھ لینے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اگر شیخ عبداللہ، غلام محمد بخشی اور ان ہی جیسے اللہ اکبر کے نعروں سے گھبرا کر بندے ماترم کے گیت گانے والے ہندوؤں کے نمک خوار بھارتی ایجنٹ ملت اسلامیہ کے ساتھ غداری نہ کرتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ آج وادی کشمیر کے کسی گوشہ میں کوئی مسلمان ہندوؤں کا غلام ہوتا۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نام
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

حصول آزادی کے بعد اس کی بقا کے لئے ملکی استحکام کا مرحلہ سامنے آتا ہے جس کے ضمن میں سب سے پہلا نمبر ملک کا دستور و آئین ہے۔

دستور پاکستان

دستور کیا ہے؟ ایسے قواعد و اصول کا نام ہے جنہیں منتشر اور غیر منضبط امور کو مجتمع اور منظم کرنے کے لئے بنایا جائے اور وہ اصول ان تمام افراد و جزئیات کو حاوی ہوں جن کے لئے ان کو وضع کیا گیا ہے۔

کسی ملک کا دستور وہی ہو سکتا ہے جو اس سے متعلق تمام اندرونی و بیرونی معاملات و امور کو حاوی ہو۔ ملکی قوت و استحکام کا دار و مدار قانون کی طاقت پر ہوتا ہے۔ کسی ملک میں کوئی قانون اس وقت تک کوئی قوت نہیں پکڑ سکتا جب تک کہ وہ رفتار زمانہ اور ملکی ماحول کے مطابق ہوتے ہوئے عام باشندوں کے حسب حال نہ ہو۔

حکومت کی گرفت قانون کے ذریعہ ہوتی ہے اس لئے قانون کا ناقص اور ضعیف ہونا حکومت کی گرفت کو ڈھیلہ کر دے گا اور ملک میں لا قانونیت پھیل جائے گی۔

اس میں شک نہیں کہ لادینی یا بد مذہبی کی بنیادوں پر بنایا ہوا دستور ہر حال میں خطرناک اور مضر ہی ہوتا ہے مگر خصوصیت کے ساتھ ایسی ملکی حکومت میں جہاں جمہوری اقتدار کسی اقلیت کے زیر اثر نہ ہو اور وہاں کے جمہور باشندے پاکیزہ مذہبی معاشرہ رکھتے ہوں۔ لادینی قانون نافذ کرنا ملک اور حکومت دونوں کو تباہی اور بربادی کے گڑھے میں ڈال دینے کے مترادف ہوگا۔

اور اگر جبر و تشدد سے کام لے کر لادینی دستور لوگوں پر مسلط کر دیا جائے تو اس کے خوفناک نتائج کا خطرہ ہر وقت محسوس ہوتا رہے گا جس کا دور ہونا سوائے مذہبی دستور نافذ ہونے کے کسی طرح ممکن نہیں۔

کسی ملک کا دستور اس کی تعمیر کا پہلا مرحلہ ہے لہذا نفاذ دستور سے پہلے ان مقاصد و نظریات کو سامنے رکھنا اشد ضروری ہے جو حصول آزادی اور قیام ملک کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ یہ اقدام بالکل ایسا ہوگا کہ گویا کسی معمار نے اصل بنیاد سے ہٹ کر تعمیر شروع کر دی۔

اس لئے ضرورت ہے کہ ہم دستور سے پہلے قیام پاکستان کے بنیادی مقصد کو وضاحت کے ساتھ سامنے لے آئیں۔

قیام پاکستان کا سنگ تائیس مسلمانوں کے وجود کا تصور ہے یعنی اگر ہندوستان میں مسلمان قوم کا کہیں وجود ہے تو اس کے آزاد وجود کے لئے پاکستان کا ہونا لازمی ہے اور اگر سرے سے اس کے وجود ہی کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر واقعی پاکستان کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر الحمد للہ مملکت خداداد پاکستان کے قیام نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا کہ مسلمان قوم ایشیا کے اس براعظم میں موجود ہے اور دشمنوں کے سینوں پر مونگ دلنے کے لئے ان شاء اللہ موجود رہے گی۔

مختصر یہ ہے کہ پاکستان کے اس بنیادی نکتہ کے پیش نظر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمان کے لئے پاکستان اور پاکستان کے لئے مسلمان کا وجود لازم ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی بنیادی نکتہ کے پیش نظر جس بلند شخصیت نے جمہوریت مسلمہ کو مطالبہ پاکستان پر متفق کر کے قیادت کی باگ ڈور سنبھالی اور یقین محکم کے ساتھ جنگ آزادی لڑی۔ ہندو اور انگریز دونوں کو پسپا کیا اور بالآخر کامیابی نے اس کے قدم چومے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مخلصانہ جدوجہد کو قیام پاکستان کی صورت میں کامیاب فرمایا۔ ہم کیا، ہماری نسلیں بھی اس کے احسان کو فراموش نہیں کر سکتیں۔

میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ قائد اعظم مرحوم کے ذہن میں اس بنیادی نکتہ کی وہی تشریح تھی جس کو پہلے دن سے جمہوریت مسلمہ پیش کر رہی ہے یعنی ہماری قومیت عین اسلام ہے اور اسلام عین قومیت۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ پاکستان کی بنیاد صرف اسلام ہے اور اس کا خالص نظام۔

اگر قائد اعظم مرحوم آج دنیا میں موجود ہوتے تو اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے مطالبہ پاکستان پر ساری قوم کو اسلام ہی کے نام پر متفق کیا تھا اور قائد ملت مرحوم کی زندگی میں ۲۱ ستمبر ۱۹۴۹ء کو سابق مجلس دستور ساز پاکستان نے قرارداد مقاصد کو منظور کر کے میرے اس دعویٰ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

ان چمکتی ہوئی دلیلوں اور ناقابل انکار حقیقتوں کی روشنی میں قوم کا یہ مطالبہ بالکل صحیح و درست ہے کہ دستور پاکستان وہی ہونا چاہئے جو کتاب و سنت کی رو سے خالص اسلامی دستور ہو۔

پاکستان کے باشندے اور دستور

پاکستان کی غیر مسلم اقلیتیں اگر اسلامی دستور سے متفق نہ ہوں تو حجب کا مقام نہیں مگر انتہائی حیرت ان لوگوں پر ہے جو مسلمان کہلانے کے باوجود اسلامی دستور کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

پاکستانی مسلمانوں میں ایک گروہ وہ ہے جو محض نام کا مسلمان ہے۔ اسے اسلام و اسلامیات سے کوئی تعلق نہیں۔ حتیٰ کہ وہ اسلامی دستور کا لفظ تک سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اسلامی دستور کے الفاظ سے تو نہیں جڑتا لیکن اس کے معنی کا تو اس کے لئے سوہانِ روح ہے۔ تیسرا گروہ اسلامی دستور کا حامی ہے اور صرف کتاب و سنت کی روشنی میں تدوین دستور کا مطالبہ کر رہا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ اربعہ کے اصول کی پابندی کو قطعاً ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اپنے اجتہاد اور ذاتی بصیرت پر اعتماد رکھتے ہیں۔ چوتھا گروہ

جمہور مسلمانوں کا ہے جو کتاب و سنت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ائمہ مجتہدین کے اصول اجتہاد یہ کی روشنی کو ضروری سمجھتا ہے۔

پہلا گروہ دوسرے سے اسلامی دستور کا لفظ ہی نہیں سننا چاہتا۔ البتہ دوسرا گروہ اسی فکر میں ہے کہ اگر بحالت مجبوری ملکی دستور کا نام اسلامی دستور رکھنا پڑے تو اسلام کے نام سے غیر اسلامی دستور مرتب کر کے نافذ کر دیا جائے۔ گویا دونوں گروہ اسلامی دستور کی مخالفت میں متفق ہیں۔

پہلے گروہ سے دوسرا گروہ زیادہ خطرناک ہے اس لئے کہ وہ قرآن اور اسلام کا نام لے کر حق کے لباس میں باطل کو پیش کرنے کا پرانا مشاق ہے۔

اسی گروہ کا دعویٰ یہ ہے کہ (معاذ اللہ) احادیث کا ذخیرہ مجموعہ خرافات ہے اس لئے ہم قرآن کے سوا کسی چیز کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اگرچہ اس دعویٰ میں قرآن کو ماننے کا ذکر ہے مگر ادنیٰ تا مل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن کو ماننے کا یہ دعویٰ بالکل بے حقیقت ہے اس لئے کہ جب قرآن کی صحیح تفسیر صرف احادیث نبویہ ہیں تو ان کا انکار یقیناً قرآن کریم کے مرادی معنی کا انکار ہے۔ لہذا واضح ہو گیا کہ اسلامی دستور کے متعلق ہر دو گروہ کا نظریہ درحقیقت ایک ہے۔

اس مختصر مضمون میں ان دونوں گروہوں کے نظریات پر تفصیلی گفتگو نہیں کی جاسکتی اس لئے اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ان کے نظریات چونکہ ہمارے ملک کے جمہور باشندوں اور حصول آزادی کے بنیادی اصول و مقاصد کے قطعاً منافی ہیں اس لئے ملکی تعمیر کے کسی گوشہ میں اصولی طور پر ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

پاکستان کی ذی اقتدار جماعت بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتی ہے کہ ہمارے ملک میں ایسا کوئی قانون نہیں چل سکتا جو حصول آزادی اور قیام پاکستان کے بنیادی اصول کے خلاف ہو۔ اسی لئے ہمارے ملک کی سب سے بڑی ذمہ دار جماعت سابق مجلس دستور ساز پاکستان نے قرآن پاک اور سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف قانون سازی کا سد باب کرنے کے لئے قرارداد مقاصد کا یہ ضابطہ منظور کیا کہ ”کسی مجلس قانون ساز کو قرآن پاک اور سنت رسول کے خلاف قانون سازی نہ کرنی چاہئے۔“

اب تیسرے گروپ کو لے لیجئے۔ وہ اس بات میں تو جمہور مسلمانوں سے متفق ہے کہ دستور اسلامی قرآن و حدیث کے مطابق ہونا چاہئے۔ مگر اس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لئے ائمہ مجتہدین کے اصول اجتہاد یہ کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کا مسلک یہ ہے کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لئے ائمہ مجتہدین کے اصول اجتہاد یہ کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کا مسلک یہ ہے کہ قرآن و حدیث کو براہ راست سمجھنا چاہئے۔ محض وہ اجتہادی بصیرت جو پہلے کے مجتہدین اور ائمہ میں پائی جاتی ہے اس وقت کے کام سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کافی نہیں۔ اس بنا پر اس گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ اس وقت کے حالات میں شاہراہ عمل تعمیر کرنے کے لئے ایسی مستقل قوت اجتہاد بیدار ہے جو مجتہدین سلف میں سے کسی ایک کے علوم و منہاج کی پابند نہ ہو۔

ایک صحیح اسلامی ریاست کسی متعین امام کی تقلید اور متعین فقہ کی پیروی کے اصول پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ لازم ہے کہ اس کی بنیاد براہ

راست کتاب و سنت اور اجتہاد و شوریٰ پر ہو اور وہ تمام اجتہادی امور کسی تحقیق و ترجیح کے بغیر مختلف ائمہ کے اجتہادات پر نظر ڈال کر اپنے لئے ان اقوال و آراء کا انتخاب کرے جو اس کی نظر میں کتاب و سنت اور روح اسلامی سے قریب تر نظر آئیں۔

ایک صحیح اسلامی ریاست کی تو عین مصلحت اور خواہش یہ ہوگی کہ لوگ فکر و اجتہاد سے کام لیں اور تقلید کی بندشوں سے آزاد ہوں اور اگر کوئی اس کی خواہش کے خلاف تقلید کی بندشوں ہی میں جکڑے رہنا پسند کرے تو حکومت کو اس میں بھی خلل انداز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن اس شخص کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ حکومت سے بھی مطالبہ کرے کہ حکومت بھی اس کی طرح اپنے پاؤں میں تقلید کی بیڑیاں پہن لے اور فکر و اجتہاد سے مستعفی ہو جائے۔

اس لئے یہ گروہ دستور اسلامی کے ساتھ حنفی کی قید نہیں لگانا چاہتا تا کہ نیا اجتہاد کرنے اور ہر مسلک خیال کے حسب پسند مسائل مستنبط کرنے کا دروازہ کھلا رہے اور کسی خاص مسلک (مثلاً حنفی) کی پابندی لازم نہ آجائے۔

لیکن اس کے برعکس جمہور مسلمانوں کا مسلک یہ کہ جب ہمارے ملک میں حنفی المذہب مسلمانوں کی اکثریت عظیمہ ہے تو دستور اسلامی میں حنفی کی قید لگانا ضروری ہے تا کہ لفظ دستور اسلامی جو ایک جنس عام ہے اور دستور اسلامی شیعہ، دستور اسلامی شافعی وغیرہ سب کو شامل ہے۔ حنفی کی فصل سے خاص اور ممتاز ہو جائے۔

اس لئے کہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اسلامی قانون کی اساس و بنیاد کتاب و سنت ہی ہے اور اس میں تمام قوانین شخصی و منزلی و ملکی کا خزانہ موجود ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کتاب اللہ کے مجمل و ذو وجہ ہونے اور احادیث نبویہ کے وسیع اور کثیر ہونے اور انسانی عقول کے متفاوت ہونے کی بنا پر کتاب و سنت کو مختلف نقطہ ہائے نظر سے سوچا گیا ہے اور استنباط مسائل میں استدلال کے مختلف طریقے اور اصول و منہاج استعمال کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے مسائل اجتہاد یہ (فرعیہ) میں لازمی طور پر اختلاف رہنا ہوا اور مختلف اصول و منہاج سامنے آ گئے۔ چنانچہ واقعاتی دنیا کے اس نا پذیر واقعہ کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ خیر القرون ہی میں خصوصاً ۸۰ھ سے لے کر ۲۲۱ھ (از ولادت امام اعظم ابو حنیفہ تا وفات امام احمد بن حنبل) جمہور اسلامی فرقوں مثلاً حنفی، مالکی، شافعی وغیرہ کے ائمہ و مجتہدین نے کتاب و سنت پر مختلف زاویہ ہائے نظر اور طرق استدلال سے مختلف احکام جزئیہ نکالے اور مختلف اصول و منہاج بنائے جس کے نتیجے میں اہل سنت کے نزدیک کتاب و سنت کی کم از کم چار قسم کی مختلف تعبیرات و تشریحات کے چار مجموعے علیحدہ علیحدہ مرتب ہوئے جو مختلف جزئیہ اور متعدد اصول و منہاج پر مشتمل ہیں۔ یہی چار مجموعے اپنی متعینہ یکجائی اور ہمرنگ شکل میں فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی کہلائے اور تیسری صدی کے فوراً ہی بعد سے جمہور امت کا اجماع ہو گیا کہ ان ہی مسلک اربعہ میں سے کسی ایک مخصوص مسلک و تلقین فقہ پر یکجائی شکل میں عمل کرنا چاہئے تا کہ ایک طرف خیر القرون میں حراج شناسان نبوت کے ہاتھوں تیار شدہ ان مجموعوں کے ہوتے ہوئے آنے والے دور تنزل و انحطاط میں کم نظر اور ناقص الفہم مدعیان اجتہاد کے حوصلے بے لگام نہ ہونے پائیں اور دوسری طرف امت مسلمہ ان چار مرکزوں میں سے کسی ایک متعین مرکز پر قائم رہ کر مذہبی فکر و عمل کی شیرازہ بندی ضبط ملت اور

وحدت کلمہ کی شان پیدا کرتی رہے اور ان مرتبط مجموعوں کے تمام اجزاء اور ان کے طبعی نظام کو اقتدار پسندی اور وجاہت طلبی کا دستِ ظلم گھٹانے بڑھانے پر پراگندہ اور منتشر کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔

یہ مجموعہ ہائے قوانین کتاب و سنت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ جس طرح سنت کتاب کا عطر ہے، بالکل اسی طرح فقہ ائمہ اربعہ کا یہ مجموعہ سنت کا ثمرہ یعنی کتاب و سنت دونوں کا خلاصہ اور ایسے فلاسفہ اسلام دماغوں کا نکالا ہوا لب لباب ہے جس کو قرب زمانہ رسالت اور غایت تقویٰ و طہارت اور کمال نور فراست کی وجہ سے اس کا زیادہ حق حاصل تھا۔ ان مجموعہ ہائے قوانین میں عباداتی معاملاتی ملکی غرض ہر قسم کے احکام جزئیہ ہیں جن کی روشنی میں ہر پیش آمدہ جدید سے جدید اور غریب سے غریب مسئلہ کا حکم کتاب و سنت سے مستنبط کر لیا جاتا ہے۔ اندرونی اختلاف اقوال کی صورت میں قول مفتی بہ قول ظاہر الروایۃ تلاش کر لیا جاتا ہے۔

یہی ہے وہ مقید اور غیر مستقل اجتہاد جس کا دروازہ امت مسلمہ پر کبھی بند ہوا اور نہ آئندہ بند ہوگا۔ ہاں جدید مستقل اور اجتہاد مطلق کا دروازہ کھول کر فقہ متعین اور اصول و منہاج ائمہ سے مستغنی و بے نیاز ہو جانا یقیناً مذہب میں انتشار و پراگندگی پیدا کرنے کے مترادف ہوگا۔ یہ مجموعہ ہائے قوانین ایک ایسا بیش قیمت سرمایہ اور نسخہ ہائے حیات ہیں کہ اگر ہم نے نئے اجتہاد کے شوق میں ان کو بالکل نظر انداز کر دیا تو ہمارا یہ طرزِ عمل ساری قوم بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والی نسلوں کے لئے بھی بڑی بد قسمتی کا موجب ہوگا اور اتنا بڑا قومی و مذہبی نقصان ہوگا جس کا تذکرہ آئندہ رہتی دنیا تک محال نظر آتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر ان میں کسی قسم کی کمی بیشی رد و بدل اور تغیر و تبدل سے کام لے کر ان کی مجموعی حیثیت اور ہیئت کدائیہ کو بدل دیا گیا تو گویا کسی ایسے نسخے کو استعمال ہی نہیں کیا گیا جس کے تمام اجزاء کی ترکیب خصوصی سے اس نسخہ کا حراج تیار ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی مرکب نسخہ کا حراج ہی باقی نہ رہے تو وہ کسی مرض کے لئے کس حد تک مفید ہو سکتا ہے اور اس کے دینے سے کیا فائدہ؟

اس دور پر آشوب میں مدعیان اجتہاد کا ضعیف وریک تاویلات کے پیش نظر کتاب و سنت کو براہِ راست سمجھنے کی کوشش کرنا اور ائمہ سلف کے اصول اجتہاد یہ کی قید سے مطلق العنان ہو جانا فقہ انکار حدیث کو ہوا دینے اور منکرین حدیث کو قوت پہنچانے کے مترادف ہے اس لئے کہ ائمہ سلف کے اصول و منہاج کی پابندی سے بچنے کے لئے جو اعذار بارہ ان لوگوں کی طرف پیش کئے جاتے ہیں اسی قسم کی کمزور دلیلیں منکرین حدیث پیش کیا کرتے ہیں مثلاً یہ حضرات اقوال فقہاء کے ضعف و اختلاف کی آڑ لیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل منکرین حدیث اختلاف روایات اور ضعف احادیث کا عذر بیان کرتے ہیں۔

مدعیان اجتہاد کسی ایک مجتہد کے اصول و منہاج کی پابندی کو فکر و نظر کے منافی جانتے ہیں اور منکرین حدیث اتباع سنت کو پرانی روایات کی کورانہ تقلید اور نقد و نظر کے خلاف سمجھتے ہیں۔

نئے مجتہد ائمہ سلف کے اصول کی پابندی کو تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں اور منکرین حدیث سنت نبوی کی پیروی کو کوتاہ بینی قرار دیتے ہیں۔

جس طرح منکرین حدیث نے حدود سنت سے متجاوز ہو کر مضامین قرآنیہ میں ہر قسم کی تاویل و تحریف کا دروازہ کھول دیا، بالکل اسی طرح منہاج سلف سے عدول کرنے والوں نے نہ صرف فقہ ائمہ بلکہ کتاب و سنت کو بھی خواہشات و اغراض نفسانیہ کے سانچے میں ڈھالنے کا راستہ صاف کر دیا۔

لہذا جمہور مسلمین کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح کتاب و سنت کی موجودگی میں کسی شخص کو وضع قانون کا حق نہیں پہنچتا اسی طرح کتاب و سنت کی ان ٹکسالی اجماعی تعبیرات و تشریحات اربعہ کی موجودگی میں کسی شخص کو یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ وہ نبض شناسان کا رنوت ائمہ متقدمین و سلف مجتہدین کی دماغی عرق ریزیوں اور نکتہ بنجیوں کے ذریعے طعن کتاب و سنت سے نکالے ہوئے ان درہائے شاہوار سے نظر پھیر لے یا خفیوں کی کثرت عظیمہ والے ملک میں اس مجموعہ قانون کو پس پشت ڈال دے یا حسب پسند خود اس میں کانٹ چھانٹ کرے۔ جو بصورت فقہ حنفی اور دستور حنفی کی ایک منظم و مرتبط شکل میں موجود ہے جو بارہ سو برس سے کروڑ ہا سلف صالحین کی حسین تائید سے مؤید اور برکت اتفاق سے ترمک ہو چکا ہے جو تقید و تخصیص کے مراحل سے گزر چکا ہے۔ جو کتاب و سنت یعنی دلیل نقل اور طریق نظر یعنی دلیل عقل دونوں کے عین مطابق ہے۔ جس میں بڑھتے ہوئے تمدن و تہذیب کے لئے پوری گنجائش موجود ہے جس کا قانون ملکی نرم و سوج آسانی اور بہل العمل ہے جس نے مطیع غیر مسلموں کو نہایت فیاضانہ حقوق بخشے ہیں جس نے غیر مسلموں کو وہ حقوق دیئے ہیں جو ملکی گورنمنٹ نے کسی غیر قوم کو نہیں دیئے جو اس حد تک صائب الرائے ہے جس حد تک سی قانون اور فقہ کا صائب الرائے ہونا ممکن ہے۔

ایسے مجموعہ قوانین کو اس کے ماننے والوں کی اکثریت عظیمہ والے ملک میں نہ پس پشت ڈالا جاسکتا ہے اور نہ اجتہاد خام کی خود پسندی کو دخل دے کر اس کا کچھ حصہ لے کر اور کچھ چھوڑ کر اس کے نظم ارتباطی کو فنا کیا جاسکتا ہے۔ اسے نافذ کر دینے کی دیر ہے نہ کہ مستقل قوت اجتہاد یہ والے عنقا کے پیچھے دوڑنے کی نہ ہر جاتی پن کے میدان تیرے میں سرگرداں رہنے کی نہ زردادن اور در دسر خریدن کی جدید دور کے نئے مجتہدوں کا یہ کہنا بھی عجیب قسم کی ابلہ فریبی ہے کہ ایک اسلامی ریاست کی خواہش تو یہی ہوگی کہ لوگ جدید فکر و اجتہاد سے کام لے کر تقلید کی پرانی بندشوں سے آزاد ہوں اور اگر کوئی شخص تقلید کی قید میں مقید رہنا چاہے، شوق سے رہے۔ حکومت کو بھی بلا وجہ اس میں خلل انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔ مگر اس شخص کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ حکومت سے یہ مطالبہ کرے کہ حکومت بھی اس کی طرح تقلید کی پیڑیاں پہن کر فکر و اجتہاد سے استعفیٰ دے دے۔

میں ان مدعیان اجتہاد سے پوچھتا ہوں کہ منکرین سنت کو آپ کیا جواب دیں گے۔ اگر وہ بیعتہ آپ کی اسی دلیل کو آپ کے سامنے رکھیں اور کہیں کہ ایک صحیح اسلامی ریاست کی تو عین مصلحت اور خواہش یہ ہوگی کہ لوگ کتاب اللہ کے وسیع اور لاتناہی علوم و معارف کو سمجھنے کے لئے اپنے فکر و اجتہاد سے کام لیں۔ گزشتہ اور پرانی روایات کی تقلید اور عہد رسالت سے صدیوں بعد جمع شدہ ذخیرہ احادیث کی بندشوں سے نجات حاصل کریں اور اگر کوئی شخص روایات کی دنیا میں گم رہنے اور ان کی بندشوں کو اپنے اوپر مسلط رکھے گا خواہش مند ہو تو اسے اختیار ہے۔ حکومت کو بھی خواہ مخواہ اس کے معاملہ میں مغل ہونے کی حاجت نہیں۔ مگر اس کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ حکومت

سے یہ مطالبہ کرے کہ حکومت بھی اس روایتی قید و بند میں مبتلا ہو کر عقل و فراست اور فہم و درایت سے مستعفی ہو جائے۔

منکرین حدیث کے جواب میں آپ جو کچھ فرمائیں گے، جمہور مسلمین کی طرف سے اپنے لئے بھی وہی سمجھ لیجئے۔

اس کے بعد مجتہدینِ حال کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے عرض کرتا ہوں کہ صحیح اسلامی ریاست کی یہ شان نہیں ہو سکتی کہ وہ کتاب و سنت کی ان صحیح تعبیرات و تشریحات کو پس پشت ڈال دے جو رسول اللہ ﷺ نے نورِ نبوت کی روشنی میں اپنے اقوال و اعمالِ مقدسہ کے ذریعہ بیان فرمائیں اور کامل نورِ بصیرت و نورِ فراست رکھنے والے ائمہ سلف نے امتِ مسلمہ کے سامنے رکھیں۔

سنتِ نبوی کتاب اللہ کی صحیح تفسیر ہے اور فقہ ائمہ کتاب و سنت کی بہترین تفسیر، اس لئے ہر صحیح اسلامی ریاست کیلئے ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنت اور فقہ ائمہ کی قید سے آزاد ہونے کے بجائے ریاستی امور میں اس متعین امام کی تقلید اور اس متعین فقہ کی پابند ہو جو اس اسلامی ریاست کے جمہور باشندوں کی اکثریتِ عظیمہ کا مسلک ہے تاکہ جمہورِ عوام کے مذہبی رجحانات اور ریاستی امور میں تضام واقع نہ ہو۔

آدم برسرِ مطلب مجھے یہ عرص کرنا تھا کہ مسلمانوں کا چوتھا گروہ جمہوریتِ مسلمہ ہے جس کا بنیادی مطلب یہ ہے کہ دستورِ پاکستان خالص اسلامی دستور ہونا چاہئے مگر اس کے ساتھ ”حنفی“ کی قید لگنا ضروری ہے کیونکہ پاکستان کے رہنے والے جمہور مسلمان حنفی ائمہ ہب ہیں اور مذہب حنفی اپنی وسعت اور جامعیت کے لحاظ سے ہر طبقہ کے انسانوں کی تمام ملکی ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب اور بے حد موزوں واقع ہوا ہے۔

بالخصوص بڑھتے ہوئے تمدن کے ساتھ اس کو بڑی مناسبت ہے۔ چنانچہ دنیا کی بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتوں میں یہی مسلک قانونِ سلطنت رہا اور سینکڑوں برس تک یہی قانونِ حنفی جاری رہا۔

انگریزی اقتدار قائم ہونے کے بعد ایک مدت تک ہندوستان میں یہی فقہ حنفی رائج رہی۔ عدالتوں میں حنفی قاضی انصاف کے لئے بیٹھتے تھے اور حنفی قانون صرف پرسل لاء تک محدود نہ تھا بلکہ وہی ملکی قانون بھی تھا۔

ماضی قریب تک بعض ریاستوں کی اکثر عدالتیں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے دیتی رہیں۔ حتیٰ کہ اس وقت عدالتوں اور ادارہ جاتِ نظم و نسق میں اسی فقہ حنفی کے ملکی قانون کی بے شمار اصطلاحیں ہندو پاکستان میں رائج ہیں۔

عنانِ حکومت جن ہاتھوں میں رہی اور جن خاندانوں کو عروجِ سلطنت نصیب ہوا ان میں اکثر و بیشتر فقہ حنفی کے پابند تھے۔ خاندانِ سلجوق، سلاطینِ ترکی، محمود غزنوی، نور الدین زنگی وغیرہ سب حنفی قانون اور فقہ کے پابند و پیرو تھے۔ ترکیہ میں چھ سات سو سال یہی قانون حنفی جاری رہا۔ خلافتِ عباسیہ کے مابینہ ناز اور چشم و چراغِ خلیفہ ہارون الرشید کی وسیع سلطنت ان ہی اصول پر قائم رہی اس کی عالمگیر حدود و مملکت میں فقہ حنفی کے اقوام ثانی اور امام دوم امام ابو یوسف رحمہ اللہ چیف جسٹس رہے۔

مقصد یہ ہے کہ حنفی قانون بے شمار اسلامی سلطنتوں کا ملکی قانون رہنے کی بنا پر اتنا مکمل اور جامع ہو گیا ہے کہ اب اس کو بلا تامل کسی اسلام ریاست کا ملکی قانون قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس زمانہ میں بہت سے نئے مسائل زندگی پیدا ہو گئے ہیں لیکن انہیں حل

کرنے کے لئے امام اعظم کے کامل اصول اجتہاد کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی مدعی اجتہاد کی مسلسل قوت اجتہاد یہ درکار نہیں۔

اس دور جمہوریت میں جمہوری اصول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مسلک جمہور کے مطابق ملکی قانون ”دستور اسلامی حنفی“ بنایا جائے۔ البتہ دوسرے تمام اسلامی فرقوں کو پرسنل لاء میں اپنے مذہب کے مطابق عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی ہوگی۔ ان کے تمام مذہبی معاملات میں ان ہی کے مفتیان کرام کے فتاویٰ کو نافذ کیا جائے گا۔

دستور اسلامی کے ساتھ حنفی کی قید لگنے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ قرآن وحدیث کی غلط تفسیر و تشریح کر کے لادینی اور بد مذہبی کو دستور میں شامل کرنے کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا۔

لہذا میں مجلس دستور ساز پاکستان سے پر زور مطالبہ کرتا ہوں کہ ملک میں جلد از جلد ”دستور اسلامی حنفی“ نافذ کیا جائے۔ اس کے خلاف کوئی قانون جمہوریت مسلمہ کے لئے قابل برداشت نہ ہوگا۔

جمعیت علماء پاکستان

مکتوب خصوصی

جمعیت علماء پاکستان کا قیام حضرت علامہ کاظمی شاہ صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام حضرت علامہ کاظمی شاہ صاحب کا خط (ملاحظہ ہو)

سیدی و مولائی مستشر العلماء المشائخ الاعلام! ادامکم اللہ بالعز والاکرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ امر آپ جیسے اہل بصیرت حضرات سے مخفی نہیں کہ اس دور پر آشوب کے حالات و واقعات امت مسلمہ کے لئے خطرناک سے خطرناک تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہر ایک قوم و جماعت ان ہولناکیوں کو محسوس کرتے ہوئے ان سے تحفظ اور اپنی باعزت بقا کی کوششوں میں سر دھڑ کی بازی لگا رہی ہے لیکن ہم اہل سنت نے ایسے حالات کی نزاکت کا احساس نہ کبھی پہلے ہی کیا اور نہ آج اس کی طرف ہماری توجہ ہے۔ دنیا کے گوشہ گوشہ میں بیداری کی لہر دوڑ گئی مگر ہم ویسے ہی خواب غفلت میں مدہوش ہیں۔ سوء اتفاق سے اگر کبھی مجتمع ہوئے بھی تو متفرق ہونے کے لئے ملے تو جدا ہونے کے واسطے! اس کے برعکس اغیار نے ہمیشہ موقع شناسی سے کام لیا۔ حالات کی رفتار کا گہری نظر سے اندازہ کیا اور جو قدم اٹھایا بر محل اور مقتضائے حال کے مطابق اٹھایا۔ چنانچہ ان کی وہ مشہور شخصیتیں اور جماعتیں جو اب سے قریب دو سال قبل تک نظریہ پاکستان اور اس کے قیام کی شدید ترین مخالفت کرتی رہیں اور آج قیام پاکستان کے بعد بھی ان جماعتوں کے بیشتر افراد پاکستان کی مخالفت ہی کئے جاتے ہیں، بائیں ہمہ ان کی دور بینی پالیسی اور موقع شناسی برابر کار فرما ہے۔ جب

انہیں قیام پاکستان کا یقین ہو چلا تو انہوں نے حیرت انگیز طور پر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی اور کچھ ایسا سوخ پیدا کیا کہ ان کا ایک فرد ایک ہی جہت میں منصب دستور پر فائز المرام ہو کر پاکستان کی اسمبلی پر بھی چھا گیا۔ دوسری طرف انہی جماعتوں کی پیش بینی کے ماتحت تحفظ و دفاع پاکستان اور اس کی حمایت کا ریزولیشن پاس کر کے اعلان کر دیا کہ ہمارے سابقہ اختلافات ختم ہو گئے۔ اب ہم جماعتی طور پر پاکستان کی پوری حمایت اور اس کے واسطے ہر ممکن قربانی کریں گے اور اس طرح یہ لوگ حکومت پاکستان کی نظر میں سرمہ چشم بن کر سما گئے اور اب پاکستان میں آئین شریعہ کے نفاذ کے مطالبہ کی آوازیں بلند کر کے عامۃ المسلمین سے بھی خراج تحسین و عقیدت حاصل کر رہے ہیں۔ ہر چند کہ یہ مذکورہ مطالبہ نہایت مستحسن ہے لیکن اس پردہ میں ان کے اغراض و مقاصد بھی کارفرما ہیں جو نہ صرف اہل سنت کے مفاد بلکہ ہمارے وجود کو فنا کر دینے والے ہیں۔ ان حالات کے باوجود ہم ہیں کہ اسی خوابِ خرگوش میں جڑاٹے لے رہے ہیں۔ ہمارے تشنہ و اشتیاق کا آج بھی وہی عالم ہے جو پہلے تھا۔ نہ ہم پہلے کچھ تھے، نہ آج کسی شمار میں ہے۔ حالانکہ بفضلہ تعالیٰ عامۃ المسلمین میں ہماری اکثریت ہے، پھر بھی ہمارا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سے بڑھ کر ہماری بد قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔ ادھر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے ہمیشہ مسلم لیگ کی حمایت کی، اس کا ساتھ دیا اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ جانی و مالی قربانیوں میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ بحمد للہ! اپنے اور بیگانوں کی شدید مخالفتوں کے باوجود پاکستان قائم ہو گیا مگر ہماری عدم تنظیم نے ہمیں یہ وقت دکھایا کہ آج اس حومت پاکستان میں جس کا قیام ہماری قربانیوں کا نتیجہ ہے، ہمیں کوئی امتیاز و وقار حاصل نہیں۔ نہ ہماری خدمات کا کوئی نتیجہ! بلکہ ہمارا مذہب و مسلک جان و مال، عزت و آبرو سب کچھ شدید ترین خطرات میں محصور نظر آتے ہیں۔ مستقبل قریب میں جو طوفانی انقلاب رونما ہوتا نظر آ رہا ہے، اس کی تہہ میں ہمارے مخالفین کی طاغوتی طاقتیں ہمارے کچلنے اور حرف غلط کی طرح مٹا دینے کے درپے نظر آتی ہیں۔ اندریں حالات بھی اگر خدا نخواستہ ہمیں ہوش نہ آیا اور ہم اسی طرح غیر منظم اور منتشر رہے تو اس کا انجام ظاہر ہے۔

محترم! ہر جماعت کا وجود و اثر اس کے اہم کارہائے نمایاں کی بنا پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ انفرادی کام کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ نہ انفرادی زندگی و عزت کوئی زندگی و عزت ہے۔ اس لئے اب تک جو ہوا سو ہوا، اس پر فحشوں کا وقت نہیں رہا۔ اب اگر ہم عزت و وقار کے ساتھ زندہ رہنے اور اپنے صحیح مذہب و مسلک کی بقا کے خواہشمند ہیں تو ہمیں ”گزشتہ راصلوۃ آئندہ را احتیاط“ کے پیش نظر فی الفور اور ضرور بالضرور ایک مرکز پر جمع اور ایسی وسیع و مستحکم تنظیم کے ساتھ منظم ہونا پڑے گا کہ ہمارا ایک فرد بھی ہم سے جدا نہ رہے اور پھر پوری قوت و ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی فتح و نصرت کی امید پر میدانِ عمل میں نکل آئیں۔ حالات کتنے ہی بد سے بدتر ہیں! لیکن الحمد للہ کہ ہم اس کی رحمت سے ناامید نہیں۔ ابھی ہمارا مرض قابل علاج ہے۔ آفتاب امید کی شعاعیں چمکتی نظر آتی ہیں۔ خدا کی رحمت ہماری حرکت کی منتظر ہے۔ ہمیں کسی کو گمانا نہیں بلکہ اپنے گمراہ ہوؤں کو اٹھانا ہے۔ ہمارا مقصد کسی سے برسرِ پیکار ہونا نہیں، نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کسی مذہبی یا سیاسی جماعت سے متصادم ہوں۔ ہم تو اہل سنت کی تسبیح کے بکھرے ہوئے دانوں کو وسیع تنظیم کے

مضبوط رشتہ میں پرونا اور ایک امیر اہل سنت کی قیادت میں منظم و مجتمع کر کے یہ چاہتے ہیں کہ دولت خداداد پاکستان کی ایسی صحیح دینی و ملی خدمت کریں کہ وہ آئین شرعیہ کے مکمل نفاذ و اجراء کے ساتھ صحیح معنی میں اسلامی حکومت بن جائے کیونکہ یہ مطالبہ درحقیقت انہی اہل سنت کا حق و فرض ہے جو ہمیشہ قیام پاکستان کی حمایت اور اس کے لئے جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ اس مبارک مقصدِ اعظم کے لئے کافی غور و خوض کے بعد جمعیت العلماء پاکستان کی تشکیل کی گئی ہے۔ موجودہ تشکیل عارضی اور اس وقت کے لئے ہے جب تک جمعیت کا مرکزی افتتاحی اجلاس منعقد ہو۔ مرکزی اجلاس میں جدید انتخاب ہو کر باضابطہ مرکزی جمعیت قائم کی جائے گی۔ یہ اجلاس بتاریخ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹ مارچ ۲۸ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار ملتان میں منعقد ہو رہا ہے جس کیلئے پاکستان کے علماء و مشائخ اہل سنت کو دعوت دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم کا سالانہ جلسہ بھی منعقد ہوگا۔ خدا کیلئے اس موقع پر ضرور بالضرورت شریف لائیے اور امت مسلمہ و حکومت اسلامیہ پاکستان کو صحیح راہِ عمل پر گامزن ہونے کی تبلیغ و ہدایت فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہو نیکی کوشش فرمائیے۔

جناب کی شرکت خاص طور پر نہایت ضروری ہے۔ ازراہ کرم جواب بالصواب سے جلد از جلد مشرف فرمائیے تاکہ زادِ راہ حاضر خدمت کیا جائے۔ والسلام مع الاکرام

فقیر سید احمد سعید کاظمی امروہی غفرلہ

مہتمم مدرسہ عربیہ انوار العلوم، ملتان شہر کچہری روڈ

۴ مارچ ۲۸ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

دعوت نامہ

منجانب جمعیت العلماء پاکستان (ملتان شہر)

حضرت محترم ادام بالمجد و الکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ امر جناب سے مخفی نہیں کہ علماء جمہور اہل سنت ابتدا سے قیام پاکستان کی حمایت اور اس کے حصول کے لئے پوری جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ قیام پاکستان کی راہ میں جو لوگ حائل رہے وہ صرف غیر مسلم ہی نہ تھے بلکہ اپنی بد قسمتی سے کچھ مسلمان بھی تھے جو ان کی ہمنوائی اور ہماری مخالفت کرتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام مخالفین کی کوششوں کو ناکام فرما کر محض اپنے فضل و کرم سے امت مسلمہ کو ”پاکستان“ کی دولت عطا فرمائی۔

نیز یہ حقیقت بھی جناب پر روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ عالمۃ المسلمین نے حصول پاکستان کے لئے جس قدر جدوجہد کی، وہ صرف اس مقصد کے پیش نظر تھی کہ ”دولت پاکستان“ میں خالص اسلامی حکومت ہوگی اور اس کا دستور و نظام خالص اور صحیح اسلامی دستور و نظام ہوگا۔ مسلمانوں نے اس مقصدِ عظیم کے لئے جو قربانیاں دیں اور اس راہ میں ان کو جس قدر آلام و مصائب اور قیامت خیز خونی

انقلاب سے دوچار ہونا پڑا، دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے لیکن اگر اب بھی وہ مقصد حقیقی حاصل نہ ہوا تو یہ ملت اسلامیہ کی انتہائی بد قسمتی بلکہ اس کی موت ہوگی اور یہ سب قربانیاں خاک میں مل جائیں گی۔ اس وقت ہر ایک جماعت اپنے مقاصد کے پیش نظر میدانِ عمل میں گاحرن ہے۔ ہمارا مقصد اعظم صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ لاکھوں مسلمانوں کی یہ خونی قربانیاں ضائع نہ ہوں۔ ”پاکستان“ صحیح معنوں میں اسلامی حکومت قرار پائے اور اس میں اسلامی آئین و قوانین کا پوری طرح نفاذ ہو اور اس کے ساتھ مذہبِ اہل سنت کا پورا پورا تحفظ ہو۔ ہم طویل مدت سے جمود و قفل اور تغافل و تکامل میں مبتلا ہیں۔ ہم نے اس وقت تک اپنی مکمل و مستحکم تنظیم کی طرف کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا تھا۔ اب زمانہ کی رفتار ہمیں ٹھکرا ٹھکرا کر مجبور کر رہی ہے کہ ہم پوری طاقت کے ساتھ منظم ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو جائیں اور اپنی اجتماعی قوت سے اپنے مذہب و ملت کی حفاظت کے لئے تیار ہو جائیں۔ مبادا کہ زمانہ کی طاغوتی طاقتیں ہمیں کچل کر رکھ دیں اور ہم ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائیں۔ اس اہم ضرورت کے پیش نظر ”جمعیتہ العلماء پاکستان“ کی تشکیل عمل میں لائی گئی ہے۔ جس کا مرکزی افتتاحی اجلاس بتاریخ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹ مارچ ۱۹۴۸ء ملتان میں منعقد ہونا قرار پایا ہے۔ لہذا نہ صرف خدا و رسول اور دینِ حنیف کے لئے بلکہ اپنی بقائے بالائمان و عزت کے لئے بھی اس اہم ضرورت کا شدت کے ساتھ احساس فرماتے ہوئے ہم خدامِ دین و ملت کی دغگیری و رہنمائی فرمائیے اور ایسی صراطِ مستقیم پر چلائیے جو ہمیں منزلِ مقصود پر پہنچا دے۔

اگر خدا نخواستہ اس وقت آپ نے موجودہ حالات کی نزاکت کا صحیح اندازہ و احساس نہ فرمایا تو مستقبلِ قریب میں اس کے جس قدر خطرناک نتائج برآمد ہوں گے۔ ان سب کی ذمہ داری سے جناب کی ذاتِ گرامی بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتی اور قیامت کے دن جمہورِ اہل سنت آپ کے دامن گیر ہوں گے اس لئے مودبانہ گزارش ہے کہ اجلاس ہذا کی دعوت قبول فرما کر مژدہ شریف آوری سے مطلع فرمائیں تاکہ مجلسِ استقبالیہ جناب کے قیام و طعام و دیگر ضروریات کا باحسن و جوہ انتظام کر سکے۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔ والسلام مع الاکرام۔

اس کے جواب میں نہایت مایوسانہ جواب حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس کا جواب الجواب ممدوح نے مندرجہ ذیل عطا فرمایا۔

از دفتر مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان شہر

مؤرخہ ۱۱ مارچ ۱۹۴۸ء

سیدی و سندی و مولائی۔

ادام اللہ تعالیٰ برکاتکم و متعنا بطول حیاتکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ تشریف لایا۔ دلی شکریہ! جامع المصنفین۔ جل مجدہ

اگر ہمیں دولت تنظیم عطا فرما سکتا ہے تو وہ اس کے لئے دامن قابلیت دینے پر بھی قادر ہے۔ ہم تو ”لا یخس من روح اللہ“ کے پیش نظر اس کی رحمتوں کے امیدوار ہیں۔ السعی منا والاحتام منه (جل مجدہ)

بار بار بن کر بگڑنے سے گھبرائیے نہیں۔ ان شاء اللہ آنحضرت کے تلخ تجربے اس میدان میں مشعل راہ ثابت ہوں گے۔ آپ فرماتے ہیں میری شرکت مفید تو کہاں غیر مفید بھی نہ ہوگی۔ قبلہ! مفید کو تو اس وقت رہنے دیجئے۔ کلام اللیل یمحوه النار ہمارے لئے یہ کیا کم ہے کہ آنحضرت کی تشریف آوری غیر مفید ثابت نہ ہو۔ اسکے سوا اور ہم چاہتے ہی کیا ہیں۔

جواباً جو کچھ ارتقام فرمایا ہے امننا وصدقنا! لیکن تشریف کو شروط موانع سے شروط فرمانا یقیناً ورد منع کے قابل ہے اس لئے اگر لا مسلم کے ساتھ مودبانہ گزارش کی جائے کہ تشریف آوری لا بشرطی کے مرتبہ سے ہونی چاہئے تو غالباً آپ ناراض نہ ہوں گے۔

فردوسی کے شعر میں جو بے مثال صبح فرمائی، داد سے بے نیاز ہے۔ خوردن کے ساتھ برخاستن کو کتنی اچھی مناسبت ہے یعنی اتنا کھایا کہ کھاتے کھاتے رفع..... کے لئے اٹھنا پڑا۔ ہاں جناب کھانے کے بعد اٹھنے کی ضرورت نہ ہوتی تو آدم علیہ السلام گندم کھا کر جنت سے کیوں اٹھتے۔ مگر مطمئن رہیے۔ راشن کی قلت کی وجہ سے ان شاء اللہ یہاں ایسا موقع نہ آئے گا۔

قبلہ! نماز جمعہ کے بعد ہی سہی! مگر اللہ تعالیٰ جل مجدہ اور اس کے رسول ﷺ کا واسطہ! تشریف ضرور لائیں۔

ایکے بس آمنت باعث آبادی
والسلام مع الاکرام
آپ کا کاظمی غفرلہ

تعارف جمعیت العلماء پاکستان

جس کو حضرت علامہ مولانا مفتی سید احمد سعید کاظمی صاحب کاظمی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت العلماء پاکستان نے سالانہ کانفرنس مورخہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ دسمبر ۱۹۵۵ء کے لئے مرتب فرمایا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الحمد لله الولی القدير والصلوة والسلام على رسولہ الذی هو اغنی العالم فی ذی الفقیر وعلى اله الذین ما احدث منهم الامن لهذه الشمس مستنیر وعلى اصحابہ الذین هم كالنجوم باہم اقتدیتم فهو للصراط المستقیم قمر منیر۔ اما بعد فایہا العلماء الاعالم والمشاخ الاکرام۔

یارائے سخن نہیں کہ آپ جیسے آفتاب ہائے فلک علم و کرم کے روبرو کیونکر اپنی بے بضاعتی و تہی دامن کی کاچراغ دکھاؤں لیکن امثال اللامر لب کشائی پر مجبور ہوں کہ کیوں نہ جماعت کے ماضی کی داستان، حال کا بیان اور مستقبل کے خلیجان آپ کی خدمت میں پیش کر کے آپ کی ہدایات و احکام کی تعمیل کے لئے تازہ ہر وسامان سے آمادہ عمل ہو جاؤں۔ وبالله التوفیق وعلیہ التکلیل۔

وجه قیام جمعیت العلماء پاکستان

حضرات! ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز، حشر انگیز اور ہنگامہ پرور حالات و واقعات سے کون درد ملت رکھے والا احساس مسلمان ناواقف ہے۔ پھر جسد ملت کے ہر زخم پر مرہم رکھے کا مامور گروہ یعنی علماء دین متین کیونکر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے۔ انہیں تو دربار نبوت سرکار ابد قرار علیہ السلام سے انبیاء بنی اسرائیل کی نیابت کا عہدہ سپرد ہوا ہے ”کان انبیاء بنی اسرائیل تسو صہم“ (مشکوٰۃ و نسائی) میں ان کا سیاسی دستور العمل بھی فرما دیا گیا ہے۔ پھر بھی اگر غفلت و جمود کی تاریکیوں میں سے آپ نہ نکلتے تو کیا آپ کا جواب ہوتا اس روز جو ”یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ“ کا منظر ہوگا؟ اور کیا منہ دکھاتے آپ اس دربار عالی وقار میں جہاں آپ کو ”مَا تَقُولُ فِی حَقِّ هَذَا الرَّجُلِ“ کا مخاطب ٹھہرایا جاتا ”اِنَّمَا یَنْحَشِی اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ“ سے اس وقت آپ بے شک بے اعتنائی کر لیتے لیکن جائے پناہ ہوتی آپ کے لئے اس وقت جب کہ ہمارا اینٹا شعی علم و تقویٰ ہماری بے عمل و غفلت زندگی کی بدولت ہمارے منہ پر مارا جاتا۔

حضرات! یہی تڑپ و وعید ہماری بیداری کا سبب بنی اور چند درد دل رکھے والے علماء و افاضل اٹھے اور انہوں نے قیام پاکستان کے چھ ماہ بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں بمقام ملتان آپ کی اس جمعیت کی بنیاد رکھ کر چار دانگ عالم میں اس کی دعوت عام اور تنظیم خاص کا صورت پھونک دیا۔ وہ روحیں جو عشق نبی امین و حب دین متین میں سرشار تھیں اس آواز پر والہانہ لبیک کہتی ہوئی دوڑیں اور تمام پاکستان میں قلیل سی مدت میں شاخیں قائم کر کے اس مرکزی تنظیم جمعیت العلماء پاکستان کے تحت خدمت دین و ملک میں سرگرم عمل ہو گئیں۔

حضرات! یہ ہے وہ علت فاعلی، جس پر آپ کی جمعیت کا قیام عمل میں آیا اور یہ ہے وہ علت غائی جس کے لئے اس ادارہ کا تنظیم پذیر ہونا لازمی سمجھا گیا، جس کے آپ حضرات ارکانِ ذی شان ہیں۔

جہاد کشمیر

حضرات! بھارت کی نوخیز لادین حکومت کے برسرِ اقتدار آتے ہی لادینی کے پردے میں مسلمانوں پر اس کے ہاتھوں بے پناہ مظالم کا وہ طوفان آیا کہ اس نے اس کی منافقت کے پردے چاک کر کے رکھ دیئے اور ہندوستان کے اندر ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے باہر پاکستان کی سرحدوں پر خطہ کشمیر کی خالص مسلم آبادی میں قیامت برپا ہو گئی۔ شنیدہ کے بودا مند بدیدہ۔

حضرات! وہ منظر دیکھنے کے قابل تو نہیں تھا لیکن مغموم دلوں اور شکبار آنکھوں کو بد قسمتی سے یہ سب کچھ دیکھنا پڑا۔ کشمیر سے آنے والے بیکس مہاجرین کی زبان ان حالات کو بیان کرنے سے قاصر تھی جو زبانِ حال پکار پکار کر عیاں کرتی ہوتی تھی۔ جمعیت خاموش کیسے رہ سکتی تھی، اللہ کا نام لے کر اٹھی اور ان بیکس، نادار، مجبور و مقہور بندگانِ خدائے پاک کے زخمی دلوں پر جہاں مرہم رکھا، وہاں بھارت سے اٹھنے والے درندہ صفت کفار و شرکین کی مظلوم مسلمانوں کے مقابلہ میں بربریت و بھیمت کا وہ دندان شکن جواب دیا کہ کشمیر کی تاریخ میں آپ کی خدماتِ جلیلہ سنہری حروف میں قلمبند ہو کر تاباں رہیں گی۔ اس جدوجہد کی مکمل سرگزشت تو رودادِ جمعیت مطبوعہ ۱۹۴۹ء میں ملاحظہ فرمائیے۔ مختصر یہ کہ جمعیت کی جانب سے اسلحہ، جیپ گاڑیاں اور مجاہدین کشمیر کی ضرورت کی ہر قسم کی اشیاء مہیا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ حکومت کے سول اور فوجی حکام کے مشوروں اور ہدایات کے مطابق ہر قسم کی جانی و مالی امداد کی گئی۔ ایک عظیم الشان

وفد مرتب فرما کر خود صاحب صدر محاذ کشمیر تشریف لے گئے۔ جا بجا مجاہدین کشمیر کے جلوسوں میں تقریریں کیں اور ان کو جہاد فی سبیل اللہ کے مصالحوں و محاسن بتلا کر تازگی ایمان و ایقان کا سامان بھی فراہم فرمایا اور اپنے ہاتھوں ہی سے وہ سامان بھی تقسیم فرمایا جو ان میں تقسیم کے لئے جمع کیا گیا تھا۔

دستور سازی

حضرات! محاذ کشمیر کے ساتھ ساتھ مہاجرین کشمیر و بھارت کی شب و روز کی آمد پر ان کی پذیرائی اور بحالی سے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی تھی چنانچہ اس ضمن میں بھی جمعیت کی خدمات کسی سرگرمی عمل کی خدمات سے کم نہیں لیکن سب سے بڑا مسئلہ جس پر جمعیت کو سب سے زیادہ توجہ مبذول کرنے کی ضرورت تھی وہ دستور سازی کا مسئلہ تھا کیونکہ تدوین دستور پر ہی مملکت پاکستان کی موت و حیات کا دارو مدار تھا۔ بد قسمتی سے یہ مسئلہ آج تک ارباب حکومت اور عوام کے مابین مابہ النزاع بنا ہوا ہے لیکن غیر اسلامی دستور کی مخالفت و مدافعت میں جمعیت آج بھی اپنے دلوں میں کوئی شبہ و ہن و جہن نہیں پاتی، جس طرح اس وقت تک نہیں پاتی تھی۔ دستور ساز اسمبلی کے اندر اور باہر ہر جگہ دستور اسلامی کی تدوین و ترتیب کی تائید و حمایت کے لئے وہ اپنی تمام سرگرمیاں وقف کئے رہی بلکہ جہاد کشمیر، پذیرائی و بحالی مہاجرین وغیرہ، تمام مسائل جمعیت کے نزدیک ثانوی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان پر جس قدر انتقادات کیا گیا، اس کا سبب محض یہی داعیہ تھا کہ حکومت نے علامۃ المسلمین سے آئین اسلامی کا وعدہ کر رکھا تھا اور نہ انگریزی اور ملکی حکومت کے درمیان ہمارے نزدیک کوئی فرق نہ سمجھا جاتا اور ہم بلا وجہ حکومت کے کسی پھڑکے میں ٹانگ نہ پھنساتے، جس طرح آج تک ہم مسلمانوں کی مذہبی و ملی خدمات بجالانے تک ہی اپنی سرگرمیاں محدود رکھے رہے اسی طرح آج بھی ہم اسی گوشہ خمولی پر قناعت کئے رہتے لیکن اسلامی آئین سازی کا وعدہ کرنے والی جماعت (خواہ وہ مسلم لیگ ہو یا برسر اقتدار طبقہ) کے ساتھ تعاون کرنا اور اس کی ہر مشکل میں ہاتھ بٹانا، ہم نے اسلامی فریضہ جان کر ہر نوع کی جانی و مالی قربانی دینا ضروری سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا، ہماری مساعی بار آور ہوئیں۔ دستور یہ نے قرارداد مقاصد با اتفاق آراء پاس کر کے اپنے اس وعدہ دستور سازی اسلامی کی تصدیق و توثیق کر دی جس کا وعدہ مسلم لیگ کی یوم نشاۃ ثانیہ اور تائیس پاکستان کے یوم اول سے قوم و ملت کے ساتھ کیا جا رہا تھا اسی وعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے تو قبل از تقسیم کے تمام ہندوستانی مسلمانوں نے قائد اعظم کا ساتھ دیا تھا۔ اسی وعدہ کی امید ایفاء کے پھروسہ پر آج بھی ملت پاکستان، پاکستان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتی ہے۔ اگر آج اس آئین کا ایک شوشہ بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف ترتیب دے کر قوم پر ٹھونسا جائے تو یہ اتنا بڑا تشدد ہو گا کہ تاریخ عام اس کی مثال نہیں پیش کر سکے گی اور قوم اس ظلم عظیم کو اپنے حواس بجا رکھتے ہوئے کسی حال میں برداشت نہیں کر سکے گی۔

یہ خیالات تھے، جن کو پیش نظر رکھ کر جمعیت نے اس مسئلہ کے حل کرنے کے لئے اپنی تمام کوششیں وقف رکھیں اور بالآخر قرارداد مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوئی۔ اس کے بعد دستور یہ نے کیا کیا اور ارباب حکومت نے قرارداد مقاصد کے ساتھ کیا کیا مذاق برتا۔ پاکستان کی آٹھ سالہ دور حکومت شاید ہے اور ”دستور“ کہ اپنی جگہ ساکت و صامت ہے۔ ہماری کوششیں اور جدوجہد کی تمام

تدبیریں قرار داد مقاصد کے بعد ختم نہیں ہو گئیں۔ وہ اس کڑی کا پہلا قدم تھا جو بحمدہ تعالیٰ کامیاب ہوا۔ اصل کوشش اور جدوجہد کا اب وقت ہے۔ حکومت کا دستور کے حق میں سر دھری اور اس کا لابیابی پن ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہمیں اور آپ سب کو پوری مضبوطی اور منظم طریقہ کے ساتھ حکومت پر زور دینا ہے کہ یہاں ”اسلامی دستور“ کو جلد از جلد نافذ کرے۔

تحریک تحفظ ختم نبوت

حضرات! زمانہ ساکن نہیں، متحرک ہے۔ اس کی کروٹیں بعض اوقات ایسی غیر متوقع اور خلافِ امید ہوتی ہیں کہ انسانی فہم و خرد، رہنمائی کرنا تو کجا اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہوتی ہے

سَبَّحْهُ لَكَ الْإِسْلَامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا

وَبِشَايِكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَزِدْ

ورفع الدهر كيف ما دار: زمانے کی گردشوں سے بچتے، کتراتے اور بوقت ضرورت مقابلہ کرتے ہوئے جمعیۃ کی اسلام پسند ملت پر دوسر گر میاں جاری تھیں کہ فتنہ قادیانیت کے بھیا نک عزائم نے ملت کو چونکا دیا اور تمام قومیں متفقہ طور پر ”تحفظ ختم نبوت“ کی غرض سے اپنے اپنے اختلافات برقرار رکھتے ہوئے استیصالِ فتنہ قادیانیت پر پوری طرح متوجہ ہونے کے لئے مجبور ہو گئیں۔ ظاہر بات ہے کہ پاکستان کو مسلمانوں نے جان و مال کی بے حد و حساب قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے تو وہ لوگ جو علامۃ المسلمین کے ساتھ بلکہ خود پاکستان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھتے، انہیں کیا حق ہے کہ اس مملکت میں برسرِ اقتدار آئیں۔ مسلمانانِ عالم کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ نے تاکید فرمایا کہ

لا نبی بعدی، لا نبی بعدی، لا نبی بعدی۔

بنابرین محض اخلاص اور تدوین کی بناء پر مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان نے اس میدان میں مضبوط قدم رکھا۔ اس تحریک میں حصہ لینے قوم کا ساتھ دینے اور ملت کی رہنمائی کا فرض بجالانے کے جرمِ عظیم کی پاداش میں طوق و سلاسل، قید بند، ضبط و نهب کے تمام آلام و مصائب کے پہاڑ بلائے ناگہانی کی طرح جہاں عام قوم مسلم پرٹوٹے، وہاں اکابر ارکانِ جمعیۃ کو بھی اس کا تختہ مشق بنایا لیکن بحمدہ تعالیٰ جمعیۃ اس ابتلائے عظیم میں بھی کامیاب نکلی اور اپنے فرض منصبی سے غافل نہ رہ کر قوم کے سامنے سرخرو ہوئی۔

لیکن اس انتشارِ عظیم سے کارکنانِ جمعیۃ ایام قید و بند میں مبتلا رہنے کی وجہ سے بہت ضروری کام انجام نہ دے سکے اس لئے ضرورت تھی کہ تبلیغ و تنظیم کے امور کو مکمل کرنے کے لئے ارکانِ جمعیۃ اپنی جدوجہد کو بروئے کار لائیں۔ چنانچہ اگست ۱۹۵۴ء میں اس کا سلسلہ جدید شروع کیا اور مارچ ۱۹۵۵ء میں جمعیۃ کا نیا دستور، جدید اصول و ضرورت کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دے کر مجلس عاملہ کے غور و فکر کے بعد منظور و رائج ہوا۔

اگست ۱۹۵۴ء سے اپریل ۱۹۵۵ء تک کی دوسر گر میاں جو جمعیۃ نے دکھائیں اس کا مختصر خاکہ رودادِ جمعیۃ نمبر ۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اپریل ۱۹۵۵ء کے بعد جمعیت نے کیا کیا، اس کا مختصر اور اہم حصہ پیش کرتا ہوں

حضرات! ہمارا ملک ماضی قریب میں جس بحران میں مبتلا رہا، وہ آپ سے مخفی نہیں۔ اس کا نتیجہ جو کچھ ظاہر وادہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن ملک و ملت کو اس کے سبب جس کے سب سے بڑے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا وہ آئین اسلامی کا التواء ہے۔ کچھ بعید نہ تھا کہ خواجہ ناظم الدین کی سابق وزارت عظمیٰ کا مرتب شدہ آئین جو کسی حد تک آئین اسلامی کا آئیندار تھا، جزوی حک و اضافہ کے بعد نافذ ہو جاتا، اگر اس قتل غیر مختتم سے سابقہ نہ پڑ جاتا۔ بہر حال ”عَسَىٰ أَنْ تَكُونُوا شِيعَةً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ“ کے بمصداق ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی کوئی خیر مضمون رکھی ہو اور اپنے ظہور کے وقت وہ ہماری لا انتہا مسرت و انبساط کی موب ہو لیکن دستور اسلامی کے حصول کی جدوجہد میں ہمیں اپنے فرض منصبی سے غافل نہیں رہنا ہے اور ہر اس مخالف آواز کو جس نے سیکولر اسٹیٹ کا نعرہ بلند کرنے کی مذموم کوشش کی، جیسا کہ سابق وزیر قانون کمار دتہ نے ایک بیان میں کہا تھا۔ اسی طرح ایک پریس کانفرنس میں اور جلسہ عام میں مسٹر سہروردی صاحب نے اپنے سابقہ نعرہ کا اعادہ فرمایا تھا کہ دستور یہ کو توڑ دو اور ایک ”۳۵ء کو بحال و برقرار رکھو“ کا دندان شکن جواب دیا گیا۔ غرضیکہ جہاں ہم اپنے فرض منصبی سے غافل نہیں، آپ سے بھی گزارش ہے اور تمام مسلمانوں سے بھی، کہ متفقہ طور پر اس کا مطالبہ جاری رکھیں۔

جماعت اسلامی

قید و بند اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے پیام میں جمعیت مرکزیہ کے صدر معظم و محترم حضرت علامہ ابو الحسنات قادری مدظلہ العالی کو جماعت اسلامی کے ارکان و اکابر سے عموماً اور امیر جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے خصوصاً ملاقاتیں رہیں۔ اسارت سے نجات پانے کے بعد بھی متعدد بار طرفین نے ایک دوسرے کو کافی قریب سے دیکھا اور سمجھا۔ گو ہمیں اس جماعت کی آراء و افکار سے کامل اتفاق نہیں لیکن مدلل طور پر ہم نے اپنا اختلاف کبھی ان پر ظاہر بھی تو نہیں کیا تھا۔

اختلاف کے اظہار کا ایک وہ طریقہ ہے جو بعض دوسرے علمی و مذہبی حلقوں سے ظہور پذیر ہوا کہ افہام و تفہیم کی بجائے لعن و طعن کا زور اس شان سے کھول دیا گیا کہ

اور ضد بڑھتی ہے صاحب ترے سمجھانے سے
کا مصداق ہے۔

دوسرا طریقہ وہ ہے جو ہمارے اور مولانا مودودی صاحب کے درمیان طے ہوا تھا کہ صاحب موصوف کی تصانیف میں جو بات قابل اعتراض ہو وہ ان پر واضح کر دی جائے اور وہ اس کی اصلاح کر دیں۔ جب ہم سے ملک کے افراد نے متواتر اور پیہم اصرار و استفسار کیا اور ہم سے ہماری قرارداد مطبوعہ ۵۰ء ”مکالمہ کاظمی و مودودی“ کے حوالہ سے موجودہ شور و ہنگامہ سے متاثر ہو کر میدان تبلیغ میں واضح طور پر آنے کے لئے مجبور کیا تو ہم نے اختلاف کے اول طریقہ اظہار کے علی الرغم، دوسرا طریقہ اظہار اختیار کرنے کو ترجیم دی۔ چنانچہ

۲۶ مئی ۱۹۵۵ء کو مرکزی ایوانِ خاص کا اجلاس بلایا گیا اور اس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد پاس کی گئی کہ علماء کرام کی ایک ایسی سب کمیٹی مرتب کی جائے جو مودودی صاحب کی تصانیف کا بغور مطالعہ کر کے قابلِ اعتراض اقتباسات اخذ کرے۔ چنانچہ اس قرارداد کے بموجب حضرت علامہ سید المفسرین امام المتکلمین الحاج سید شاہ ابوالبرکات سید احمد صاحب حضرت مولانا ابوالخیرات سید محمود احمد صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب ناظم جامعہ نعیمیہ لاہور اور حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی صاحب رضوی بریلوی اور حضرت مولانا عبدالاحد صاحب اور مولانا حکیم غلام معین الدین صاحب نعیمی نائب ناظم اعلیٰ جمعیت مرکزیہ پر مشتمل سب کمیٹی بنادی گئی جس نے تقریباً اکثر کتابوں کا بغور مطالعہ کر کے تمام قابلِ اعتراض عبارتوں کا انتخاب کر کے..... کی خدمت میں بھیج دیا گیا، جنہوں نے ان کو وصول کر کے دستخط وصولی مرحمت فرمادیئے۔ اس درمیان میں مولانا مودودی صاحب سے برابر سلسلہ مکاتیب جاری رہا اور افہام و تفہیم کی راہیں ہموار ہوتی رہیں لیکن مولانا مودودی صاحب کی آخری تحریر جو اس ضمن میں موصول ہوئی وہ حوصلہ افزا نہیں ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امر!۔ بہر حال اس مسئلہ کا آخری تصفیہ ابھی جمعیت کے زیرِ غور ہے۔

مراکش

مراکش اور الجزائر وغیرہ کے مسلمان ہم سے جدا نہیں۔ عالم کے تمام مسلمہ ملت کے افراد رشتہ اخوت میں باہم منسلک و منظم ہیں۔ فقہائے ”المسلم للمسلم کالنیان یشد بعضہ بعضاً کالجسد اذا اثبتکے علیہ اشتکی کلفہ (او کما قال) وہاں درد ہوا، یہاں ٹھیس اٹھیں گی۔ ان پر ظلم ہوا تو ہم جتلائے الم ہو گئے۔ جمعیت العلماء نے اس ظلم کے خلاف منظم صدائے احتجاج بلند کی، جلسے کئے گئے، قراردادیں منظور کی گئیں، تجاویز منظور ہوئیں اور ارباب اقتدار کو اس ظلم و ستم کے انسداد کی تدبیر کرنے پر متوجہ کیا گیا۔

ایام ماضیہ کے اکابر و اسلاف

بزرگانِ کرام قوم کی زندگی کا مدار اس کے اسلافِ فناء دار کی روایات کے احیاء پر موقوف ہے۔ اگر یہ روایات زندہ نہ رہیں تو قوم بھی سمجھو کہ قلمہ اجل ہوگئی۔ ان روایات کے زندہ رکھے ہی کے لئے قوم کے اکابر و سلف صالحین کی یاد تازہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ جب اس ضرورت کو ہر قوم محسوس کرتی ہے تو اہل سنت و جماعت ہی اس سے غفلت میں کیوں پڑی ہے۔ جمعیت نے ملت کو اس فرض کی بجا آوری پر متوجہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ملت کے ذی شعور افراد نے جمعیت کی آواز پر لبیک کہا اور تمام ملک میں جمعیت کے زیرِ اہتمام یا اپنے طور پر جا بجا جلسے منعقد کئے اور یہ تقریریں شانداز طریقہ پر منائی گئیں۔

موقعہ بموقعہ سرگرمیوں کے ذریعہ ملت اور شاخوں کو یاد دہانی کرائی جاتی رہی۔ چنانچہ ملک بھر میں یوم صدیق اکبر، یوم فاروق اعظم، یوم عثمان ذوالنورین، یوم علی المرتضیٰ اور یوم شہادت امام حسین رضی اللہ عنہما جمعین کے متواتر جلسے کر کے شانداز طریقوں سے منائے گئے اور جہاں تک ممکن و موزوں ہوا جمعیت کے ارکان نے ملک کے دور دراز گوشوں اور علاقوں تک پہنچ کر ان تقریبوں میں شمولیت کی، ملت کو

خطاب کیا اور اپنے اسلاف کی روایات پاکیزہ کو متاع عزیز جان کر گوشہ دل میں جاگزیں رکھنے کی تلقین کی۔

یوم استقلال پر یوم دستور

اگست ۱۹۵۵ء میں جمعیت کے زیر اہتمام و ہدایات جا بجا جلسے منعقد ہوئے اور ان میں ایک ہی مضمون کی قراردادیں منظور کروا کر حکومت کی خدمت میں بھیجی گئیں کہ ہمیں صرف ”اسلامی دستور“ چاہئے۔ اگر اسلامی دستور نہ بنایا گیا تو پاکستان کا عدم وجود برابر ہے۔ قوم کو اس سے اور کسی فائدہ کی توقع ہی نہ تھی۔

شعبہ تبلیغ

جمعیت مرکزیہ کے ماتحت ادارہ ”بزم تنظیم“ جو کہ عرصہ سے معطل تھا، از سر نو اس کا قیام زیر صدارت حضرت علامہ مولانا غلام محمد صاحب ترنم عمل میں لایا گیا، جس کا نام ”بزم تنظیم“ شعبہ تبلیغ مرکزی جمعیت العلماء پاکستان رکھا گیا۔ اس شعبہ کے ذمہ تبلیغی رسائل و ٹریکٹ کی نشر و اشاعت کا کام ہے۔ یہ بزم ماہ ب ماہ ایسے رسائل شائع کرتی ہے جو کہ عوام کو اسلام کی صحیح واقفیت بہم پہنچائیں اور ان میں اللہ و رسول کی محبت و اشاعت کے جذبات صالح راسخ کریں چنانچہ ہر ماہ بزم اپنے زیر اہتمام چار رسالے شائع کر چکی ہے۔

سیلاب

حالیہ سیلاب کی تباہ کاریوں کی تفصیل تو آپ کو اخبارات کے ذریعے معلوم ہو چکی ہوگی۔ ہم کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس قیامت صغریٰ میں قہر اجل ہونے والے مسلمانوں کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہمارے جو بھائی مالی نقصان کا شکار ہوئے ہیں ان کو نعم البدل عطا فرمائے اور جو اس ابتلاء سے محفوظ رہے ہیں انہیں عبرت اندوزی و موعظت نبوی کی توفیق عطا فرمائے۔

سیلاب کے قیامت نما طوفان نے جہاں دوسری جماعتوں کو ہمدردی کے لئے اٹھایا، وہاں جمعیت کی طرف سے سیلاب زدہ علاقوں پر پہنچ کر ہر قسم کی اعانت کی گئی۔ ملتان میں جمعیت العلماء پاکستان اور مدرسہ انوار العلوم کی طرف سے غلہ، کپڑے اور منہدم مکانوں کی تعمیر کے لئے نقد روپیہ بھی تقسیم کیا گیا۔ لاہور میں جمعیت مرکزیہ کی طرف سے شیخ حاجی ابراہیم صاحب اور دیگر لٹڈے بازار کے تاجروں نے اوڑھنیاں، کمبل، پارچہ جات، ادویہ اور ماچس، مٹی کا تیل وغیرہ ٹرکوں میں لے جا کر متاثرہ مقامات پر خود جا جا کر تقسیم کیں اور ایک ہزار روپیہ مرکزی جمعیت کی طرف سے ملتان کی مقامی جمعیت العلماء پاکستان کو بھیجا گیا جو مولانا سید مسعود علی صاحب صدر شعبہ جمعیت العلماء پاکستان ملتان و مفتی مدرسہ انوار العلوم نے سیلاب زدہ علاقوں میں بذات خود جا کر نقد و جنس اور پارچہ جات کی صورت میں مصیبت زدگان سیلاب کو پہنچایا۔

اب میں ان حضرات سے اپیل کرتا ہوں جو فضل ایزدی سے اس قیامت نما سیلاب سے محفوظ رہے ہیں، وہ اپنے اس ابتلا میں پھنسے ہوئے مسلمان بھائیوں کی ہمدردی سے غفلت نہ برتیں اور بیش از بیش امداد کرنے میں دریغ نہ کریں۔ جاڑا سر پر ہے اور یہ اپنا سب کچھ

اپنی آنکھوں کے سامنے تباہ ہوتا دیکھنے اور کچھ نہ کر سکنے والے آپ کے مسلمان بھائی کھلے آسمان کے نیچے جسم کو گرم رکھنے کے سامان سے محروم، بچوں، بڑھوں، بیماروں، عورتوں اور مردوں کے غول کے غول دانے دانے کو بھی ترس رہے ہیں۔ جمعیت العلماء پاکستان نے حسب توفیق جس قدر امداد ہو سکی عام مسلمانوں کی معاونت سے بہم پہنچانے میں دریغ نہیں کیا لیکن سمندر میں قطرہ کی کیا وقت، لہذا آپ کقوم کے آڑے وقت میں پوری تن دہی سے کام کرنا اور غریبوں کو پہچانا چاہئے۔

تعارف کے سلسلہ میں جمعیت کے مختصر کارناموں کو صرف اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ قوم کو یہ احساس رہے کہ جمعیت العلماء پاکستان بفضلہ تعالیٰ اپنی بساط کے موافق دین و ملت کی خدمات کے کسی گوشہ میں پیچھے نہیں رہی اور یہ احساس قوم کے آگے بڑھنے اور آئندہ مقاصد میں جمعیت العلماء پاکستان کے ساتھ تعاون کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ جمعیت کے تمام کارنامے قوم و ملت کے حساس و فعال افراد ہی کے کارنامے ہیں۔ کیونکہ جمعیت ملت کے ان افراد ہی کے مجموعہ کا نام ہے۔ میں اپنی قوم کے متابع عزیز حساس و فعال افراد اور درددل رکھنے والے بزرگوں سے مخلصانہ اور مودبانہ اپیل کروں گا کہ وہ اسی تعارف کے ذیل میں اپنی جمعیت کے ان کارناموں کو پیش نظر رکھ کر آئندہ ہر مرحلہ میں اپنی حمیت دینی اور احساس مذہبی کا ثبوت دیتے ہوئے ان روایات کو دہراتے رہیں گے۔

آئینہ مودونیت

دیباچہ

مودودی صاحب نے جس آئینہ میں اسلام اور مسلمین کو دیکھا ہے، کاش وہ اس میں کبھی اپنی شکل و صورت بھی ملاحظہ فرماتے تو ان پر حقیقت حال منکشف ہو جاتی۔

مودودی صاحب کی نگاہ بصیرت

مودودی صاحب کی نگاہ بصیرت کا کمال یہ ہے کہ جدھر اٹھتی ہے اور جس پر پڑتی ہے اسے کمزوریاں ہی کمزوریاں نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اسلام پر غور کیا تو جاہلیت ہی جاہلیت نظر آئی۔ مسلمانوں کو دیکھا تو سب غفلت ہی دکھائی دیئے، اصلی ایک بھی نظر نہ آیا۔ صوفیاء و مشائخ کو ملاحظہ فرمایا تو سب جاہلیت کے مصلے پر سہمہ دے ملے۔ مجتہدین کو پرکھا تو ایک بھی اس قابل نہ نکلا کہ اس کے علوم و منہاج کی پابندی اختیار کی جائے۔ مجددین کو ٹولا تو ان میں بھی کوئی کامل نظر نہ آیا۔ سب ناقص و نامکمل ہی ثابت ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر نظر ڈالی تو ان میں بھی لغزشیں اور غلطیاں موجود پائیں۔ بعض خلفائے راشدین پر نگاہ پڑی تو وہ بھی نا اہل اور فرمان خدا و رسول کے مخالف نظر آئے۔ کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا تو انہیں بھی بڑے بڑے گناہوں کا مرتکب پایا۔ ایک اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات باقی ہے جس تک ان کی نگاہ عیب جو کی رسائی محال نظر آتی ہے اس لئے کہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتے اور اگر بفرض محال دیکھ پائیں تو غالباً بے تحاشا بول انھیں کہ خدایا تیرا نظام حکومت درست نہیں۔ انبیاء سے لے کر عوام تک ساری خدائی کی حالت بگڑی ہوئی ہے اور تو عرش

پر بیٹھا دیکھ رہا ہے۔

مختصر یہ کہ جس آئینہ پر ان کی نظر جمی ہوئی ہے اس میں انہیں کوئی بے داغ و بے عیب نظر نہیں آتا۔ اب ہم وہی آئینہ ان کے آگے رکھ کر ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اسی آئینہ میں خدا را اپنی صورت بھی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کے اسلامی نظام اور حکومت الہیہ کے نعروں، صالحیت اور اجتہادی بصیرت کے غلغلوں اور معرفت نفس و تزکیہ باطن کے دعاوی کی اصلی صورت آپ کو نظر آجائے گی

اتنی نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بن قبا دیکھ

سبب تالیف

نومبر ۱۹۵۰ء میں مودودیوں کا ایک وفد میرے پاس آیا اور اس نے اس بات پر زور دیا کہ الیکشن کے سلسلہ میں آپ لوگ ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ میں نے کہا کہ بعض امور میں مودودی صاحب سے ہمیں اختلاف ہے۔ جب تک وہ رفع نہ ہو جائے ہم تعمیل ارشاد سے قاصر ہیں۔ آخر کاریہ طے پایا کہ مولانا مودودی صاحب سے بالمشافہ گفتگو ہر کراختلافات کا تصفیہ ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ میں لاہور گیا اور ۲۵ نومبر کو رات کے ۹ بجے (مولانا مودودی صاحب کے مقرر کردہ وقت پر) ان کی کوشی پر پہنچا۔ مولانا غلام محمد صاحب ترنم صدر صوبہ پنجاب جمعیتہ العلماء پاکستان اور مولانا شاہ عبدالاحد صاحب ناظم شعبہ نشریات جمعیتہ اور ملک ممتاز صاحب میجنگ ایڈیٹر نیوز پریس آف پاکستان و مولانا سید محمود احمد صاحب رضوی مدیر ”رضوان“ لاہور و مولانا محمد ارشد صاحب پناہوی نائب ناظم جمعیتہ میرے ہمراہ تھے۔ مولانا مودودی صاحب سے ملاقات ہوئی اور باقاعدہ سب کا تعارف مولانا موصوف سے کرایا گیا۔

ساڑھے نو بجے گفتگو شروع ہو کر ٹھیک بارہ بجے ختم ہوئے جو اسی وقت قلم بند ہو گئی تھی اور میرے ہمراہیوں کی تصدیق کے ساتھ پمفلٹ کی صورت میں ”مکالمہ کاظمی و مودودی“ کے نام سے منجانب جمعیتہ العلماء پاکستان لاہور میں شائع کی گئی۔ پھر دوبارہ وہ ملتان میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ ”زمیندار“ ”احسان“ و دیگر اخبارات و رسائل نے بھی اسے بالاقساط شائع کیا۔

اس سے پہلے مودودی صاحب کے مخصوص اعتقادات اور جدید اصول و نظریات سے مجھے پوری طرح واقفیت نہ تھی اس لئے ان کی تحریک کے متعلق میں نے اب تک اظہار خیال نہیں کیا تھا۔ اس گفتگو کے بعد ان کے بعض نظریات مجھ پر واضح ہو گئے اس لئے میں نے ان کی تحریک پر غور کیا اور ان کی بعض کتابیں دیکھیں۔ ان کے مطالعہ سے جوتائج میں نے اخذ کئے ان کا اظہار اس کتاب کے حصہ اول و دوم میں تفصیل کے ساتھ کر دیا ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہو گا کہ مودودی صاحب نے اکابر امت اور سلف صالحین سے الگ اپنے لئے ایک نئی راہ نکالی ہے جس پر وہ اپنی جماعت کے ساتھ گامزن ہیں۔

انہیں اپنی اجتہادی بصیرت پر اتنا غرور ہے کہ وہ اپنے وضع کردہ اصول و نظریات کے سامنے کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ انہوں نے

اکابر امت پر جو شدید نکتہ چینی کی ہے اس کتاب کے دونوں حصوں کو پڑھ کر ناظرین کرام اس کا صحیح اندازہ کر سکیں گے۔

مودودی صاحب نے قوم سے اپنے نظریات تسلیم کرانے کا عجیب طریقہ ایجاد کیا ہے۔ وہ کسی جگہ اپنے مجتہد یا مجدد ہونے کا اقرار نہیں کرتے مگر انہوں نے اپنے انداز بیان سے اپنی جماعت کے ایک ایک فرد کے ذہن میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ اس وقت تک مجھ جیسا مجتہد اور مجدد پیدا نہیں ہوا۔ اسی طرح مہدویت کے بارہ میں ان کا رویہ یہ ہے کہ ابھی تک انہوں نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا مگر ایک طرف تو انہوں نے امام مہدی کی کچھ ایسی من گھڑت خصوصیات لکھ دی ہیں جو بظاہر ان کے حسب حال ہیں، دوسری طرف اپنی ذات گرامی کو ان ہی خصوصیات و اوصاف کا حامل بنا کر قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے عقیدت مندوں سے کہے کہ سبز لباس پہننے والا آدمی ولی اللہ ہوتا ہے، جو اپنے منہ سے اپنے ولی ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ پھر خود ہی سبز لباس پہن کر ان کے سامنے آ جاتا ہے اور اپنی ولایت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اب بتائیے کہ ایسے آدمی کو (باوجودیکہ وہ اپنی زبان سے ولی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا) مدعی ولایت سمجھا جائے گا یا نہیں؟ مودودی صاحب نے بالکل یہی طرز عمل اختیار کیا ہے۔ گویا انہوں نے زبانِ قال کی بجائے زبانِ حال سے ادعائے مہدویت فرمایا اور اس طرح قوم کے ذہن میں اپنی مہدویت کا تصور جمانے کی کوشش کی۔

مجددین و مجتہدین حتیٰ کہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر انہوں نے جو کڑی نکتہ چینی کی ہے اس نے اس حقیقت کو اور بھی واضح کر دیا کہ وہ اپنا مقام امت محمدیہ میں سب سے بلند سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ایک شخص دوسرے کی اصولی غلطی اسی وقت نکال سکتا ہے جب کہ اس کی قوت علیہ اس کے بارہ میں اس دوسرے سے قوی اور بالاتر ہو۔

مجتہد سے اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے (جس پر اسے اجر ملتا ہے) مگر اس غلطی کو غلطی قرار دینا بھی مجتہد ہی کا کام ہے۔ مودودی صاحب نے اکابر امت کی جن باتوں کو غلط قرار دیا ہے اگر وہ انہیں اجتہادی غلطی ہی کہہ دیتے تو ہمیں ان سے ایسا شکوہ نہ ہوتا۔ حالانکہ ان کا یہ منصب بھی نہ تھا مگر انہوں نے بزرگان امت کے حق میں اس تخفیف کو اپنے لئے خفت اور کسرِ شان سمجھا اور اپنی مستقل قوت اجتہاد یہ کہہ کر نشہ میں کسی کی پروا نہ کی، جس سے واضح ہے کہ وہ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے۔

ان حالات میں تحریک مودودیت میرے نزدیک امت مسلمہ کے لئے ایک خوفناک فتنہ ہے جس کے فساد کا ہر پہلو اصلاح کے خوبصورت پردہ میں چھپا ہوا ہے اس لئے ایک ادنیٰ ترین خادمِ دین ہونے کی حیثیت سے میں نے اپنا فرض سمجھ کر یہ کتاب لکھی۔ اس موضوع پر اگر پوری وضاحت سے اظہارِ خیال کیا جائے تو غالباً کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں گی۔ لیکن اپنی انتہائی عدمِ الفرصتی کے باعث میں نے اختصار سے کام لیا ہے۔ اس کے باوجود بھی مضمون اتنا طویل ہو گیا کہ ناظرین کی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے اس کے دو حصے کرنے پڑے۔

میں نے اس کتاب (آئینہ مودودیت) میں جو کچھ لکھا ہے، بفضلہ تعالیٰ وہ حق و صداقت پر مبنی ہے جس کا کوئی معقول جواب (سوائے رجوع کے) ان شاء اللہ مودودیوں سے نہ ہو سکے گا۔ ان کے پاس ہمارے ہر اعتراض کا صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ کہ ”یہ

لوگ حکومت کے آلہ کار اور ذاتی مفاد کے پرستار ہیں۔“ اس کے متعلق میں صرف اتنا کہوں گا کہ ”لعنة الله على الكاذبين“ (جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو) ہم اپنے رب کریم کو حاضر و ناظر اور گواہ کر کے کہتے ہیں کہ نہ ہم حکومت کے آلہ کار ہیں اور نہ ارکانِ حکومت سے ہمارا کوئی تعلق بلکہ کسی سیاسی جماعت یا اسمبلی کے کسی امیدوار سے بھی ہمارا قطعاً کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں۔ نہ اس اشاعت سے ہمارا کوئی ذاتی یا دنیوی مفاد وابستہ ہے بلکہ اس سلسلہ میں ہم مالی نقصانات سے جس قدر زیادہ بچے ہیں، وہ ہماری قوت سے کہیں زیادہ ہے۔

میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جبکہ ایسے لوگوں کی طرف سے اس قسم کے ذلیل، جھوٹے اور بے بنیاد الزامات سنتا ہوں جو پاکیزگی اخلاق اور تزکیہ نفس کے ساتھ صالحیت کے نعرے لگا رہے ہیں۔ ان لوگوں کے دل میں اگر ذرہ برابر بھی خوفِ خدا ہوتا تو یہ ایسی دروغ بانی اور کذب بیانی سے کام نہ لیتے پھر یہی نہیں کہ مودودی جماعت کے افراد ہی اس اکذب الحدیث میں مبتلا ہیں بلکہ ان کے امیر الصالحین مولانا مودودی صاحب بذاتِ خود بھی ہم پر یہی الزام تھوپ رہے ہیں۔

میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ کیا بغیر دلیل شرعی کے اس قسم کی سوء ظنی ان کے نزدیک کتاب و سنت کی روشنی جائز ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو جو لوگ قرآنِ قویہ کے ماتحت آپ کے بارہ میں حکومت ہند کے آلہ کار ہونے کا گمان رکھتے ہیں۔ آپ ان کی تصدیق فرمائیں گے؟ مجھے امید ہے کہ انصاف پسند حضرات مودودیوں کے اس کذب صریح کی پروا نہ کرتے ہوئے اس مضمون کو غور سے پڑھ کر حق و باطل میں امتیاز کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس کے بعد برادراںِ ملت سے میں یہ استدعا کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر آپ کے دل میں مقدس اسلام کی کچھ بھی وقعت ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے محبوب وطن پاکستان میں صحیح اسلامی نظام رائج ہو تو مرکزی جمعیت العلماء پاکستان کو مستحکم کرنے کی کوشش کیجئے اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کی مکمل تنظیم کے لئے کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جائیے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔

اگر اس وقت آپ نے ذرا بھی تساہل سے کام لیا تو اس کے نتائج بہت افسوس ناک ہوں گے۔ پھر وقت نکل جانے کے بعد آپ کا تأسف بے سود ہوگا۔

مجھے قوی امید ہے کہ بااحساس حضرات ضرور اس طرف متوجہ ہوں گے۔

سید احمد سعید کاظمی امروہوی غفرلہ

یکم فروری ۱۹۵۱ء

بروز پنجشنبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

مکالمہ کاظمی و مودودی اور ہمارے دیگر مضامین سے اہل بصیرت پر مودودی صاحب کے مشن کی حقیقت واضح ہو گئی ہے لیکن بعض بھولے بھالے مسلمان جو ابھی تک ان کی ہموائی کر رہے ہیں اور ان کی تحریک کے ظاہری حسن و جمال پر شیفہ و فریفتہ نظر آتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نگاہیں ابھی ان ہفت رنگ پردوں سے متجاوز نہیں ہوئیں جس کو نظام اسلامی و خدا ترسی، ایمانداری، کتاب و سنت کی پیروی، حکومت الہیہ، اخلاقی تزکیہ اور صالحیت وغیرہ کے نظر فریب نقوش سے حرین کر دیا گیا ہے جس وقت مودودیت اپنے اصلی خدو خال کے ساتھ ان کے سامنے بے نقاب ہو گئی۔ ان شاء اللہ اس دم وہ اس سے متنفر ہو جائیں گے اور بے ساختہ کہہ اٹھیں گے

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

شدید ضرورت ہے کہ علامۃ المسلمین کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے جس قدر جلد ہو سکے پوری پوری اور ٹھوس کوشش کی جائے کیونکہ کچھ مدت گزرنے کے بعد اگر لوگوں کے دلوں میں مودودیت راسخ ہو گئی تو پھر ان کو اس سے نفرت دلانا اور بچانا ایسا ہی دشوار ہو جائے گا جیسا کہ فتنہ مرزائیت کے جڑ پکڑ جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو اس سے بچانے اور اسلام میں واپس لانے میں دشواریاں حائل ہیں اور ہم بڑے سے بڑے اقدام پر بھی کامیابی کی منزل سے ہم کنار نہیں ہوتے۔

مسلمانوں کی فطرت

مسلمان اپنی اسلامی فطرت کی وجہ سے ہمیشہ اسلام اور اسلامیات کا دلدادہ رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ عہد رسالت سے بعد یا صحیح اسلامی تعلیم کی کمی کے باعث کسی ایسے دشمن اسلام کے فریب کا شکار ہو جائے جس نے اسے اسلامی رنگ کے جال میں پھانس رکھا ہو لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمان نے جب بھی کسی کی آواز پر لبیک کہا، یہ سمجھ کر کہا کہ بلانے والا اسے اسلام ہی کی طرف بلارہا ہے۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس کے عرصہ میں جس شخص نے بھی امت مسلمہ کو اپنے اغراض و مقاصد کے لئے استعمال کیا اس نے اس کے سامنے بظاہر اسلام اور اسلامیات ہی کو رکھا۔

خوارج نے ”ان الحکم الا اللہ“ (حکومت الہیہ) کا جھنڈا بلند کر کے مسلمانوں کے گروہ عظیم کو علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بغاوت اور قتال و جدال پر آمادہ کیا اور مسلمانوں میں وہ شدید خونریزی کرائی جس کی سرخس سے اسلامی دنیا کی سرزمین قیامت تک داغدار رہے گی۔

روافض نے حب اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی آڑ میں اپنا کام کیا۔ معتزلہ نے عدل و توحید کا حسین نقشہ امت مسلمہ کو دکھایا۔

چکڑالویوں نے قرآن کے نام پر مسلمانوں کو پکارا۔ غیر مقلدوں نے حدیث کی طرف دعوت دی۔ وہابیوں، دیوبندیوں نے توحید کے نعرے لگا کر امت مسلمہ پر شرک کے فتوے لگائے اور اتباع سنت و رد بدعت کے پردہ میں خارجیت و نجدیت کا پرچار کیا۔ مشرقی نے اسلامی عسکری تنظیم اور تربیت جہاد کے خوشنما جاں میں مسلمانوں کو پھانس کر گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

مودودی صاحب بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ اسلامی جماعت، اسلامی نظام، تقویٰ، طہارت اور صالحیت کے خوبصورت الفاظ جو ابھی تک شرمندہ معنی نہیں ہو سکے۔ مسلمانوں کو اپنا آلہ کار بنانے کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں اور بھولے بھالے مسلمان جو اس بُر آشوب دور میں فی الواقع اسلامی قیادت اور صحیح رہنمائی کے خواہش مند ہیں، اپنے دینی جذبات سے مجبور ہو کر محض لفظی اسلام اور فرضی نظام قرآن کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ مگر انہیں معلوم نہیں کہ چشمہ ہدایت کی مضطربانہ جستجو میں جس چیز کو انہوں نے آب سمجھ رکھا ہے، وہ آب نہیں بلکہ سیراب ہے۔

اس گئے گزرے دور میں بھی (جس کے متعلق مودودی صاحب کا خیال ہے کہ اس وقت نہ خالص اسلام ہے نہ مخلص مسلمان، دونوں میں جاہلیت (کفر و شرک) کی آمیزش ہو چکی ہے) ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اسلام اور اسلامیات کے نام پر بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ حصول پاکستان سے پہلے مسلم لیگ کی کامیابی اسی جذبہ قربانی کی رچن منت تھی بلکہ خود قیام پاکستان، مسلم قوم کے اسی دینی جذبہ کا نتیجہ ہے۔

مسلم لیگ کا نصب العین پاکستان تھا اور پاکستان کی بنیاد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ قرار دی گئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لیگ کامیاب ہوتی نہ پاکستان قائم ہو سکتا۔

کروڑوں مسلمان جب اسلام اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی روح پروردادوں کے مہارے اپنے قائدین کے پیچھے حصول پاکستان کی دُشوار گزار گھاٹیوں کو آنکھیں بند کئے ہوئے طے کر رہے تھے۔ جب اس راہ میں لاکھوں نفوس کو قربان کرتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچے اور آنکھیں کھولیں تو پاکستان کا متعینہ احاطہ ضرور نظر آیا مگر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی بنیادوں کو آج تک ان کی نگاہیں تلاش کر رہی ہیں۔

اس ماحول میں مسلمان کا موقف بالکل وہی تھا جو شدید پیاس کی حالت میں پانی تلاش کرتے ہوئے ریگستان میں پہنچنے کے بعد ایک پیاسے کا ہوتا ہے۔ اس وقت اگر پانی کی شکل میں اسے زہر دکھایا جائے تو وہ اس کی طرف بھی لپکے گا اور اسے حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

مودودی صاحب نے (جو پہلے ہی سے اس تاک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کوئی ایسا موقعہ ہاتھ آئے کہ امت مسلمہ کو اپنے مخصوص اغراض و مقاصد اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے آلہ کار بنایا جائے) موقعہ کو غنیمت جان کر بروقت اسلامی نظام کا نعرہ لگا دیا اور اپنے حواریین کی اعانت سے ملک کے طول و عرض میں ایک ہڑ بونگ مچادی، جس کا لازمی نتیجہ نفسیاتی اصول کے مطابق یہی ہو سکتا تھا کہ وہ مسلمان جو خالص اسلامی حکومت قائم ہونے کے لئے بے مثال قربانیاں دے کر بھی ناکام رہے، مودودی صاحب کے اسلامی نعروں

سے متاثر ہو گئے اور فی الجملہ ان کی تحریک کی تائید کرنے لگے۔

اگر بعض اہل بصیرت کے سامنے مودودی صاحب کچھ نہ کچھ کھل گئے ہوتے تو یقیناً ان کی تحریک بہت آگے بڑھ جاتی۔ مگر ملک کے اکثر اہل نظر پہلے سے ان کے اصلی روپ میں انہیں دیکھ چکے تھے اور بعض لوگوں نے اس کشمکش کے دور میں ان کے مدوجذر سے انہیں پہچاننے کی کوشش کی، اس لئے ابھی تک انہیں حسب منشا کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ تاہم اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ علامۃ المسلمین پر یہ حقیقت واضح کر دی جائے کہ مودودی صاحب کو جس مرض کی دوا سمجھا جا رہا ہے وہ فی الواقع اس کی دوا نہیں۔ اگر آپ لوگ صحیح معنی میں اسلامی نظام کے حامی ہیں اور اپنی حکومت کو اسلامی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں تو صحیح العقیدہ مسلمانوں کی مرکزی تنظیم کا کام پوری قوت سے کیجئے اور ایوان حکومت میں ایسے لوگوں کو بھیجئے جو حقیقتاً اسلام دوست اور اسلامی نظام کے حامی ہوں۔

مودودی صاحب اپنے منہ لاکھ میاں مٹھوئیں یا ان کے حواری انہیں کتنا ہی بلند پایہ صالح، متقی اور مجدد و مجتہد بلکہ امیر الصالحین اور امام الہدی بنا ڈالیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مودودی صاحب اور ان کے مشن کو جمہور مسلمانوں کے مذہب سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔

مودودی صاحب کی تحریک کا پس منظر

مودودی صاحب نے اپنی تحریک کی بنیاد حکومت الہیہ پر قائم کی ہے۔ حکومت الہیہ کے لفظ میں مسلمانوں کے لئے جو بے پناہ جاذبیت ہے محتاجِ بیاں نہیں۔

اگرچہ وہ قیام پاکستان کے بعد حکومت الہیہ کا لفظ کبھی اتفاقاً ہی بول جاتے ہیں اور اب نئے ماحول میں متقاضائے مصلحت انہوں نے اسی پرانے چولہے پر ”اسلامی نظام“ کا عبائے جدید پہن لیا ہے اور بجائے حکومت الہیہ کے، نظام اسلامی کا نعرہ لگا رہے ہیں لیکن جب کبھی بادمخالف کے جھونکے سے اس عبا کا دامن اٹھ جاتا ہے تو حکومت الہیہ کا وہ پرانا چولہہ صاف نظر آنے لگتا ہے۔ یقیناً نہ ہو تو ۱۳ جنوری ۱۹۵۱ء کے ”کوثر“ میں مودودی صاحب کے ایک مضمون کے ضمن میں نمایاں طور پر دیکھ لیجئے ”حکومت الہیہ اور اسلام“

جمہور مسلمان ابھی تک اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ جس حکومت الہیہ کی شاہراہ عمل ایک ایسی (۱) مستقل قوت اجتہادیہ سے تعمیر کی جائے جو مجتہدین سلف میں سے کسی ایک کے علوم و منہاج کی پابند نہ ہو (خواہ وہ مجتہدین سلف امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور امام ہو) اور جس کے بانی کی نظر میں امت مسلمہ کے بڑے سے بڑے جلیل القدر الہمیین (اللہ والے اور خدا پرست لوگ) اسلام کے مستقل اصول کی خلاف ورزی کرنے والے ہوں۔ نیز اس کے خیال میں شاہ ولی اللہ اور ان کے پہلے کے مجتہدین و مجددین کی اجتہادی بصیرت بھی ناکافی ہو۔

حتیٰ کہ امام غزالی، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ جیسے لوگ اس کے نزدیک ناقص اور غلط کار ہوں، اس کی بنیاد کس چیز پر قائم ہوگی۔

اگر آپ اس حکومت الہیہ کی جڑ بنیاد تلاش کرنا چاہتے ہیں تو آئیے ہم آپ کو بتائیں۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی اپنی مشہور تصنیف کتاب خصائص امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب مطبوعہ مصر ص ۳۲ پر ارقام

فرماتے ہیں

عن عبد الله بن ابي رافع ان الحزورية لما خرجت وهم مع علي ابن ابي طالب رضى الله عنه فقالوا لاحكم الاله قال
على رضى الله عنه كلمة حق اريد بها باطل الحديث

حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی رافع فرماتے ہیں کہ جب حروریہ خوارج نے خروج کیا اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے تو انہوں نے کہا کہ اللہ کے سوا حکم کسی کے لئے نہیں ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بات حق ہے مگر کہنے والے کی مراد باطل ہے۔

مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ وہی نعرہ ہے جو آج سے تقریباً تیرہ سو برس پہلے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں نے ان کے مقابلے میں لگایا تھا۔ آج ہمیں بھی اس کے جواب میں وہی کہنا چاہئے جو مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ بات حق ہے مگر کہنے والوں کی مراد صحیح نہیں۔

ہمارے ناظرین کو تعجب ہوگا کہ خوارج تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کھلے دشمن تھے۔ مودودی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا مخالفت کی ہے کہ ان کی تحریک کو تحریک خارجیت کی نشاۃ ثانیہ کہا جائے۔ لیکن چند سطور پڑھنے کے بعد یہ امر ان پر خود بخود روشن ہو جائے گا کہ اس تعجب کی وجہ صرف یہ ہے کہ ابھی تک انہوں نے گہری نظر سے مودودیت کا مطالعہ نہیں کیا۔ ذیل کی عبارات کو غور سے پڑھیے

منصب حکومت اور اس میں ذمہ دار عہدہ کو حاصل کرنے کی خواہش و امیدواری کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں
امیدواری اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے حکومت کی ہوس، طاقت کی حرص اور اقتدار کے لالچ کا دوسرا نام ہے۔ یہ چیز بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ جو شخص یا گروہ امیدوار بن کر اٹھ رہا ہے، وہ حکومت کی بھاری ذمہ داریوں کے بجائے اس کے فوائد و منافع پر نظر رکھتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جس کی نظر فوائد کے بجائے اس کام کی ذمہ داریوں پر ہو اور اسے احساس ہو کہ خدا اور خلق کے سامنے اس کی کیسی سخت جواب دہی اس کو کرنی پڑے گی وہ اس بارِ عظیم کو خود اٹھانے کا خواہش مند نہیں ہو سکتا۔ الا یہ کہ یہ بوجھ اس پر ڈال دیا جائے۔

لہذا امیدواری فی نفسہ ایک ایسی علامت ہے جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ جس شخص میں یہ چیز پائی جاتی ہے اس کا نفس احساسِ ذمہ داری سے خالی اور حرص و طمع کے جذبات سے لبریز ہے۔ (انتخابی جدوجہد ص ۴)

اے کاش مودودی صاحب اس حرص و ہوس، لالچ اور طمع کے دائرہ کو صرف ”ارباب غرض امیدواروں“ اور ”اقتدار پسند خواہش مندوں“ تک محدود رکھتے، اسے ضابطہ کلیہ اور مستقل اصول نہ قرار دیتے تو اس کے ذیل میں وہ پاک باطن اکابر امت نہ آتے جنہوں نے ہر قسم کے اغراض دنیوی سے بنالتر ہو کر محض رضائے الہی حاصل کرنے کے لئے منصب حکومت کی امیدواری کی یا اس کے خواہشمند ہوئے مگر مودودی صاحب نے اسے اسلام کا ایک مستقل اصول قرار دے دیا جس کی زد سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
 تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
 فرماتے ہیں

”اسلام اسی وجہ سے امیدواری کا مخالف ہے۔ اس نے یہ مستقل اصول قائم کیا ہے کہ حکومت میں ذمہ داری کا کوئی منصب کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جو خود اس کا طالب ہو۔“ (انتخابی جدوجہد ص ۷)

اس عبارت میں مودودی صاحب نے صرف طلب منصب کو اسلام کے مستقل اصول کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ اب یہ مودودی صاحب ہی کی زبان سے سنئے کہ اسلام کے اس مستقل اصول کی خلاف ورزی کرنے والوں میں کون کون سی ہستیاں شامل ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں

”اس پورے گروہ میں صرف حضرت سعد بن عبادہ ایک ایسے شخص تھے جن کے اندر امیدواری کی بو پائی جاتی تھی مگر سب کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجماع میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا، نہ ان کی روٹ کو پسند کیا اور مرتے دم تک وہ منفرد ہی رہے۔“ (انتخابی جدوجہد ص ۷۷)

آگے چل کر صفحہ ۲۸ پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں

”پھر جو روایات آپ کے دعوائے خلافت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں ان سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اس منصب کو حاصل کرنے کے لئے کوئی جدوجہد کی تھی بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس کے خواہش مند تھے۔“

اس کے بعد مودودی صاحب نے اس سے زیادہ کھلے لفظوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت پر حریص اور اس کا خواہش مند قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی صفحہ ۲۸ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری وقت کا ایک مقولہ نقل فرمایا ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں

وما يمنعني منك يا علي الا حرصك عليها

”اور اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہیں اپنا خلیفہ تجویز کرنے سے مجھے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ تم (اس پر حریص اور) اس کے خواہش مند ہو۔“

مودودی صاحب کی ان عبارات کو ان کے مستقل اصول اور حرص و ہوس، لالچ اور طمع کے حکم سے ملائیے تو نتیجہ واضح ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حرص و ہوس اور لالچ و طمع میں گرفتار اور اسلام کے مستقل اصول کے مخالف تھے۔

اگر مودودی صاحب کے دل میں ان بزرگوں کی ذرہ برابر بھی وقعت ہوتی تو وہ اپنے اس نظریے پر نظر ثانی کرتے اور جن دلائل کی روشنی میں انہوں نے یہ نظریہ قائم کیا تھا، ان میں غور کر کے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے کہ یہ بزرگ جن کی موجودگی میں سارا قرآن

کریم نازل ہوا اور ان کی تمام عمر رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں گزری، جن کو آقائے نامہ ﷺ نے اپنی مبارک زبان سے نجوم ہدایت فرمایا اور ان کے حق میں ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين“ ارشاد فرما کر امت مسلمہ کو ان کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا، وہ کس طرح اسلام کے مستقل اصولوں کی خلاف ورزی کرنے والے ہو سکتے ہیں اور اس نظر کے مطابق انہیں کیونکر حریص اور لالچی قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور یہ بات انکی شان کے لائق کب ہو سکتی ہے کہ انکے نفوس قدسیہ احساس ذمہ داری سے خالی ہوں۔

مگر مودودی صاحب کو ان چیزوں پر غور کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ تو اپنے مقابلہ میں کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ انہوں نے آگے چل کر ایک سیشن جج کی صورت میں حضرت سعد بن عبادہ انصاری اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس امیدواری کے خلاف نہ صرف بلکہ آخری فیصلہ صادر فرما دیا۔ جس کی اپیل حکومت الہیہ میں بھی نہ ہو سکے۔

ارشاد ہوتا ہے

آخری فیصلہ کن بات اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام یا بزرگانِ سلف میں سے کسی کا عمل ایک طرف ہو اور اللہ اور رسول کے صاف صاف ارشادات دوسری طرف تو ہمارے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں کہ خدا اور رسول کے فرمان کو چھوڑ کر کسی بزرگ کے عمل کو اپنے لئے قانونِ زندگی قرار دیں۔

جس کا جو عمل بھی فرمانِ خدا اور رسول سے مختلف ہو وہ ایک لغزش ہے نہ کہ حجت ان بزرگوں کی خوبیاں اور خدمات اتنی تھیں کہ ان کی لغزشیں معاف ہو جائیں گی مگر ہم سے زیادہ بد قسمت کون ہو گا۔ اگر ہم اپنے گناہوں کے ساتھ اگلے پچھلے بزرگوں کی لغزشیں بھی جن جن کو اپنی زندگی میں جمع کر لیں۔

دیکھا آپ نے مودودی صاحب کا زور بیان اور حاکمانہ انداز کس جرأت اور بے باکی سے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت علی مرتضیٰ کو فرمانِ خدا کا مخالف قرار دے رہے ہیں اور ان کے عمل کو لغزش بتا رہے ہیں۔ مودودی صاحب کی ٹوک قلم سے بھی لغزش نہیں ہو سکتی اور علی مرتضیٰ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا دل و دماغ عمر بھر لغزش میں مبتلا رہ سکتا ہے۔ العیاذ باللہ والیہ المشتکی حضور سید عالم ﷺ نے علاماتِ قیامت بیان فرماتے ہوئے سچ فرمایا تھا وَلَعَنَ الْاٰخِرَ هَذِهِ الْاٰمَةِ اُولَہَا۔ (رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ شریف ص ۴۷۰) ”اس امت کے پچھلے لوگ، پہلے لوگوں کے حق میں طعن و تشنیع کریں گے۔“

مودودی صاحب نے عملاً اس حدیث کی تصدیق فرمائی اور خوارج کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمانِ خدا اور رسول کا مخالف کہہ کر اپنی اصلیت ظاہر کر دی۔

پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لالچی، حریص، فرمانِ خدا اور رسول کا مخالف قرار دے کر چھوڑ دیا بلکہ درحقیقت ان کی خلافت کی جڑ کاٹ دی۔

ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ مودودی صاحب نے اسلام کا مستقل اصول بتایا ہے کہ حکومت میں کوئی ذمہ دار منصب کسی ایسے شخص کو نہ

دیا جائے جو اس کا خواہش مند اور امیدوار ہو اور یہ بھی آپ نے انہی کی زبان سے سن لیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصب خلافت کے طالب اور اس کے خواہش مند تھے۔ اسی جرم کی پاداش میں تو وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کو فرمان خدا اور رسول سے مختلف اور لغزش قرار دے چکے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفہ ہونے تک امیدوار خلافت رہنا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اجمالاً مودودی صاحب اسے تسلیم کر چکے ہیں اور تفصیل دیکھنی ہو تو تاریخ الخلفاء میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان پڑھ لیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

فلما قبضت ذکرت فی نفسی قرابتی و سابقتی و سالفتی و فضلی و انا اظن ان لا يعدل بی

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہونے لگا تو میں نے اپنے دل میں غور کیا اور اپنی قرابت حضور ﷺ کے ساتھ اور اسلام میں اپنی سبقت اور اعمال اور دیگر فضیلتوں میں دیکھا تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری خلافت میں اعتراض نہ فرمائیں گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خلافت کے معاملہ چھ آدمیوں کے سپرد کر دیا اور وہ لوگ انتخاب کے لئے بیٹھے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پھر خلافت کی خواہش پیدا ہوئی۔ جیسا کہ ان کے بیان سے ظاہر ہے۔ فرماتے ہیں ”فلما اجتمع الرهط ظننت ان لا يعدلوا بی“ (جب وہ لوگ انتخاب خلیفہ کے لئے جمع ہوئے تو میں نے گمان کیا کہ یہ لوگ میری خلافت میں دریغ نہ کریں گے۔)

مگر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو انہیں حقیقت حال کا علم ہوا اور انہوں نے پھر اپنے امر میں غور فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں ”فنظرت فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی و اذا میثاقی قد اخذ لغيری“ (جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی) تو میں نے اپنے امر پر غور کیا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میری بیعت، میری اطاعت پر غالب آگئی اور مجھ سے جو وعدہ لیا گیا تھا وہ دوسرے کی اطاعت کے واسطے لیا گیا تھا۔

بالآخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پھر خلافت کی خواہش پیدا ہوئی۔ دیکھئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ”فلما اصیب فطرت فی امری فاذا الخلیفتان الذان اخذا بعہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھما بالصلوة قد مضیا وھذا الذی قد اخذ لہ الميثق قد اصیب قبا یعنی اھل الحرمین و اھل ھذین المصرین فوثب فیھا من لیس مثلی ولا قرابۃ کھرابتی ولا علمہ کعلمی ولا سابقۃ کسابقتی و کنت احق بہا منہ۔“ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۵)

”پھر جب حضرت عثمان کی شہادت ہو گئی تو میں نے سوچا کہ وہ دونوں خلیفہ جن کی خلافت پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے نماز پڑھوا کر ہم سے عہد لیا تھا، گزر گئے اور جن کے لئے مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا، وہ بھی چل بے۔ (اب میرے سوا خلافت کا حق دار کون ہو سکتا

ہے) چنانچہ اہل حرمین اور کوفہ و بصرہ والوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اب اس امر خلافت میں ایک ایسا شخص کو پڑا (یعنی امیر معاویہ) جو نہ قرابت میں میری مثل ہے نہ علم میں، نہ سبقت اسلام میں کسی بات میں بھی وہ میری مثل نہیں اور میں ہر طرح اس سے زیادہ خلافت کا حق دار ہوں۔

حضرت علی کے بیان سے جو اقتباسات ہم نے یہاں درج کئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ ان کے دل میں ابتداء امر سے خلافت کی خواہش تھی اور یہ خواہش ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کئے جانے تک ان کے دل میں باقی رہی۔ اس تفصیل کو ذہن نشین کرنے کے بعد اس امر کا فیصلہ ناظرین کرام خود فرمائیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے خواہش مند تھے (جیسا کہ مودودی صاحب خود تسلیم کر چکے ہیں) اور مودودی شریعت میں خلافت کے امیدوار کو خلافت دینا جائز نہیں تو جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں منصب خلافت دیا، وہ سب ناجائز فعل کے مرتکب اور اسلام کے مستقل اصول کے مخالف ہوئے یا نہیں؟ اور اس صورت میں حضرت علی کی خلافت اسلام کے مستقل اصولوں کے خلاف اور ناجائز قرار پائی یا نہیں؟

اب آپ ہی بتائیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف مودودی صاحب سے بڑھ کر کون سا محاذ جنگ قائم کریں گے؟ یہی تھی وہ حقیقت جس سے ہم علامۃ المسلمین کو آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ امید ہے کہ اب ان کا تعجب کافی حد تک رفع ہو گیا ہو گا اور اس بیان کو پڑھ کر مودودیت کی جڑ بنیاد (۱) ان کے ہاتھ آگئی ہو گی۔

خارجیت کی نشاۃ اولیٰ اور ثانیہ کی دورنگی کا سبب

آپ کو معلوم ہو گا کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حضرت ابومویٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکم مقرر ہوئے اور طرفین نے اس کو منظور کر لیا تو خوارج (جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گروہ میں شامل تھے) یہ کہہ کر باغی ہو گئے کہ ”لا حکم الا للہ“ یعنی حکم تو صرف اللہ کے لئے ہے۔ آپ (علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بندوں کا حکم کیسے منظور کر لیا؟ اسی بنیاد پر انہوں نے تحریک خارجیت کو قائم کیا اور مسلمانوں کے سامنے حکومت الہیہ کا جاذب نظر نقشہ رکھ دیا۔

ان کا قول بھی یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں صاف طور پر اعلان فرما رہا ہے کہ ”ان الحکم الا للہ“ غرمانِ خدا اور رسول کے خلاف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل حجت نہیں ہو سکتا۔

چونکہ اس زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کا بازار گرم تھا اور ایک بڑی فوجی طاقت ان سے نبرد آزما تھی اس لئے وہ ماحول ہی کچھ ایسا تھا کہ اس دور کے حکومت الہیہ والے علی الاعلان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جدال و قتال کے میدان میں آ گئے۔ مگر اس زمانہ کا ماحول اس سے بالکل مختلف ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ مودودی صاحب اسی گروہِ عظیم کو اپنا آلہ کار بنانے کے

لئے حکومت الہیہ کا نعرہ لگا رہے ہیں جو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے زمانہ خلافت کو حکومت الہیہ کا دور سمجھتا ہے۔

اندریں حالات مودودی صاحب کی سیاسی مصلحتیں انہیں کب اجازت دے سکتی ہیں کہ وہ واضح طور پر بالکل وہی رنگ اختیار کریں جو ان کے سلف نے اختیار کیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے اپنی عبارت میں بہت ہی پیچ و تاب کھایا ہے اور بار بار رنگ بدلنے کی کوشش کی ہے۔ کلام کا مدوجذراں کی طبیعت کے اتار چڑھاؤ کو اچھی طرح واضح کر رہا ہے۔

مدشدید کا یہ عالم ہے کہ بے ساختہ مولائے کائنات کو فرمان خدا اور رسول کا مخالف کہہ رہے ہیں اور جذر کی یہ کیفیت ہے کہ (بالکل غیر ارادی طور پر) بزرگوں، خوبیاں، خدمات اور معافی کے الفاظ بول کر اپنے مخالفانہ جذبہ کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں لیکن یاد رہے کہ

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

مسئلہ امیدواری کی توضیح اور اس میں مودودی صاحب سے ہمارے اختلاف کی نوعیت

مودودی صاحب کے دلائل پر تبصرہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی توضیح اور نوعیت اختلاف کی تنقیح کر دی جائے۔

ارباب غرض کا اپنے اغراض فاسدہ کی خاطر اسمبلی کی ممبری یا حکومت کے کسی عہدہ کا امیدوار بن کر کھڑا ہونا بالاتفاق ناجائز اور فرمان خدا اور رسول کے خلاف ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ دنیوی حرص و طمع کی خاطر، یا احساس ذمہ داری سے بے پروا ہو کر اللہ تعالیٰ سے توفیق و تائید طلب کئے بغیر محض اپنی ذات پر وثوق و اعتماد کر کے منصب حکومت کا طالب و امیدوار ہونا بھی شرعاً مذموم ہے لیکن اگر کوئی مرد متقی (جو حکومت کا کاروبار چلانے کی پوری اہلیت رکھتا ہو) محض اس لئے حکومت میں کسی ذمہ دار منصب کا طالب ہوتا ہے کہ خوف خدا کے تحت اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح محسوس کر کے عدل و انصاف کے مطابق حکومت کے فرائض انجام دینا اس کے نزدیک موجب رضائے الہی اور باعث اجر عظیم ہے۔ کوئی دنیوی حرص و طمع اس کے دل میں نہیں۔ وہ اپنے نفس پر اقامت عدل کے بارے میں پورا وثوق رکھتا ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق و تائید کا بھی طالب ہے تو ہم اس کی اس طلب و امیدواری کو جائز بلکہ مقصود حدیث شریف ”انما الاعمال بالنیات“ مستحسن و موجب اجر و ثواب سمجھتے ہیں اور مودودی صاحب اس کو قطعاً حرام و ناجائز، نیز اسلام کے مستقل اصول کے خلاف اور فرمان خدا اور رسول کی مخالفت قرار دیتے ہیں۔

یعنی یہ بات کہ ایسا آدمی کہاں مل سکتا ہے جو تمام صفات مذکورہ کا جامع ہو اور وہ سب شرائط اس میں پائے جاتے ہوں جو اوپر بیان کئے گئے۔

اس زمانہ کا حال دنیا پر روشن ہے کہ ظاہری تقدس کے باوجود بھی باطنی پاکیزگی مفقود ہے۔ ہر طرف حرص و ہوا، خود ستائی، نفس پرستی کا دور دورہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ اس زمانہ میں ایسا آدمی نہیں مل سکتا تو مودودی صاحب صالح نمائندے کہاں سے لائیں گے؟ ان شرائط کے بغیر تو شرعاً کوئی نمائندہ صالح نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ مودودیوں کے ظاہری پردہ صالحیت میں بھی باطنی پاکیزگی مفقود ہے اور ان کی گلبانگ صالحیت، نغمہ خود ستائی سے زیادہ نہیں۔

ہمارے بیان سابق میں مودودی صاحب کے اس اعتراض کا جواب بھی آ گیا ہے کہ یہ چیز بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ جو شخص یا گروہ امیدوار بن کر اٹھ رہا ہے وہ حکومت کی بھاری ذمہ داریوں کی بجائے اس کے فوائد و منافع پر نظر رکھتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جس کی نظر فوائد کے بجائے اس کام کی ذمہ داری پر ہو اور جسے احساس ہو کہ خدا اور خلق کے سامنے اس کی کیسی سخت جواب دہی اس کو کرنی پڑے گی، وہ اس بارِ عظیم کو خود اٹھانے کا خواہش مند نہیں ہو سکتا۔ (انتخابی جدوجہد صفحہ ۴۰) اس کا مطلب یہ ہے کہ منصب حکومت کی طلب اور اس کی خواہش صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ طلب کرنے والے کی نظر اپنی جواب دہی اور حکومت کی ذمہ داریوں پر نہیں بلکہ اس کے فوائد و منافع پر ہے۔

میں عرض کروں گا کہ اپنی جواب دہی اور حکومت کی ذمہ داریوں پر نظر رکھتے ہوئے عدل و انصاف سے حکومت کرنا رضائے الہی کا موجب ہے یا نہیں؟ ہر ادنیٰ سمجھ والا انسان بھی اس کا جواب اثبات میں دے گا۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رضائے الہی کا حصول، طلب حکومت کے لئے وجہ وجیہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ اور یہ ممکن نہیں کہ ایک مردِ مومن حکومت کے دنیاوی فوائد و منافع سے بے نیاز ہو کر داد پروری اور عدل گسترے کے ذریعے صرف رضائے الہی حاصل کرنے کی غرض سے منصب حکومت کا طالب و خواہشمند ہو۔ کیا مودودی صاحب کے نزدیک اسلام میں اتنی پاکیزگی اور روحانیت بھی نہیں کہ جن لوگوں کی فطرت میں اسلام پوری طرح راسخ ہو چکا ہے وہ اس کی بدولت اپنی اس خواہش اور امیدواری کے دامن کو دنیاوی حرص و طمع سے پوری طرح پاک رکھ سکیں۔

ممکن ہے یہاں مودودی صاحب پھر یہی فرمائیں کہ چونکہ اس زمانہ میں ایسے لوگ نہیں پائے جاتے جو اپنے دامن طلب کو حرص و طمع کے داغ سے بچا سکیں اس لئے ہم نے مستقل اصول مقرر کیا کہ کسی امیدوار کو کوئی عہدہ نہ دیا جائے۔ لیکن میں ان کی خدمت میں پھر عرض کروں گا کہ بھاڑ میں جھونکیئے اس پر فتن زمانہ کو اور آگ لگائیے، اس زمانہ کے طالع و حریص جاہ امیدواروں کو۔ ہمیں اس سے کیا بحث! یہ بات تو آپ ان لوگوں سے فرمائیے جو اس زمانہ کے کسی امیدوار کے حمایتی ہوں۔ ہمیں ان سے کیا غرض۔

ہمارا مقصد تو اس ساری بحث و تمحیص سے صرف یہ ہے کہ ان صحابہ کرام کو آپ کی زد سے بچالیا جائے، جنہیں آپ نے مستقل حرعومہ و مختصرہ اسلامی اصول کے تحت رگڑ کر فرمانِ خدا اور رسول کا مخالف قرار دے دیا ہے۔ مانا کہ اس زمانہ میں ایسے لوگ کیا اب بلکہ نایاب ہیں لیکن کیا عہد رسالت میں بھی ایسے لوگ نہ تھے۔ کیا حضور ﷺ کی روحانیت سے بھی یہ بات بعید تھی کہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین، حضور ﷺ کے شرفِ صحبت سے فیضیاب ہو کر طلبِ امارت کے دامن کو حرص و طمع کے داغوں سے بچا سکیں۔

حضرت سعد بن عبادہ کے متعلق مودودی صاحب کی شدید غلط فہمی اور اس کا ازالہ

مودودی صاحب صاحب کی یہ عبارت آپ پڑھ چکے ہیں کہ

اس پورے گروہ میں صرف حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص تھے جن کے اندر امیدواری کی بویائی جاتی تھی مگر سب کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ نہ ان کی روٹ کو پسند کیا اور مرتے دم تک وہ منفرد ہی رہے۔

مودودی صاحب نے جس انداز سے حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ وہ انہی کا حصہ ہے۔ کیا مودودی صاحب ثابت کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ اس لئے نہیں دیا کہ وہ خلافت کے امیدوار تھے؟ اگر امیدواری کی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کا ساتھ چھوڑا ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو انہوں نے کیسے تسلیم کر لیا؟ وہ تو خود آپ کی تصریحات کے مطابق اخیر تک اس کے خواہش مند رہے۔

مودودی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو ان کی خلافت پر راضی نہ ہوئے اور اس معاملہ میں ان کا ساتھ نہ دیا، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے امر خلافت کو قریش میں متعین فرمایا تھا اور سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش سے نہ تھے۔

ملاحظہ فرمائیے بخاری شریف جلد ثانی ص ۱۰۵۸ ”ان هذا الامرني قریش“ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ امر خلافت قریش میں منحصر ہے۔

اگر آپ کے خیال کے مطابق صحابہ کرام نے انہیں اس لئے چھوڑا ہوتا کہ وہ خلافت کے امیدوار تھے تو سقیفہ بنی ساعدہ میں (جہاں حضرت سعد کی خلافت کے لئے انصار کا اجتماع ہوا تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں مہاجرین وہاں پہنچے تھے) حضرت سعد کے خلاف کوئی ایک صحابی تو ان کی امیدواری کو بطور دلیل پیش کرتا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد کو مخاطب کر کے فرمایا

ولقد علمت يا سعد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال و ”انت قاعد“ قریش ولالة هذا الامر۔ الخ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص)

”اور اے سعد تمہیں معلوم ہے، تمہارے سامنے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ خلافت قریش کے لئے ہے۔

اس تفصیل سے بخوبی واضح ہو گیا کہ سید الانصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف مودودی صاحب کا یہ بیان قطعاً غلط اور ان پر یہ اتہام ہے کہ ان کی امیدواری کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا اور وہ مرتے دم تک منفرد ہی رہے۔

مودودی صاحب نے اپنے اس بیان میں صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ حضرت سعد کی عزت و وقعت امت مسلمہ کی نگاہوں میں کم کر

دی بلکہ انہیں اسلام کے اس مستقل اصول کا مخالف بھی قرار دے دیا کہ حکومت میں ذمہ داری کا کوئی منصب اس کے امیدوار کو نہ دیا جائے۔ اگر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس اصول کے قائل ہوتے تو ان میں امیدواری کی بو پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔

مسئلہ امیدواری میں مودودی صاحب کے دلائل اور ان پر تنقید

مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ حکومت میں ذمہ داری کا کوئی منصب کسی ایسے شخص کو دینا جو خود اس کا طالب ہو، اسلام کے مستقل اصول کے خلاف اور شرعاً ناجائز ہے۔ اسی طرح ایسے منصب کے لئے کسی کا امیدوار اور خواہش مند ہونا بھی فرمانِ خدا اور رسول کے قطعاً خلاف ہے۔

چونکہ آپ ایک عظیم الشان ”ترجمان القرآن“ ہیں اور ساتھ ہی مجتہد اعظم بھی، اس لئے نہایت ضروری تھا کہ آپ قرآن مجید کی کسی آیت کا ایسا ترجمہ فرمائیں جس سے یہ بات قطعی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس قسم کی امیدواری انسان کو جہنم رسید کر دیتی ہے۔ لہذا قطعاً ناجائز، حرام اور خدا اور رسول کے فرمان کی صریح مخالفت ہے۔

اس اہم ضرورت کے پیش نظر آپ کافی عرصہ تک غور و خوض فرماتے رہے کہ کون سی ایسی آیت کا ترجمہ کیا جائے جس سے کم از کم فوری طور پر ہی یہ ضرورت پوری ہو سکے۔ بلکہ سورہ قصص کی ایک آیت کو تختہ مشق بنائی ڈالا۔ نئے ارشاد ہوتا ہے، قرآن شریف میں صاف فرمایا گیا

تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علواً في الأرض ولا فساداً والعاقبة للمتقين. (القصص)
 ”وہ آخرت کا گھر (یعنی جنت) ہم ان لوگوں کے لئے رکھیں گے جو زمین میں خود بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کا ارادہ رکھتے ہیں اور عاقبت صرف خدا ترس لوگوں کے لئے ہے۔“ (انتخابی جدوجہد ص ۷، ۸)

اس آیت کریمہ کے لفظ ”عُلُوًّا“ سے مودودی صاحب نے حکومت کی امیدواری اور خواہش مندی مراد لی ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ ”عُلُوًّا“ کے بعد فساد کا لفظ جب خود اس کی تفسیر کرتے ہوئے اسے سرکشی ظلم اور تکبر کے معنی میں متعین کر رہا ہے اور مفسرین کرام اس کے معنی یہی بیان کر رہے ہیں تو پھر مودودی صاحب نے محض اپنی رائے سے اس کی تفسیر کرنے کی جرأت کیسے فرمائی؟ اور اگر ان کے نزدیک ”عُلُوًّا“ سے مراد محض برتری اور بلندی ہی ہے تو اس کی امیدواری کا ناجائز ہونا خود ان کے نزدیک بھی صحیح نہیں۔ دیکھئے وہ خود اپنی ایک تقریر میں اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں

”آپ حضرات یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ آپ دراصل امت وسط بننے کے امیدار ہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ اس مقام بلند کو حاصل کریں۔ اتنے بڑے منصب کی امیدواری کے لئے اٹھ کھڑا ہونا اور نہ پھر اس کی عظمت کو محسوس کرنا، نہ اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا ایک عظیم الشان بے خبری ہے۔“ (ترجمان القرآن بابت مارچ، اپریل ۱۹۴۲ء جلد ۲۴ عدد ۳، ۴)
 مانا کہ اس عبارت میں منصب حکومت وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں مگر جو آیت مودودی صاحب نے لکھی ہے اس میں بھی تو اس قسم کا کوئی ذکر

موجود نہیں۔ پھر انہوں نے اسے منصب حکومت اور اسمبلی کی نمبری پر کیسے چسپاں فرمادیا؟

ان کی عبارت اسی لئے تو نقل کی گئی ہے کہ اگر وہ اپنی ضد پراڑے رہیں اور ”غلو“ کو محض برتری اور مطلق بلندی ہی محمول فرمائیں تو اس کا امیدوار انہوں نے اپنی ساری جماعت کو بنادیا ہے اور یقیناً وہ خود بھی اس کے امیدواروں میں ہیں۔ اس لئے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو چاہئے کہ وہ اس آیت کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اپنے اوپر پڑھ کر دم کر لیں۔

اس کے بعد مودودی صاحب نے تین حدیثیں نقل کی ہیں اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ منصب حکومت کی امیدواری جائز نہیں۔

پہلی حدیث حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کے متعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا

لا تسال الامارة فانك ان اعطيتها عن غير مسئلة اعنت عليها وان اعطيتها عن مسئلة وكنت اليها۔ (بخاری و مسلم)

”حکومت کی طلب نہ کر۔ اگر وہ تجھے بے طلب دی گئی تو خدا کی طرف سے تیری مدد کی جائے گی اور اگر وہ تیرے مانگنے سے تجھے دی گئی تو تجھ کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔“

دوسری حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

تجدون خير الناس اشدھم كراهية هذا الامر حتى يقع فيه۔ (بخاری و مسلم)

”تم لوگ ایسے شخص کو بہترین اشخاص میں سے پاؤ گے جو حکومت کے منصب سے کراہیت رکھتا ہو یہاں تک کہ وہ مجبوراً اس میں مبتلا کر دیا جائے۔“

تیسری حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے پیش کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے رشتہ داروں میں سے دو آدمیوں کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دونوں صاحبوں نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ ہم کو حکومت میں کسی منصب پر مقرر فرمایا جائے۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا، اس کے مختلف فقرے مختلف روایات میں وارد ہوئے ہیں۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے، آپ نے فرمایا

انا والله لا نولى على هذا العمل احد اسئله ولا احدا حرص عليه

”خدا کی قسم، ہم اس حکومت کے منصب پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے جو اس کا طالب ہو اور نہ ایسے شخص کو جو اس کا حریص ہو۔“

دوسری روایت میں ہے ”لا نستعمل على هذا عملنا من اراده“

”ہم اپنی حکومت کے کسی کام میں ایسے شخص کو استعمال نہیں کرتے جو اس کی خواہش رکھتا ہو۔“

ابوداؤد میں آپ کے یہ الفاظ ہیں ”ان اخونكم عندنا من طلبه“

”ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن وہ شخص ہے جو اس چیز کا طالب ہو۔“

مودودی صاحب نے ان روایات میں عموم و شمول سمجھ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی امیدواری خلافت کو بھی ناجائز اور

خلاف قرآن وحدیث قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس بات کی بھی پروا نہیں کی کہ اس صورت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت بھی شرعاً ناجائز ہو جائے گی۔

ہمارے نزدیک مودودی صاحب کی مراد قطعاً باطل و مردود ہو جائے گی۔ دلائل شرعیہ کی روشنی میں روایات منقولہ کا صحیح اور صاف مطلب یہ ہے کہ جس طالب امارت میں شرائط طلب نہ پائی جائیں، وہ اس کی طلب نہ کرے، نہ ایسے طالب کو ہم کوئی عہدہ دیں گے۔ اس قسم کے امیدوار کو اگر کوئی منصب حاصل ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید اس کے شامل حال نہیں ہوتی بلکہ وہ اس منصب کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور حرص و طمع کے ساتھ منصب حکومت طلب کرنے والا ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن ہے۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ جب طالبین منصب کو رسول اللہ ﷺ نے طلب سے منع فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہم طالب و حریص کو یہ منصب نہیں دیتے۔ ان کی باطنی کیفیت پر حضور ﷺ نور نبوت سے مطلع ہو گئے ہوں اور حضور ﷺ نے یہ دریافت فرمالیا ہو کہ یہ لوگ ابھی اس قابل بھی نہیں ہوئے کہ ان کی طلب پر وہ عہدہ انہیں دے دیا جائے اور یہ ارشادات مقدسہ ان لوگوں کے لئے شمع ہدایت کا کام دیں جو حرص و طمع سے اندھے ہو کر مناصب حکومت کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

ہم نے بیان سابق میں اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ ہماری اس بحث کا تعلق موجودہ زمانہ کے امیدواروں سے نہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مقدس دامن سے ان بدنام داغوں کا ازالہ کر دیں جو مودودی صاحب نے لگائے ہیں۔ ہمارے اس دعویٰ پر کہ طلب امارت کی شرائط کے ساتھ رضائے الہی کی خاطر حکومت کا عہدہ طلب کرنا جائز ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہی ثبوت کے لئے کافی تھا لیکن مودودی صاحب اسے خلاف قرآن وحدیث سمجھ کر اس کے حجت ہونے کے منکر ہیں اس لئے ہم رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ طلب منصب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں شرائط طلب پائے جائیں وہ جائز ہے اور ایسے طالب منصب کے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ دوسری وہ جو ان شرائط سے خالی ہو، اس کی بنیاد حرص و طمع، ظلم و جور کے سوا کسی چیز پر نہ ہو، ایسی طلب ناجائز ہے اور اس طالب کے لئے نارِ جہنم کی وعید ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طلب قضاء المسلمین حتی ینالہ ثم غلب عدلہ جورہ فلہ الجنة ومن غلب جورہ عدلہ فلہ النار۔ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۳۴۴)

”جس نے قضاء مسلمین کا عہدہ طلب کیا، یہاں تک کہ اسے پالیا۔ پھر اس کا عدل اس کے جور پر غالب آ گیا تو اس کے لئے جنت ہے اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب آ گیا تو اس کے لئے دوزخ ہے۔“

اس حدیث میں عہدہ قضاء طلب کرنے والے کے لئے (جبکہ وہ ظلم سے بچ کر عدل و انصاف کرے) جنت کا وعدہ ہے۔ اگر عہدہ قضا کی طلب مطلقاً ناجائز و حرام اور فرمانِ خدا و رسول کے خلاف ہوتی تو ہر حال میں اس پر وعدہ جنت کے بجائے جہنم کی وعید ہوتی۔

مودودی صاحب اس حدیث کے متعلق رقمطراز ہیں

☆ ”یہاں جواز و عدم جواز یا کراہت و استحباب کی بحث ہے ہی نہیں۔“ (انتخابی جدوجہد ص ۲۵)

سبحان اللہ! جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو آپ نے جواز و عدم جواز کی بحث ہی کو سرے سے اڑا دیا۔

خوب ہو گا کہ نہ سر ہو گا نہ سودا ہو گا

کیا مودودی صاحب فرما سکتے ہیں کہ جن حدیثوں سے انہوں نے طلب منصب کو مطلقاً ناجائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان میں جواز و عدم جواز یا استحباب کی بحث ہے؟

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ مودودی صاحب ایک جگہ جواز و عدم جواز کی بحث کو مفید مطلب سمجھ کر تسلیم کر لیتے ہیں اور دوسری جگہ خلاف مدعا جان کر اس کا انکار فرما دیتے ہیں۔ فیہا للعجب!

تفاوت میں تقاوت راہ از کجا ست تا کجا

اب میں بتاؤں کہ شارحین حدیث نے اس حدیث کی کیا تشریح فرمائی ہے۔ علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں وقد یختلج انه قد سبق من طلب القضاء وکل الی نفسه فکیف قسمه فی هذا الحدیث الی من غلب عدله ومن غلبه جورہ وحاصل ما یوجہ به الکلام ان المراد بالطلب ههنا ما یكون للحق والتمام من نفسه اقامة وطالب للتوفیق والتأیید من الله ومثله لا یكون موکولا الی نفسه والذي غلب جورہ عدله اشارہ الی من لا یكون حاله کذا لک وهو یكون موکولا الی نفسه فیغلب جورہ عدله۔ انتہی

”یہاں یہ غلجان پیدا ہوتا ہے کہ جب اس سے پہلے حدیث میں یہ گزر چکا ہے جس نے عہدہ قضا طلب کیا اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ تو پھر اس طلب کو باعتبار غلبہ عدل وغلبہ جور قسموں (قلہ البیئہ ولہ النار) کی طرف کیسے منقسم فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں (جس طلب پر وعدہ جنت ہے اس سے) وہی طلب مراد ہے جس میں طالب کو اقامت حق میں اپنے نفس کی جانب سے پورا اطمینان ہو اور بائیں ہمہ وہ طالب توفیق و تائید الہی بھی ہو۔ اس جیسے شخص کو مخاطب اللہ اس کے نفس کے حوالہ نہیں کیا جاتا (بلکہ وہ موید من اللہ ہوتا ہے) اور جس طلب میں وعید جہنم ہے، اس سے وہ طلب مراد ہے جس میں طالب کو وہ اقامت حق پر اپنے نفس کی طرف سے وثوق کامل نہ ہو (بلکہ وہ اقامت حق سے عاجز ہو یا کسی رعایت و مروت میں ارتکاب ظلم کا اندیشہ رکھتا ہو) نیز وہ توفیق و تائید الہی کا طالب بھی نہ ہو۔ الفاظ حدیث ”والذی غلب جورہ عدله“ (جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب ہو جائے) ایسے ہی شخص کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کا حال ایسا نہ ہو (جیسا کہ طالب توفیق کا ہوتا ہے) اور اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا تو اس کا ظلم اس کے عدل پر غالب ہو جاتا ہے (یعنی بجز ظلم کے اس سے عدل کا صدور ہی نہیں ہوتا)“

الحمد للہ! علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو ہم عرض کر چکے تھے۔ علامہ موصوف نے طلب قضا کی دو قسمیں بیان فرما کر ان تمام شکوک و اوہام کا ازالہ فرما دیا جو مودودی صاحب کے بیان سے پیدا ہوئے تھے اور صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم! جمعین خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ذواتِ قدسیہ سے وہ الزامات بھی کلیۃً دور کر دیئے جو مودودی صاحب نے ان پر عائد کئے تھے۔

میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ مودودی صاحب کی اجتہادی نگاہ بصیرت جس میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے عمل کا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا، علامہ طیبی کے کلام کو کیا وقعت دے سکتی ہے؟ لیکن اہل حق بھی ایسے شخص کی رائے کو پریشہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے جو مولائے کائنات پر فرمانِ خدا و رسول کی مخالفت کا الزام لگاتا اور ان کی رائے کو حقیر سمجھتا ہے۔

بہر کیف یہ امر آفتابِ نصف النہار کی طرح واضح ہو گیا کہ طلبِ امارۃ کے ناجائز ہونے پر مودودی صاحب نے جو روایات پیش کی ہیں ان میں عموم نہیں بلکہ ان کا ایک خاص محل ہے یعنی شرائطِ طلبِ مفقود ہونے کی صورت میں حرص و طمع اور دنیاوی مفاد کی خاطر طلبِ قضاء جائز نہیں۔ احادیث میں ایسی مثالیں بہت مل سکتی ہیں جن میں الفاظِ عموم ہونے کے باوجود محلِ خاص مراد ہے۔ یہاں چند حدیثیں بیان کی جاتی ہیں۔ شاید مودودی صاحب انہیں سمجھنے کی کوشش کریں۔

۱۔ من سکن البادية جفا ومن اتبع الصيد غفل ومن اتى السلطان افتن۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی مشکوٰۃ شریف)
”جس نے دیہاتی سکونت اختیار کی وہ قسی القلب ہو گیا اور جس نے شکار کا پیچھا کیا وہ (اطاعتِ الہی سے) غافل ہو گیا اور جو بادشاہ کے پاس آیا وہ فتنہ میں مبتلا ہو گیا۔“

۲۔ اياكم والظن فان الظن اكذب الحديث وفي رواية ولا تنافسوا متفق عليه.
”تم اپنے آپ کو ظن سے بچاؤ اس لئے کہ ظن اکذب الحدیث ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تم رغبت نہ کرو۔“
۳۔ ان الميت ليعذب ببكاء اهله اليه.

”بے شک میت پر اہل میت کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔“
کیا مودودی صاحب کے نزدیک ان حدیثوں میں بھی عموم و شمول ہے؟ کیا وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سلف صالحین جو دیہات میں سکونت پذیر رہے، معاذ اللہ سب قسی القلب ہو گئے تھے یا جن اکابر ملت نے کبھی شکار کر لیا، مودودی صاحب انہیں لہو و لعب کا مرتکب اور اطاعتِ الہی سے غافل سمجھتے ہیں۔ کیا وہ بزرگانِ ملت جو شرعی ضرورتوں کے پیش نظر بادشاہوں کے پاس گئے، مبتلائے فتنہ ہو گئے؟ کیا مودودی صاحب بتا سکتے ہیں کہ ہر قسم کا ظن (خواہ وہ کسی مومن کے حق میں حسن ظن ہی کیوں نہ ہو) اکذب الحدیث ہے؟ اور ”ولا تنافسوا“ کے تحت ہر قسم کا تنافس ممنوع ہے۔ اگر یہاں عموم صحیح ہو تو آیت قرآنی ”وفى ذلك فليتنافس المتنافسون“ کے کیا معنی ہوں گے؟ کیا یہ بات کسی طرح صحیح ہو سکتی ہے کہ ہر میت کو (خواہ وہ کیسا ہی متقی کیوں نہ ہو) اس پر اس کے اہل کے رونے کی وجہ سے ضرور عذاب ہوتا ہے۔

غالباً کوئی معمولی سمجھ والا انسان بھی ان حدیثوں میں عموم و شمول کا قائل نہیں ہو سکتا پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ استحالہ شرعی کے

باوجود مودودی صاحب اپنی پیش کردہ حدیثوں میں عموم و شمول کے کیسے قائل ہو گئے۔

یہاں مودودی صاحب یہ ضرور کہیں گے کہ اس فتنہ کے زمانہ میں اگر طلب حکومت کو پوری طرح بند نہ کیا جائے تو حکومت کے ذمہ دار عہدے نا اہلوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ شریعت مطہرہ کے حکم خاص کو عام کر دینا آپ کے اختیار میں نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو یہ ادعائے تشریع ہو گا جس کا دروازہ نبی کریم ﷺ کے بعد بند ہے۔ پھر یہ کہ مسائل دینیہ کو کسی زمانہ میں بھی کسی اعتبار سے نا کافی سمجھنا، انہیں نا قابل عمل قرار دینا ہے۔ ملحدین زمانہ آج کل یہی کہہ رہے ہیں کہ اسلام و قرآن کے احکام آج سے تیرہ سو برس پہلے قابل عمل ہوں گے مگر اس دور کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وہ کسی طرح کافی نہیں ہو سکتے۔

امیدواری کے باوجود ناجائز ہونے کو اگر آپ اسلام کا مستقل اصول قرار دینے کے بجائے اسے اپنے ”انتخابی دستور“ کا ایک اصول بنا لیتے جیسا کہ عام طور پر انجمنیں اور جماعتیں قواعد و ضوابط کے ضمن میں اپنے اصول و آئین وضع کر لیتی ہیں تو اس صورت میں متوقع مفاسد کا انداد بھی ہو جاتا اور ہمیں اس مسئلہ میں آپ کے ساتھ کوئی اختلاف بھی نہ رہتا۔ آگے چل کر مودودی صاحب نے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کمزوریاں بیان کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری وقت کے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جو انہوں نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے تھے۔

وما يمنعني منك يا عثمان الا عصيتك وحب قومك وما يمنعني منك يا علي الا حرصك عليها وانك احدي القوم ان وليتها ان تستقيم على الحق المبين الصراط المستقيم۔ (الامامة والسياسة لابن قتيبة ص ۲۳) (انتخابی جدوجہد ص ۲۸)

”اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے تم کو اپنا جانشین تجویز کرنے سے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ تم اپنے خاندان (بنی امیہ) کے لئے تعصب رکھتے ہو اور ان کی محبت میں گرفتار ہو اور اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم کو اپنا جانشین بنانے سے مجھے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ تم اس کے خواہش مند ہو ورنہ حق یہ ہے کہ اس پورے گروہ میں سب سے بڑھ کر تم ہی ایسے آدمی ہو کہ اگر منصب خلافت پر مقرر کئے جاؤ تو ٹھیک ٹھیک حق اور راہِ راست پر قائم رہو گے۔“

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منصب خلافت کے لئے ان کی اس کمزوری کی وجہ سے تجویز نہ کیا کہ وہ اپنی قوم (بنی امیہ) کے لئے تعصب رکھتے تھے اور ان کی محبت میں گرفتار تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ ان کی نظر میں سب سے زیادہ خلافت کے اہل تھے اور منصب خلافت پر قائم کئے جانے کے بعد وہ ٹھیک ٹھیک حق مبین اور صراطِ مستقیم پر قائم رہتے مگر ان میں کمزوری یہ تھی کہ وہ منصب خلافت کے خواہش مند اور اس پر حریص تھے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بھی منصب خلافت کے لائق نہ سمجھا۔

مودودی صاحب کا یہ انداز بیان ان کے اس مقصد کو واضح کر رہا ہے کہ وہ مقولہ کو نقل کر کے لوگوں کے ذہن میں اپنے اس نظریہ کی پختگی پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ منصب حکومت کے خواہش مند کو (خواہ اس میں کتنے ہی اہل کیوں نہ پائے جائیں اور وہ اس کا کتنا ہی حقدار کیوں نہ ہو، کسی حال میں وہ منصب دینا جائز نہیں)

لیکن قابل غور یہ امر ہے کہ اگر یہاں جواز و عدم جواز کی بحث کو تسلیم کر لیا جائے تو اس مقولہ کی رو سے جس طرح منصب حکومت کے خواہش مند کو وہ منصب دینا ناجائز ثابت ہوگا۔ بالکل اسی طرح اپنی قوم کے لئے عصبيت رکھنے والے اور ”محبت خاندان“ کو بھی حکومت کا کوئی عہدہ دینا ناجائز ثابت ہو جائے گا۔ نتیجہ واضح ہے کہ مودودی صاحب کے نظریات کی بنا پر جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ناجائز قرار پا چکی ہے۔ ویسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بھی ناجائز قرار پائے گی اور یہ حقیقت ہے کہ مودودی صاحب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اسلام کا اجتماعی نظام صحیح معنی میں اسلامی نہ تھا بلکہ اس میں جاہلیت (کفر و شرک) کی آمیزش ہو چکی تھی۔ دیکھئے وہ تجدید و احیاء دین میں صاف لکھتے ہیں

”اور دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر اس کا عظیم (خلافت کا بار رکھا گیا تھا ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔“
(تجدید و احیاء دین ص ۲۲)

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ اس عبارت میں کس دلیری سے مودودی صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نااہلی بیان فرمائی ہے اور کس انوکھے طرز میں ان کی خلافت کو جاہلیت میں تبدیل کر دیا۔

مودودی صاحب کی نظر میں خلافت راشدہ کا عبرتناک انجام

مودودی صاحب نے تجدید و احیاء دین کے صفحہ ۲۲ پر خلافت راشدہ کا ذکر کرتے ہوئے صرف حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کامل لیڈر قرار دیا ہے۔ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو خلافت راشدہ نہیں کہا۔ اس لئے ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سرے سے جائز ہی نہ تھی۔ پھر وہ خلافت راشدہ کیسے ہوتی؟ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے نزدیک خلافت کے اہل نہ تھے۔ اسی لئے انہوں نے حضرت عثمان کی خلافت کے چند ابتدائی سالوں میں وہ نقشہ تسلیم کیا ہے جو نبی ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔ باقی تمام دور عثمان ان کے خیال میں جاہلیت کی نظر ہو گیا کیونکہ جب بقول ان کے اسلامی نظام میں جاہلیت گھس آئی تو اسلام یقیناً رخصت ہو گیا۔ اس لئے کہ جاہلیت کے ساتھ اسلام کا اجتماع کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ اس صورت میں مودودی صاحب کے نزدیک خلافت راشدہ کا جو عبرتناک انجام ہوا وہ ظاہر ہے کہ چند ابتدائی سالوں کے علاوہ خلافت عثمان کا سارا دور جاہلیت کی بھینٹ چڑھ گیا اور لطف یہ ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک جاہلیت کا وہ طوان بڑھتا ہی رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے اس کو روکنے کے لئے اپنا سر دیا مگر بے کار رہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان قربان کی مگر کچھ نہ ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چند ابتدائی سالوں کے بعد اسلامی نظام جاہلیت کی لپیٹ میں آ گیا اور اب تک جاہلیت کے زیر اثر ہے۔ اب مودودی صاحب اس کو از سر نو اصلی صورت میں قائم کر کے مہدویت کے فرائض انجام دیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ مودودی نظریات کی روشنی میں اس خلافت علی منہاج البوت کی جس کی بنیادوں پر انہوں نے بزم خود اپنی تحریک کو قائم کیا ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ مودودی صاحب اتنی سیدھی اور صاف بات کو بھی نہ سمجھ سکے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خلافت کے خواہش مند کو خلافت دینا ناجائز ہوتا تو وہ ان چھ آدمیوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیسے شامل کر لیتے جن کی طرف امر خلافت کو مفوض فرمایا تھا۔ کیا ان کی نظر سے بخاری شریف کی یہ حدیث بھی نہیں گزری

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما اجد احق بهذا الامر من هؤلاء النفر الذين توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض فسمي عليا وعنه والزبير وطلحة وسعدا وعبد الرحمن۔ رواه البخاری۔ مشکوٰۃ ص ۵۶۵

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (آخری وقت میں) فرمایا کہ ان لوگوں سے زیادہ خلافت کا حق دار کون ہو سکتا ہے جن کے راضی ہونے کی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے وفات فرمائی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبد الرحمن (رضی اللہ عنہم اجمعین) کا نام لیا۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔“

ہمارے نزدیک حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو منصب خلافت کے لئے تجویز کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی ہچکچاہٹ ظاہر کرنا ان دونوں حضرات میں کسی کمزوری کے احساس کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس احساس ذمہ داری اور خوفِ خدا پر مبنی تھا جو ایک عظیم الشان پرہیزگار، متقی امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے ان کے شایانِ شان تھا اور نہ وہ جانتے تھے کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں اپنی قوم کے لئے عصبیت و محبت کا جذبہ کسی نفسانی خواہش کی بنا پر نہیں بلکہ وہ ”رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ“ کا مظہرِ کامل ہیں اور ان کی اس عصبیت و محبت کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ہے کہ تم ذوی القربیٰ کے ساتھ صلہ رحمی اور احسان کرو۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش بھی ان کے نزدیک طمعِ نفسانی اور خواہشاتِ دنیوی کی بنا پر نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب سمجھتے تھے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض رضائے الہی کی خاطر منصب خلافت کے خواہش مند ہیں۔ اگر انہیں ان دونوں بزرگوں میں ذرہ برابر کمزوری نظر آتی تو وہ ان چھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہرگز شامل نہ کرتے جنہیں خلافت کا معاملہ سونپا تھا کیونکہ ایسا کرنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک احساس ذمہ داری، خوفِ خدا، حزم و احتیاط اور ان کی سیاسی بصیرت کے قطعاً منافی تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اس مقولہ میں ان مطلب پرست اور اقتدار پسند لوگوں کے لئے رشد و ہدایت کا ایک پیغام بھی دے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عصبیت قومی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امیدواری خلافت کو آڑ بنا کر اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے والے ہوں گے۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حضرت عثمان کی عصبيت و محبت قومی ان کے حق میں کوئی کمزوری تھی نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امید واری خلافت فرمان خدا اور رسول کی خلاف ورزی بلکہ دونوں مقدس ہستیوں کا جذبہ محبت و طلب، تعمیل ارشاد ایزدی اور تحصیل رضائے الہی پر مبنی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ناحرگی خلافت میں اپنے قول سے اپنی ہچکچاہٹ ظاہر کر کے ایک طرف تو اپنے احساس ذمہ داری کا اظہار کر دیا اور دوسری طرف خلاف شرع قومی عصبيت رکھنے والوں اور طمع دنیوی کی خاطر منصب حکومت کے امیدواروں کو تنبیہ فرمادی کہ تم اپنی اس ناجائز قومی عصبيت اور حب ریاست کی وجہ سے منصب حکومت کے اہل نہیں ہو سکتے۔ پھر ان دونوں بزرگوں کو مستحقین خلافت میں شامل کر کے عملی طور پر دونوں کی پوزیشن کو واضح کر دیا تاکہ کسی دشمن کو ان پر ناجائز عصبيت اور دنیاوی حرص کی خاطر طلب خلافت کا الزام لگانے اور انہیں خدا اور رسول ﷺ کے فرمان کا مخالف کہنے کا موقع نہ ملے۔

قرآن مجید کی روشنی میں مسئلہ امیدواری کا حل اور مودودی صاحب کے شبہات کا ازالہ

قرآن مجید میں (جس کی شان ”تَبَيَّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ“ اور ”بَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى“ ہے) ایک آیت بھی ایسی نہیں جس سے منصب حکومت کی طلب کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہو۔ بلکہ اس میں ایسی صاف اور صریح آیتیں موجود ہیں جن سے واضح طور پر ثابت ہے کہ طمع دنیاوی سے پاک ہو کر رضائے الہی حاصل کرنے کے لئے منصب حکومت کی طلب جائز بلکہ سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔

ان میں سے پہلی آیت یہ ہے ”أَجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا“ (مجھے ملک کے خزانوں پر حاکم مقرر کر دے، میں حفاظت کرنے والا جانے والا ہوں۔)

یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا کہ مجھے ملک کے خزانوں پر بطور حاکم مقرر کر دے۔ اگر منصب حکومت کی طلب ناجائز ہوتی تو یوسف علیہ السلام کیوں طلب فرماتے اور اگر یہ حکم شریعت محمدیہ میں منسوخ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس پر انکار فرما دیتا مگر ایسا نہیں ہوا اس لئے ہماری شریعت میں بھی یہ حکم بدستور باقی رہا۔

جب مودودی صاحب سے اس آیت کریمہ کا کوئی معقول جواب نہ ہو سکا تو بادلِ خواستہ فرماتے ہیں ”حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ محض استثنائی نظیر ہے۔ عام قانون یہی ہے کہ ایک خدا ترن آدمی کو خود برتری اور بالادستی کا طالب نہ ہونا چاہئے۔“

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ عام قانون کے لئے قرآن مجید میں ایسا ایک لفظ بھی نہیں پایا جاتا جس سے طلب منصب کی ممانعت مفہوم ہوتی ہو اور استثناء کی نظیر میں پوری آیت موجود ہے۔ شاید مودودی صاحب اس معممہ کو حل کر سکیں۔ پھر یہ کہ جس کلیہ سے کسی فرد کو خاص کر لیا گیا وہ عام کب رہا؟ اسے عام قانون کہنا مودودی صاحب کی حدت طبع نہیں تو اور کیا ہے؟

آگے چل کر مودودی صاحب نے صورت استثناء کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی صالح شخص یا گروہ مدیکھے کہ ملک میں کوئی صالح آدمی یا گروہ اس کے سوا موجود نہیں اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر اس نے خود آگے بڑھ کر زمام کار ہاتھ میں نہ لی تو خدا کی

زمین کا انتظام فساق و فجار یا کفار و شرکین کے ہاتھ میں چلا جائے گا تو اس وقت اس صالح شخص یا گروہ کے لئے جائز بلکہ لازم ہے کہ اپنے آپ کو منصب حکومت کے لئے خود بخود پیش کر دے۔ یوسف علیہ السلام کا مطالبہ ایسے ہی حالات میں ہوا تھا۔ اگر ہمارے ملک میں بھی یہ صورت حالات پیدا ہو جائے تو ہم بھی صلحاء کے لئے امیدواری کو جائز قرار دیں گے۔

بے بنیاد عمارتیں اسی طرح منہدم ہوا کرتی ہیں اور بناوٹی اصول کا یہی عبرتناک انجام ہوتا ہے۔ ناظرین کرام نے دیکھا کہ مودودی صاحب کے کلیہ کی نزاکت ایک خفیف سے معارضہ کی بھی تاب نہ لاسکی اور ان کے مستقل اسلامی اصول کا عموم و شمول استثناء کی نذر ہو کر خصوص کی شکل میں تبدیل ہو کر رہ گیا یعنی مودودی صاحب نے اس آیت کے پیش نظر ایک صورت میں طلب حکومت کے جواز کو تسلیم کر لیا اور یہ مان گئے کہ ہمارے عدم جواز کے حکم میں عموم و شمول نہیں۔

اگر مودودی صاحب اس کے ساتھ ہی ہماری پیش کردہ حدیث ”من طلب قضاء المسلمین“ کے مطابق اس بات کو بھی تسلیم کر لیتے کہ احساس ذمہ داری اور حکومت کی اہلیت رکھتے ہوئے فوائد دنیوی سے بے نیاز اور حرص و طمع سے پاک ہو کر اپنے نفس کی جانب سے اقامت حق کے بارہ میں وثوق کامل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق طلب کرتے ہوئے رضائے الہی کی خاطر بھی منصب حکومت کا خواہش مند اور امیدوار ہونا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے خواہش مند ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر امیدواری خلافت کی بویاں گئی اور اس میں ان کا کیا حرج تھا۔ کتاب و سنت کی کون سی نص انہیں اس قول سے روکتی تھی اور شرعی نقطہ نظر سے اس میں کیا قباحت لازم آتی تھی۔ بجز اس کے کہ اس صورت میں مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ اور رئیس الانصار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا دامن، ان پر عائد کردہ معصیت کے بدنامہ داغوں سے پاک ہو جائے۔ اگر مودودی صاحب کے نزدیک ان پاک بازوں کا ارتکاب معصیت سے پاک ہونا ہی شرعاً قبیح ہے تو وہ شوق سے اپنی ضد پر اڑے رہیں لیکن کوئی حق پسند مسلمان ان کے اس نظریہ کو قبول نہیں کر سکتا۔

آخر میں مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ ”اگر خدا نخواستہ ہمارے ملک میں بھی یہ صورت حالات پیدا ہو جائے (جو یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھی) تو ہم بھی صلحاء کے لئے امیدواری کو جائز قرار دیں گے۔“ ان کا کھلے لفظوں میں اعتراف شکست اور عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنا ہے۔

جن لوگوں نے مودودی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے ان سے یہ امر مخفی نہیں کہ مودودی صاحب کے نزدیک ان کے ملک میں وہ صورت حال پیدا ہو چکی ہے۔ ان کے خیال میں اسلام و مسلمین جاہلیت (کفر و شرک کے اثرات) کا شکار ہو چکے ہیں۔ وہ صرف انہی لوگوں کو مسلمان اور صالح سمجھتے ہیں جو ان کے مقررہ معیار کے مطابق اور ان کے گروہ (اسلامی جماعت) میں شامل ہوں۔ اسی صورت حالات کو محسوس کر کے انہوں نے اپنے گروہ صالحین کو الیکشن کے میدان میں کھڑا کیا ہے اور وہ پوری قوت سے اس اندیشہ کا اعلان کر رہے ہیں کہ اگر وہ صالحین (جماعت اسلامی) نے آگے بڑھ کر زمام کار ہاتھ میں نہ لی تو خدا کی زمین کا انتظام فساق و فجار کے ہاتھ میں چلا جائے گا اور

نظام صالح برپا کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

ان حقائق کی روشنی میں ناظرین کرام غور فرمائیں کہ مودودی صاحب کا یہ آخری جملہ ان کی اعتراف شکست اور ابلہ فریبہ کا آئینہ ہے یا نہیں؟

دوسری آیت ملاحظہ فرمائیے ”رب ھب لی ملکا لا یتبغی لاحد من بعدی۔“ (ص) (اے میرے رب مجھے ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔)

یہ سلیمان علیہ السلام کی دعا ہے۔ وہ نبی ہو کر اللہ تعالیٰ سے ملک عظیم کے طالب ہیں اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوس قدسیہ نفسانی خواہشات اور شیطانی اثرات سے پاک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کو قرآن مجید میں بیان فرما کر اس پر انکار نہیں فرمایا۔ لہذا امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے جائز ہے کہ وہ سنت سلیمانی کے مطابق پاک باطنی اور نیک نیتی کے ساتھ منصب حکومت طلب کرے۔

مودودی صاحب نے اس آیت کریمہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کی قرآن فہمی اور اجتہادی بصیرت پر بہت اچھی روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں

”سورہ ص کا تیسرا رکوع نکال کر دیکھ لیجئے۔ وہاں سلسلہ کلام خود بتا رہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا فرما کر مانروا ہونے کے بعد کی ہے نہ کہ اس سے پہلے اور اس کا مدعا یہ نہ تھا کہ خدایا مجھے بادشاہ بنادے بلکہ یہ تھا کہ مجھے ایسی طاقت بخش جو میرے سوا کسی اور فرمانروا کو حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو دیا وہ یہ تھا کہ ان کے لئے ہوا اور شیا طین کو مسخر فرمادیا۔“ (انتخابی جدوجہد ص ۲۹)

مودودی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ دعا فرمانروا ہونے کے بعد کی گئی ہے اس لئے اس کا مدعا یہ نہیں ہو سکتا کہ ”خدایا مجھے فرمانروا کر دے“ لیکن میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ ایک ایسا مرد متقی جس کا ہدایت پر ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو، جب اپنی ہر نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے وہ اپنے رب سے یہ دعا کرے کہ

”اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ (اے میرے رب مجھے سیدھی راہ دکھا)

تو کیا مودودی صاحب اس موقع پر بھی یہ کہیں گے کہ چونکہ یہ دعا ہدایت پانے کے بعد کی گئی ہے اس لئے اس کا یہ مدعا نہیں کہ خدایا مجھے ہدایت کر۔ شاید مودودی صاحب کے نزدیک ایک نعمت حاصل ہونے کے بعد اس کے لئے دعا کرنا جائز نہیں۔

رہا یہ شبہ کہ حاصل شدہ چیز کے لئے دعائے حصول بدہیئت بے معنی اور تحصیل حاصل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دراصل دو چیزیں ہیں۔ ایک ”نعمت“ دوسری ”زیادتی نعمت“۔ زیادتی ایک ایسا امر ہے جس کی کوئی حد متعین نہیں کی جاسکتی۔ کسی نعمت کے حصول کے بعد جب بھی اس کے لئے دعا ہوگی تو اس سے زیادتی مراد ہوگی۔

اس دعائے ہدایت کو لے لیجئے۔ مبادیاتِ اسلام سے ہدایت کا آغاز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے عرفان تک وہ مدارج پہنچتے ہیں۔ پھر چونکہ ذات و صفات باری کے لئے کوئی حد نہیں اس لئے اس کی معرفت کے درجات بھی کہیں ختم نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے اس کی راہیں بھی بے شمار ہیں۔ لہذا مومن متقی جب بھی سیدھا کرتا ہے کہ

”اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ (اے میرے رب مجھے سیدھی راہ دکھا)

تو اس سے مرتبہ ہدایت ہی کی طلب مقصود ہوتی ہے مگر اس مرتبہ ہدایت کی جو اس سے پہلے اسے حاصل نہ تھا۔

بالکل اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کو بھی سمجھ لیجئے کہ وہ فرمانروائے کے بعد بھی فرمانروائی طلب کر رہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اے میرے رب تو نے جس درجہ کی فرمانروائی مجھے عطا فرمائی ہے، اس سے زیادہ بلند پایہ فرمانروائی عطا فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ قبول فرمائی اور شیاطین و جنات کو بھی ان کا تابع فرمان بنادیا۔ اب بتائیے! یہ حکومت و فرمانروائی کی طلب ہوئی یا نہیں؟ مودودی صاحب سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کے متعلق فرماتے ہیں ”اس کا مدعا یہ نہ تھا کہ خدایا مجھے کو بادشاہ بنادے بلکہ یہ تھا کہ مجھے ایسی طاقت بخش جو میرے سوا کسی اور فرمانروا کو حاصل نہ ہو۔“

مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حکومت طلب نہ کی تھی بلکہ ایک ایسی طاقت کا سوال کیا تھا جو سب فرمانرواؤں کی طاقت سے بڑھ کر ہو۔

مودودی صاحب اس مقام پر خود غلطی کا شکار ہوئے ہیں یا انہوں نے دوسروں کو مغالطہ کا شکار کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ انہوں نے اپنے اس بیان میں حکومت و بادشاہت کو طاقت سے الگ اور اس سے متغایر ایک جداگانہ چیز تسلیم کیا ہے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ مودودی صاحب قوتِ فرمانروائی کو حکومت و بادشاہت سے الگ کر کے کس چیز کو بادشاہت و حکومت سمجھتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ فرمانروائی، حکومت اور بادشاہوں کی حقیقت، طاقتِ فرمانروائی اور قوتِ نافذہ کے سوا کچھ نہیں۔ مودودی صاحب ایک جگہ خود بھی اس کی تصریح کر چکے ہیں وہ اسی انتخابی جدوجہد کے صفحہ ۴ پر امیدواری کے عیوب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”امیداری اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے حکومت کی ہوس، طاقت کی حرص اور اقتدار کے لالچ کا دوسرا نام ہے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طاقت و حکومت ایک ہی چیز ہے کیونکہ اگر حکومت طاقت سے علیحدہ کوئی چیز ہو تو حکومت کی امیدواری کو طاقت کی حرص کہنا کیونکر صحیح ہوگا۔ اب اس عقدہ کو مودودی صاحب کی مستقل قوتِ اجتہاد یہی حل کرے گی کہ سلیمان علیہ السلام نے ”طاقت“ طلب کی تھی، حکومت طلب نہیں کی۔

اہل فہم نے کتاب و سنت کی روشنی میں فقہاء کرام کی تصریحات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ انہوں نے ”یحرم“ ”ولا یجوز“ فرما کر اسی طلب قضا کے عدم جواز پر نص فرمائی ہے جو اقتدار پسندی اور طمعِ دنیوی پر مبنی ہو ورنہ جو طلب غرضِ صحیح کے تحت دنیوی مفاد سے

بالا تر ہو، فقہاء کے نزدیک ہرگز جائز نہیں۔ دیکھئے صاحب درمختار فرماتے ہیں

”استحب الشافعية والمالكية طلب القضاء لحامل الذکر نشر العلم“ (شافعیہ اور مالکیہ نے گناہم شخص کے لئے علم دین کی نشر و اشاعت کے واسطے طلب قضا کو مستحب جانا ہے۔) (شامی جلد ۴ صفحہ ۳۴۱)

جب گناہم کے لئے مستحب ہے تو مشہور کے واسطے جائز تو ضرور ہوئی۔

اب فقہائے احناف کی طرف آئیے۔ حضرت علامہ شیخ محی الدین البرکوی رحمۃ اللہ علیہ نے (جن سے علامہ شامی رد المختار میں جا بجا خوشہ چینی فرماتے ہیں) اپنی مشہور کتاب ”طریقہ محمدیہ“ میں اور اس کے شارح علامہ ابوسعید خادمی علیہ الرحمۃ نے ”بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ“ میں ”حب ریاست“ اور طلب جاہ و اقتدار کے مسئلہ میں طویل و بسیط کلام فرمایا ہے۔ وہ ایسی حب ریاست ہے جسے مقاصد حسنہ کے حصول کا وسیلہ بنایا جائے، کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

فهذا ان خلا عن المخطوئ كالرياء والتليس وترك الواجب والسنة فجائز بل مستحب (لان كل ما يكون وسيلة الى مشروع فمشروع قال الله تعالى حكاية عن الصالحين واجعلنا للمتقين اماما) ونحو قول سليمان عليه السلام رب هب لي ملكا لا ينبغي لاحد من بعدى ومن الاصول المقررة ان شريعة من قبلنا شريعة لنا اذا قصه الله او اخبر به الرسول بلا تكبر۔ الخ (بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد ثانی ص ۶۶)

”ریاست و اقتدار کی وہ خواہش (جسے مقاصد حسنہ کے حصول کا وسیلہ بنایا جائے) اگر ممنوعات شرعیہ مثلاً ریاء، تلبیس اور ترک واجب و سنت سے خالی ہو تو جائز بلکہ مستحب ہے۔ اس لئے کہ جو چیز جائز کام کا وسیلہ ہو وہ بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صالحین کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا ”واجعلنا للمتقين اماما“ اے اللہ تو ہمیں پرہیزگاروں کا سردار بنادے اور جیسے سلیمان علیہ السلام کا یہ قول ہے ”رب هب لي ملكا لا ينبغي لاحد من بعدى“ اے میرے رب مجھے ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ یہ ثابت شدہ اصول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہم سے پہلی شریعت کا کوئی حکم قرآن مجید میں بیان فرمائے یا رسول کریم ﷺ اس کی خبر دیں اور اس پر انکار نہ فرمائیں تو وہ حکم بعینہ ہماری شریعت کا حکم ہے۔“

اس کے بعد فرماتے ہیں (والا) ای وان لم یخل عن المخطوئ (فلا) یجوز ضلا عن الاستحباب ”اور اگر وہ خواہش، ممنوعات شرعیہ سے خالی نہ ہو تو پھر جائز بھی نہیں چہ جائیکہ مستحب ہو۔“

علامہ محی الدین محمد البرکوی اور ابوسعید خادمی کی ان تصریحات نے طلب امارت کے مسئلہ کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا اور مودودی صاحب کی تمام عرق و زہری و جانکاهی پر پانی پھیر دیا جس سے ان کے تمام دعویٰ و دلائل کی تردید اور ہمارے مسلک کے ایک ایک حرف کی تائید ہو رہی ہے۔ اس اقتباس کو پڑھ کر ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ ہم نے جو طلب امارت کی تقسیم کی تھی، وہ بالکل حق ہے۔ نیز آیت کریمہ ”رب هب لي ملكا لا ينبغي لاحد من بعدى“ کے جو معنی ہم نے بیان کئے ہیں، وہی صحیح ہیں اور مودودی صاحب کی تاویل باطل ہے۔ نیز آیت کریمہ ”واجعلنا للمتقين اماما“ طلب منصب کی مثبت ہے۔ مودودی صاحب کے بیان کردہ

مطالب صحیح نہیں۔

امید ہے کہ اگر ناظرین کرام ہمارے اس پورے مضمون کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیں گے تو ان پر مودودی صاحب کے نظریات، اجتہادی بصیرت اور دعاوی و دلائل کی حقیقت بالکل بے نقاب اور واضح ہو جائے گی۔ اب ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں مودودیت کے بقیہ خدوخال کا اظہار اور اس کے اصول و نظریات کا ابطال ہدیہ ناظرین کریں گے۔

مودودی صاحب کی کجروی

قال اللہ تعالیٰ، هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ. فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ. وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ. وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ. رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. (ال عمران)

اس آیت کے تحت صاحب تفسیرات احمدیہ فرماتے ہیں

”آیت کے معنی یہ ہیں کہ کتاب اللہ دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے۔ محکمات اور متشابہات۔ آیات محکمات وہ ہیں جو احتمال اور اشتباہ سے محفوظ اور وہ اصل کتاب ہیں اور متشابہات وہ ہیں جن میں اشتباہ اور احتمال پایا جاتا ہے۔ ایسی آیات کو محکمات پر حمل کیا جائے گا اور محکمات کی طرف متشابہات کو لوٹایا جائے گا۔ مثلاً ”الرحمن علی العرش استوی“ میں احتمال اور اشتباہ پایا جاتا ہے اور اس کے ظاہر معنی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور مکان ثابت ہوتا ہے لیکن ہم اسے محکم کی طرف لوٹائیں گے اور اسی پر حمل کریں گے اور وہ آیت محکمہ اللہ تعالیٰ قول ”لیس کمثلہ شیء“ ہے جس میں کوئی اشتباہ اور احتمال نہیں پایا جاتا۔ ایسا کرنے سے ہم کسی شبہ میں مبتلا نہ ہوں گے اور اس حقیقت کو سمجھنے میں ”استوی علی العرش“ بمعنی جلوس نہیں بلکہ بمعنی غلبہ اور استیلا ہے کیونکہ بیٹھنا اجسام کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان ”لیس کمثلہ شیء“ ہے۔

اس آیت قرآنیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ متشابہات کا علم (استقلالی) صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ نیز یہ کہ اہل زلف فتنہ اٹھانے کے لئے آیات متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں اس لئے اہل حق آیات متشابہات کے پیچھے کبھی نہیں پڑتے اور انہیں محکمات کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔“ (صفحہ ۲۶ تفسیرات احمدیہ)

لیکن امت مسلمہ کے لئے یہ کتنا عظیم المیہ ہے کہ اس زمانے میں لوگ محکمات کو متشابہات کی طرف لوٹانے لگے ہیں بلکہ محکم کو متشابہ قرار دینے لگے ہیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ محکمات قرآن ہی ام الکتاب ہیں اور وہ ایسے واضح ہیں کہ ان میں کسی قسم کے احتمال اور اشتباہ کی گنجائش نہیں۔ خصوصاً وہ امور جنہیں قرآن کے بنیادی اصول ہونے کی حیثیت حاصل ہو۔ اگر وہ بھی مشتبہ اور محتمل

قراریں تو اسلام اور قرآن میں محکم کا وجود ہی باقی نہ رہے گا۔ حالانکہ کتاب اللہ کی اصل اور دین کی بنیاد صرف محکمات ہیں۔ اب جو شخص محکمات میں اشتباہ غلطی کے وقوع کا مدعی ہے، درحقیقت وہ قرآن اور اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنے کے درپے ہے۔ مودودی صاحب نے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ذکر کیں اور چاروں کے متعلق کہا کہ

”لفظ الہ“ کو قریب قریب بتوں اور یوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا ”رب“ کو پالنے والا اور پوسنے والا یا پروردگار کا مترادف ٹھہرایا گیا۔ عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کئے گئے۔ دین کو دھرم اور مذہب کے مقابلہ کا لفظ قرار دیا گیا۔ طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی مجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا۔

آگے چل کر غلط فہمی کے نتائج کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں

”پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے۔“

مودودی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کی بنیادیں آیات محکمات ہیں۔ جن چیزوں کو وہ قرآن کی بنیادی اصطلاحیں قرار دے رہے ہیں وہ سب ام الکتاب ہونے کی حیثیت سے محکمات ہیں اور محکم میں کسی اشتباہ اور غلط فہمی کے لئے گنجائش نہیں۔ یہ ان کی کجروی ہے کہ محکمات کو تشابہات قرار دے رہے ہیں۔ مودودی صاحب کے نزدیک ان الفاظ کے ایسے تراجم کئے گئے کہ ان اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ گیا جس کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی روح حقیقی لوگوں کی نگاہوں سے مستور ہو کر رہ گئی۔ کیا مودودی صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ لفظ ”رب“ کا ترجمہ پالنے پوسنے والا یا پروردگار اور اسی طرح لفظ ”عبادت“ کے معنی پوجا اور پرستش اور طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کرنے والے کون لوگ ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم آگے چل کر اس تلخ حقیقت کو واضح کریں گے اور بتائیں گے کہ مودودی صاحب نے عہد فاروقی ہی سے روح قرآن کا صفایا کر دیا۔

سردست ہم انہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کی بنیادی اصطلاحوں کے متعلق طویل مضمون میں جو کچھ کہا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں۔ الہ، رب، عبادت اور دین کے متعلق جتنی آیات مودودی صاحب نے لکھ کر اپنے مضمون کو طویل کیا ہے، ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حاکم حقیقی، مالک حقیقی اور مطاع حقیقی اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ کوئی مسلمان جس نے اصطلاحی کلمات اربعہ کے تراجم مودودی صاحب کے نظریہ کے خلاف کئے ہیں، اس بات کا قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم یا مالک و مطاع حقیقی موجود ہے بلکہ امت مسلمہ کا ہر فرد اعتقاداً اور عملاً اللہ تعالیٰ ہی کو حاکم، مالک اور مطاع حقیقی جانتا اور مانتا ہے اور کسی مسلمان سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ لا طاعة لمن خلو فی معصية الخالق۔

رہا معصیت کا صدور تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے محکمات قرآن میں کسی اشتباہ یا احتمال کی بنا پر کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر معصیت کا ارتکاب کیا ہے بلکہ بشری کمزوریوں کی بنا پر اس سے معصیت کا صدور ہوا جسے قرآن کے بارے میں غلط فہمی پر محمول کرنا انتہائی غلط فہمی

کی دلیل ہے۔

مودودی صاحب کی نظر میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاعلمی

اب ہم اس تلخ حقیقت کو مودودی صاحب پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ رب کا ترجمہ پروردگار یا پالنے والا اور اسی طرح عبادت کے معنی پرستش اور بندگی اور طاغوت کا ترجمہ بت اور شیطان کرنے والے ان کے بھی مقتدا اور پیشوا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ رفیع الدین دہلوی اور مولوی محمود الحسن دیوبندی ہیں۔ ملاحظہ ہوں ان کے تراجم۔

صرف یہی نہیں بلکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طاغوت کا ترجمہ شیطان کیا ہے۔ دیکھئے بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۵۹

قال عمر الحبب السحر والطاغوت الشيطان

حوالہ جات منقولہ بالا بالخصوص سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو سامنے رکھ کر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے دور میں قرآن مجید کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح لوگوں کی نگاہوں سے مستور ہو چکی تھی جو چودہ سو برس کے بعد اب مودودی صاحب کو نظر آئی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

سید احمد سعید کاظمی امروہوی غفرلہ

WWW.KAZIMIIS.COM